علامہ سید مرتضیٰ عسکری

اسلامی عقائد

قرآن کی روشنی میں

الحمد لله الذی جعلنا من المتمسکین بالقرآن العظیم

الحمد لله الذی جعلنا من المتمسکین بالقرآن العظیم

عقائد الاسلام من القرآن الکریم

اسلامی عقائد

قرآن کی روشنی میں

جلد اول

علامہ سید مرتضیٰ عسکری

جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان

پوسٹ بکس نمبر ۵۴۲۵ کراچی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں بحق
جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان

تالیف
علامہ سید مرتضیٰ عسکری

ترجمہ
مولانا محمد حسن جعفری

تہذیب و نظرثانی
رضا حسنین رضوانی

طبع اول
جنوری ۲۰۰۲ء

مطبع
محراب پریس کراچی

انتساب

ان معظمہ کے نام

جنہوں نے سب سے پہلے توحید اور رسالت کا اقرار کیا۔

جنہوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ اسلام پر نچھاور کر دیا۔

جنہوں نے اپنا سارا سرمایہ اسلام کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا۔

جنہوں نے امہات المومنین میں سب سے اونچا رتبہ پایا۔

میں اس کتاب کو حضرت پیغمبرؐ اور ان کی نانی کے حضور پیش کرتا ہوں۔

میں اس کتاب کو حضرت فاطمہ زہراؑ کی مادر گرامی کی نذر کرتا ہوں۔

میں اس کتاب کا ثواب اپنی نانی حضرت خدیجہؑ کو ہدیہ کرتا ہوں۔

خدایا ! اس کتاب کو مسلمانوں کیلئے نفع بخش قرار دے۔

مرتضیٰ عسکری

اسلام

"کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟
اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے۔
یہ علم کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے عقل و دانش کے متعدد چشمے پھوٹتے ہیں۔
یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔
یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے۔
یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو حق اور صداقت کے ہر متلاشی کو اطمینان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی برترین خوشنودی کی جانب ایک شاندار راستا اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، ناقابل تردید تفوق اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔

اب یہ تمہارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی ہے اسے قائم رکھو۔ اس پر خلوص دل سے عمل کرو۔ اس کے معتقدات سے انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔"

(امام علی علیہ السلام)

کچھ اپنے بارے میں

حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم موسوی خوئی رضوان اللہ علیہ کا قائم کردہ یہ بین الاقوامی ادارہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان اب زعیم الحوزہ العلمیہ نجف اشرف حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی حسینی سیستانی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں دنیا بھر میں مستند اسلامی لٹریچر عوام تک پہنچانے میں کوشاں ہے۔ اس ادارے کا مقصد دور حاضر کی روحانی ضروریات کو پورا کرنا، لوگوں کو محکم اسلامی علوم کی طرف راغب کرنا اور اس گراں بہا علمی ورثے کی حفاظت کرنا ہے جو اہلبیت رسول علیہم السلام نے ایک مقدس امانت کے طور پر ہمارے سپرد کیا ہے۔

یہ ادارہ اب تک اردو، انگریزی اور دیگر زبانوں میں سیکڑوں کتابیں شائع کرچکا ہے جو اپنے مشمولات، اسلوب بیان اور طباعت کی خوبیوں کی بنا پر فروش کتب میں نمایاں مقام حاصل کرچکی ہیں۔ انشاء اللہ نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ انسانیت کو صراط مستقیم کی شناخت کرواتا رہے گا۔

اس کے علاوہ جامعہ ہذا تقریباً ۵۰۰ مدارس اور مکاتب میں زیر تعلیم بچوں اور جوانوں کو اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

دعوت اسلام ایک ایسا کام ہے جس کو فروغ دینے کے لئے ہم سب کو باہمی تعاون کرنا چاہئے۔ ادارہ آپ سب کو اس کار خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے آپ بھی اس میں اپنا حصہ ڈالیں تاکہ اسلامی تعلیم دنیا بھر میں عام ہو سکے۔

دعا ہے کہ خدا بحق محمدؐ و آل محمدؐ ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

شیخ یوسف علی نفسی

وکیل حضرت آیت اللہ العظمیٰ سیستانی دام ظلہ العالی

فہرست

عرضِ مؤلف ۹
میثاقِ الست ۱۵
انسان غلط بات ماننے پر مجبور نہیں ۱۷
تصورِ الوہیت ۲۵
اِلٰہ کا مفہوم ۲۶
لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ۲۸
کیا خدا کی کوئی اولاد ہے؟ ۳۵
امام حسینؑ صمد کی وضاحت کرتے ہیں ۴۱
قرآن کریم میں مخلوقات کی اصناف ۴۳
فرشتوں کا انسانی روپ میں آنا ۴۳
فرشتے اور پیغام رسانی ۴۵
فرشتے اور نزولِ تقدیر ۴۵
فرشتے اور موت ۴۶
فرشتے اور روزِ قیامت ۴۷
فرشتوں پر ایمان ضروری ہے ۴۷
فرشتوں کا دشمن کافر ہے ۴۷
عالمِ غیب کے متعلق بے سروپا تصورات ۵۰
آسمان اور زمین ۵۲
زمین ۵۹
کواکب ۶۱
جنات ۷۰
شیاطین ۷۲
ابلیس — قرآن میں ۷۴
جن — قرآن میں ۷۸
حضرت سلیمانؑ کی وفات ۷۸
انسان ۸۳
آدمؑ اور ابلیس ۸۴
جنتِ آدمؑ کہاں تھی؟ ۹۱
جب عزت ذلت میں تبدیل ہوئی ۹۳
حضرت آدمؑ اور حواؑ کی دانشمندی ۹۳
آغازِ خلقت کی کہانی، معصومینؑ کی زبانی ۹۶
تصورِ ربوبیت ۱۰۳
رب کے لغوی معنی ۱۰۳
رب کے اصطلاحی معنی ۱۰۳
ربُّ العالمین کون ہے؟ ۱۰۶
ربوبیت صرف خدا کو زیبا ہے ۱۰۹
خلق کیلئے ربُّ العالمین کی ہدایت ۱۱۵
ملائکہ کی براہِ راست تعلیم ۱۱۵
حشرات کی تسخیر ۱۱۹
فطری الہام ۱۲۲

وحی کے ذریعے انسان اور جنات کی تعلیم ۱۲۳

دین اور اسلام ۱۲۹

اسلام اور مسلم ۱۲۹

مومن اور منافق ۱۳۱

تمام شریعتوں کا نام اسلام رہا ہے ۱۳۲

شریعتوں اور ان کے ناموں میں تحریف ۱۳۳

یہود کی تحریف کا نمونہ ۱۳۵

توراۃ کی یہ تعلیمات کیا کہتی ہیں ۱۳۷

نصاریٰ کی تحریف ۱۳۷

نصاریٰ کا عقیدۂ تثلیث ۱۳۸

اسلام قرآن کی نگاہ میں ۱۳۹

شریعت اسلام انس و جن دونوں کیلئے ہے ۱۴۷

خدا کے مبلغ اور عوام کے معلم ۱۵۲

نبی اور نبوت ۱۵۲

رسول اور رسالت ۱۵۳

وصی اور وصایت ۱۵۵

توراۃ و انجیل میں انبیاء کے حالات ۱۵۸

قرآن مجید میں انبیاء اور اوصیاءؑ کا تذکرہ ۱۵۹

آیت اور معجزہ ۱۶۰

خدائی مبلغین کے اوصاف ۱۶۸

خلفائے الٰہی کی عصمت غیر عمل کی تاثیر رہا ۱۷۲

اوریا کی بیوہ سے حضرت داؤدؑ کے نکاح کا افسانہ ۱۷۶

زینبؓ آنحضرتؐ کے نکاح کی ساختہ روایات ۱۷۶

وھب بن منبہ کی روایت ۱۷۷

حسن بصری کی روایت ۱۷۹

یزید رقاشی کی روایت ۱۸۰

زینبؓ رسول اکرمؐ کے نکاح کی صحیح روایت ۱۸۷

مکتب خلفاء کی تاویل ۱۸۸

حضرت زیدؓ کی سرگزشت ۱۸۹

حضرت زیدؓ کا حضرت زینبؓ سے نکاح ۱۹۱

عصمت انبیاء سے متعلق آیات کی غلط تاویل ۱۹۲

تاویل آیات بزبان وارثان قرآن ۲۰۱

تفسیر قمی کی روایت کا جواب ۲۰۳

نبیوں اور ان کی امتوں کے معرکے ۲۰۷

حضرت موسیٰ اور فرعون کا معرکہ ۲۰۷

حضرت ابراہیمؑ کا جہاد توحید ۲۱۳

تربیت اجسام کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کا جہاد ۲۱۶

متقن نظام رب کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کا جہاد ۲۱۸

شریعتوں کا منسوخ ہونا ۲۲۱

حضرت آدمؑ کی شریعت ۲۲۱

حضرت نوحؑ کی شریعت ۲۲۲

حضرت ابراہیمؑ کی شریعت ۲۲۳

نسخ اور اصطلاحات کا مفہوم ۲۳۱

آیت نسخ ۲۳۲

آیت تبدیل ۲۳۶

شریعت موسیٰ بنی اسرائیل کیلئے تھی ۲۳۶

بنی اسرائیل کو نعمات کی یاد دہانی ۲۳۶

توراۃ اور اس کے کچھ احکام ۲۳۷

خدا کا انعام اور بنی اسرائیل کی سرکشی........ ۲۴۹
ایک ہی شریعت میں ناسخ ومنسوخ کی کیفیت ۲۵۶
انسانی اعمال کا بدلہ ۲۶۶
دنیا میں انسانی اعمال کا بدلہ........ ۲۶۶
دنیا اور آخرت میں اعمال کا بدلہ........ ۲۶۸
آخرت میں اعمال کا بدلہ ۲۶۹
حلال اور حرام کی تفریق........ ۲۷۱
نزع میں اعمال کا بدلہ........ ۲۷۴
قبر میں اعمال کا بدلہ ۲۷۵
حشر میں اعمال کا بدلہ ۲۷۵
جنت یا جہنم میں اعمال کا بدلہ ۲۸۰
صبر کی جزاء........ ۲۸۵
روایات میں صابرین کی جزاء........ ۲۸۸
اولاد میں عمل کا بدلہ........ ۲۸۸
کچھ اعمال کی جزاء موت کے بعد جاری رہتی ہے........ ۲۹۰
استحقاق شفاعت کچھ اعمال کا بدلہ ہے ۲۹۲
شفاعت کی روایات ۲۹۳
حبط اعمال بعض افعال کا نتیجہ ہے........ ۲۹۶
جنات بھی اعمال کا بدلہ پائیں گے ۲۹۹
رب العالمین کے چند صفات اور نام ۳۰۲
ذُوالعَرْشِ اور رَبُّ العَرْشِ ۳۰۲
الرحمٰن........ ۳۰۳
الرحیم........ ۳۰۳
اسم........ ۳۰۷

رب کی صفات وافعال........ ۳۱۵
اسمائے حسنیٰ ۳۱۷
کرسی کا مفہوم ۳۱۹
عبد اور عبودیت........ ۳۲۰
رب العالمین کی حیثیت ۳۲۲
بداء یا لوح محو وثبت ۳۳۱
قرآن میں بداء کا تصور........ ۳۳۱
کتب خلفاء اور بداء ۳۳۷
روایات اہلبیتؑ میں بداء کا تذکرہ........ ۳۳۸
جبر، تفویض اور اختیار........ ۳۴۲
قضاء وقدر ۳۴۳
قضاء کا مفہوم ۳۴۳
قدر کا مفہوم ۳۴۳
قضاء وقدر پر ائمہ اہلبیتؑ کی روایات........ ۳۴۵
جبر وتفویض کے دو پہلو........ ۳۴۸
چند سوال اور ان کے جواب........ ۳۴۹
(ضمیمہ نمبر۱) ۳۵۲
مخلوق کی ابتداء اور بعض مخلوق کی صفات کا تذکرہ
(ضمیمہ نمبر۲) ۳۵۶
قرآن کریم اور اصول کائنات
(ضمیمہ نمبر۳) ۳۶۱
سفر سوئنگل ۲ کا باب نمبر ۱۱ اور ۱۲
(ضمیمہ نمبر۴) ۳۶۳
اسلامی افکار میں فکر اہلبیتؑ کی چھاپ

عرضِ مؤلف

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ الطَّاهِرِيْنَ ۔
وَالسَّلَامُ عَلٰى أَصْحَابِهِ الْمُنْتَجَبِيْنَ ۔

اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر میں نے حسب ذیل مقاصد کے حصول کی غرض سے یہ کتاب لکھی ہے۔

(۱) میں نے دیکھا کہ انسانی مکاتب فکر صدیوں سے قرآنی افکار کی مخالفت میں مصروف ہیں اور مختلف اجتماعی اداروں نے بہت سے ایسے قوانین بنائے ہیں جو احکام قرآن کے سراسر خلاف ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ کچھ جدید تعلیم یافتہ افراد قرآن کو مخلوق کے نظریات سے مطابقت دینے کی منظم کوشش کرتے ہیں جس سے لوگوں کے تخلیق کائنات اور خالق سے مخلوق کے ارتباط کے قرآنی نظریے کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے قرآن مجید سے کچھ ایسے آسان اور سادہ مباحث پیش کیے ہیں جن کا تعلق باری تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسمائے حسنیٰ سے ہے۔ میں نے اس ضمن میں قرآن مجید کے ان نظریات کو قرآنی آیات سے ہی واضح کیا ہے جو مخلوق کے سلسلے میں بیان ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ انسان کی خلقت کے پہلے دن سے لے کر روز قیامت تک خالق کے ساتھ رابطے کی نوعیت کیا ہے۔ اس کے لئے میں نے انسانی نظریات کی بجائے قرآنی آیات پر ہی انحصار کیا ہے۔

(۲) میں نے القرآن الکریم و روایات المدرستین کی دوسری جلد میں یہ بحث کی تھی کہ کتب خلفاء میں رسول اکرمؐ سے منسوب ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ کے اسما کو تبدیل کرنا جائز ہے حالانکہ میرے نزدیک یہ نظریہ کسی طور پر بھی درست نہیں ہے۔ اس نظریے کے ابطال کے لئے ایک تفصیلی بحث کی ضرورت تھی چنانچہ میں نے زیرِ نظر کتاب میں لفظ "الالٰہ" اور "الرب" کی مثالوں سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید میں جہاں الالٰہ آیا ہے وہاں الرب لانا اور جہاں الرب آیا ہے وہاں الالٰہ لانا کسی طور پر بھی مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ اس بحث میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کتب خلفاء کا مذکورہ نظریہ کسی علمی بنیاد پر قائم نہیں ہے اس لئے اسے رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے نسبت دینا صحیح نہیں ہے۔

میں نے القرآن الکریم و روایات المدرستین میں کتب خلفاء سے تنخ کی روایات پیش کی تھیں اور اب اس کتاب میں انبیاء کی شریعتوں کے منسوخ ہونے کا جائزہ پیش کروں گا۔

(۳) میں نے مجمع علمی اسلامی کو" حوزۂ علمیہ" کے لئے نصابی کتب تیار کرنے کی سفارش کی تھی مگر اسلامی عقائد کے متعلق مجھے ایسی کوئی کتاب دکھائی نہ دی جو عصری تقاضوں کو پورا کرتی ہو۔ اسی لئے میں نے خدا کی مدد پر بھروسا کرتے ہوئے کتاب ہذا کو مرتب کیا ہے تاکہ یہ کتاب حوزہ ہائے علمیہ کے" اعتقادی مضمون" کی ضروریات کو پورا کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہو۔

(۴) ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد میں نے محسوس کیا کہ لوگوں میں اسلام شناسی کی ایک لہر پیدا ہوئی ہے اور مغربی ممالک میں رہائش پذیر اسلامی ممالک کے شہریوں خاص کر عربوں کے لئے جن کا اسلامی منابع سے رابطہ کٹ چکا ہے فکری رہنمائی کے لئے کتابوں کے ایک سلسلے کی شدید ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے میں نے قیام الائمۃ باحیاء السنۃ تالیف کی اور اس کی پہلی جلد میں ''اسلامی اصطلاحات'' کے باب کو کتاب ہذا کا مقدمہ قرار دیا۔

میں نے کتاب ہذا میں اسلامی عقائد کو آیات قرآنی سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب میں اس کتاب کی ترتیب وتشکیل کے لئے قرآن مجید کے مطالعے میں مصروف تھا تو مجھ پر یہ حقیقت عیاں ہوئی کہ قرآن مجید اسلامی عقائد کو انتہائی سلیس اور سادہ انداز میں پیش کرتا ہے۔ قرآن مجید نے اپنے استدلال کی بنیاد بھاری بھرکم اصطلاحات پر نہیں رکھی۔ قرآنی استدلال اتنا سہل اور آسان ہے کہ عربی پڑھا لکھا ہر صاحب شعور انسان اسے اچھی طرح سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے صرف علماء کو ہی اپنا مخاطب قرار نہیں دیا بلکہ وہ یاایّھا النّاسُ کہہ کر تمام انسانوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتا ہے۔

اس کے برعکس مجھے علماء کے رویے پر انتہائی حیرت اور افسوس ہے کہ انہوں نے اسلامی عقائد کے متعلق قرآن مجید کے عام فہم اسلوب کو چھوڑ کر یونانی فلاسفہ کے افکار، صوفیاء کے خود ساختہ عرفان، متکلمین کی مجلک بحثوں، اسرائیلی روایات اور رسول اکرمؐ سے منسوب تمام رطب ویابس کو اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ علماء نے قرآنی تعلیمات کو" فلسفہ" کے تابع بنانے کے لئے تاویلات سے کام لیا اور اس طرح اسلامی عقائد کو طلسم اور چیستان بنادیا۔ جب تک کوئی شخص بلاغت، منطق، کلام اور فلسفہ وغیرہ میں مہارت حاصل نہ کرے اس وقت تک اس کے لئے اسلامی عقائد کا سمجھنا مشکل بنادیا گیا ہے۔ علماء کی اس روش کے نتیجے میں معتزلی، اشعری، مرجی اور خارجی پیدا ہوئے۔

(۵) جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اسلامی عقائد ایک زنجیر کی طرح ایک دوسرے سے مربوط نظر آتے ہیں۔ اس کا ایک حلقہ دوسرے حلقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ عقائد کے تمام حلقے مل کر اسلامی عقائد کی

جامع زنجیر کو تشکیل دیتے ہیں اور عقائد کا ہر حلقہ دوسرے حلقے کی تکمیل کرتا ہے۔ اس کے برعکس علماء نے ان عقائد کی زنجیر کے تمام حلقوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے جس کی وجہ سے اسلام کے طالب علموں کے لئے عقائد اسلام کی حکمت پس پردہ چلی گئی ہے۔

چنانچہ ہم نے درج بالا اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی اس کتاب کے مطالب کو حسب ذیل انداز سے مرتب کیا ہے

اسلوب بحث

میں نے عقائد کے آب زلال کو قرآن مجید کے شفاف و شیریں چشمے سے براہ راست حاصل کیا ہے

اس بات سے ہر انسان باخبر ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے

۱۔ انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ○ (اے اہل عرب!) ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم اسے سمجھ سکو۔ (سورۂ یوسف آیت ۲)

۲۔ نزل به الرُّوحُ الأمينُ على قلبك لِتكونَ من المُنذِرين ○ بلسانٍ عربيٍّ مُبين ○ اس (قرآن) کو روح الامین نے آپؐ کے دل پر (القا کیا ہے تاکہ) آپ لوگوں کو (عذاب آخرت سے) بیدار کر دیں اس نے ہماری طرف سے (یہ القا) فصیح عربی زبان میں کیا ہے۔ (سورۂ شعراء ۱۹۳،۱۹۴)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم اس دور میں نزول قرآن کے زمانے کی عربی سے بہت دور ہو چکے ہیں چنانچہ میں نے تفسیر آیات کے لئے مختلف لغات کی طرف اور تفہیم آیات کے لئے حدیث و سیرت کی ان روایات کی طرف رجوع کیا جن کی تنقیح میں اپنی دوسری کتابوں میں کر چکا ہوں۔ میں نے اس کتاب کے مباحث میں ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

میں نے اس کتاب کے مباحث میں تین طرح کی تفسیر پر انحصار کیا ہے

(۱) روائی تفسیر (۲) لغوی تفسیر (۳) موضوعی تفسیر

روائی تفسیر

سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور بحرانی نے تفسیر البرہان میں روائی تفسیر کی روش کو اپنایا ہے البتہ میں نے روائی تفسیر کرتے وقت سیوطی کا انداز نہیں اپنایا کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب میں ایک ہی آیت کے ضمن میں ایک دوسرے کی متضاد روایات نقل کی ہیں جبکہ میں نے صرف وہ روایات نقل کی ہیں جو میرے نزدیک صحیح تھیں اور

بعض مقامات پر میں نے سیوطی کی روایات پر تنقید بھی کی ہے۔

حدیث نقل کرتے وقت میں نے صرف شیعہ منابع پر ہی انحصار نہیں کیا بلکہ کتب خلفاء کی کتب صحاح، مسانید اور سنن سے بھی استفادہ کیا ہے۔ حدیث میں اختلاف کی صورت میں میں نے ایسی حدیث کو ترجیح دی ہے جس کی صحت کی دلیل میرے پاس (مکتب اہلبیتؑ میں) روشن تھی۔

اور جہاں تک درایت حدیث کا تعلق ہے تو میں نے چھٹی صدی ہجری تک کے مشائخ حدیث کے طور طریقوں پر انحصار کیا ہے۔ درایت حدیث کی مکمل بحث کے لئے میری کتاب "معالم المدرستین، جلد سوم، باب ائمہ اہلبیتؑ نے شناخت حدیث کے قواعد مقرر کئے" ملاحظہ فرمائیں۔

لغوی تفسیر

روائی تفسیر کے علاوہ میں نے لغوی تفسیر و تشریح سے بھی سیر حاصل استفادہ کیا ہے۔ یہ صرف مجھ پر ہی موقوف نہیں — سیوطی نے بھی حل لغات کے لئے ابن عباسؓ سے منسوب تفسیر پر انحصار کیا تھا۔ لغت میں دیگر علمائے لغت کی طرح اپنے مباحث کو غیر ضروری طول نہیں دیا کیونکہ علمائے تفسیر نے ایک حقیقی معنی کو بیان کرنے کے علاوہ مجازی معانی پر بھی خاصی بحث کی ہے جبکہ میں نے آیت کے سیاق و سباق میں ابھرنے والے معنی تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھا ہے۔

موضوعی تفسیر

مذکورہ بالا دو قسم کی تفاسیر کے علاوہ میں نے موضوعی تفاسیر سے بھی استفادہ کیا ہے اور مجھ سے قبل فقہاء نے آیات احکام کے متعلق اسی اسلوب کو اپنایا ہے۔

ائمہ اہلبیتؑ سے تفسیر کی یہ تینوں اقسام بروایت صحیح مروی ہیں۔ اس مقام پر یہ بتانا انتہائی ضروری ہے کہ قرآنی آیات میں اکثر غیب سے زائد مطالب مراد ہیں جبکہ میں نے الفاظ آیت کو مقصد بحث تک ہی محدود رکھا ہے اور طویل بحث سے اجتناب برتا ہے تاکہ قارئین کو نتیجہ اخذ کرنے میں مشکل پیش نہ آئے۔

میں نے مختلف موضوعات کے تحت ایک ہی آیت کو بار بار پیش کیا ہے کیونکہ ایک لفظ دو علیحدہ علیحدہ مقامات پر مختلف طرح سے استعمال ہوا ہے جس کی وجہ سے اس کے معانی بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔

جہاں کہیں تکمیل بحث کے لئے ضروری تھا وہاں میں نے روایات کو نقل کرنے سے گریز نہیں کیا اور قرآنی مفہوم کی تائید و تقویت کے لئے تورات اور انجیل کے بھی حوالے دیئے ہیں۔ کتب سابقہ کے حوالوں کی

ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کیونکہ:

توریت و انجیل سیرت انبیاء کے قدیم ترین مآخذ ہیں اور اللہ نے قرآن مجید میں اس سے استشہاد کرتے ہوئے فرمایا ہے کُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ ۗ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ توریت کے نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل کے لئے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں سوا ان کے جو یعقوبؑ نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو توریت لاؤ اور اس سے دلیل پیش کرو۔ (سورہ آل عمران آیت ۹۳) البتہ میں نے ان عہد ناموں سے ایسی روایت نقل نہیں کیں جن میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف نامناسب صفات منسوب کی گئی ہیں یا انبیاء و مرسلین کی توہین کی گئی ہے یا علم و عقل کے خلاف بات کی گئی ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کی بشارت کے بارے میں بھی توریت اور انجیل سے حوالے دیئے ہیں۔ یہ ذیل سنت الٰہی کے عین مطابق ہے کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں نوید عیسیٰؑ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ○ اور (وہ وقت یاد کرو) جب عیسیٰؑ بن مریمؑ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں اور جو کتاب مجھ سے پہلے آ چکی ہے یعنی توریت اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمدؐ ہوگا (سورہ صف آیت ۶) جہاں مختلف اقوال میرے پیش نظر تھے وہاں میں نے صرف اسی قول کو لیا ہے جس کے صحیح ہونے کی دلیل میرے پاس موجود تھی اور میں نے قول کے ساتھ اس کی دلیل کو بھی بیان کیا ہے۔ بعض مقامات پر میں نے علمائے سابقین کے نظریات سے بھی اختلاف کیا ہے اور جہاں جہاں اختلاف کیا ہے اس کی دلیل بھی بیان کی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب اور مضامین کی تشکیل کے لئے میں نے قرآن مجید سے بھرپور رہنمائی حاصل کی ہے کیونکہ قرآن مجید نے اسلامی عقائد کو مربوط کڑیوں والی زنجیر کے انداز میں بیان کیا ہے جس کی تمام کڑیاں ایک دوسرے سے باہم جڑی ہوئی ہیں اور سابقہ بحث آنے والی بحث کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ جب تک عقائد اسلام کا مطالعہ اس قرآنی انداز سے نہ کیا جائے ان کی حکمت اجاگر نہیں ہو سکتی۔

دعا ہے کہ خداوند عالی اعلیٰ ان مسلمانوں کے لئے جو قرآن کریم سے آسان اور عام فہم عقائد حاصل کرنے کے خواہاں ہیں اس کتاب مستطاب کو مفید بنائے اور قرآن کریم کے پرچم تلے تفرقے سے بچتے ہوئے حسن اور اتحاد بین المسلمین کے شیدائی افراد کے لئے اس کتاب کو ایک رہبر کی حیثیت عطا فرمائے۔

بے شک خداوند عالم نے کیا فرمایا ہے:

یاأیها الناس قد جاءکم برهان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا ○ فاما الذین امنوا بالله واعتصموا به فسیدخلهم فی رحمة منه و فضل و یهدیهم الیه صراطا مستقیما ○ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آ چکی ہے اور ہم نے (کفر کا اندھیرا دور کرنے کے لئے) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسی کے ہو رہے وہ عنقریب ان کو اپنی رحمت و فضل (کے کھلے باغوں) میں داخل کرے گا اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت کرے گا۔

(سورۂ نساء آیت ۱۷۴ اور ۱۷۵)

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

مرتضیٰ عسکری

میں نے اپنی علمی کم مائیگی کے اعتراف کے ساتھ مختلف اردو، فارسی اور انگریزی تراجم سے اس کتاب میں علامہ صاحب کی عربی تفسیر سے استفادہ کر کے قرآنی آیات کا سلیس اردو ترجمہ کیا ہے اور جہاں کہیں بھی حاشیہ لکھا ہے وہاں (☆) کا نشان لگا دیا ہے۔ فللہ الحمد

رضا حسین رضوانی

میثاق الست

اللہ تعالیٰ نے نسل آدمؑ سے ایک میثاق لیا تھا جس کے متعلق قرآن مجید میں آتا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ○ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ○ جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور خود ان ہی کو ان پر گواہ ٹھہرا کے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا (بیشک تو ہمارا رب ہے) ہم اس کے گواہ ہیں۔ یہ اس لئے ہوا کہ قیامت کے دن تم لوگ یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس سے غافل تھے، یا یہ کہہ دو کہ ہم سے پہلے ہمارے بڑوں نے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد آنے والی نسل کے تھے، کیا جو کام اہل باطل کرتے رہے اس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کرے گا۔ (سورہ اعراف آیت ۱۷۲، ۱۷۳)

ان آیات کی تفسیر سے پہلے ہم ایک مختصر تمہید بیان کرنا چاہتے ہیں۔

جب ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی ناف شکم مادر سے جدا کی جاتی ہے تو اس کا معدہ بھوک محسوس کرتا ہے۔ چونکہ بچہ اپنے احساسات کو بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا اس لئے وہ رونے کا سہارا لیتا ہے۔ اس کے وجود میں بے چینی کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے اس کے چہرے پر دیکھا جا سکتا ہے۔ بچے کے رونے سے ماں سمجھ جاتی ہے کہ اس کا بچہ غذا مانگ رہا ہے اور وہ بچے کو دودھ پلاتی ہے۔ بچہ آہستہ آہستہ ماں کی چھاتی سے دودھ چوسنے لگتا ہے اور یہ دودھ منہ کے ذریعے اس کے معدے تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر بچہ جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے تو وہ تھوڑی غذا کھانے لگتا ہے اور غذا کا یہ سلسلہ ساری زندگی جاری رہتا ہے۔ جسمانی نشوونما کے لئے غذا بہت ضروری ہے اور ہر جاندار اپنے وجود کی بقا کے لئے غذا کا محتاج ہے۔ غذا کی یہی خواہش ہر جاندار کو عمل اور تگ و دو پر آمادہ کرتی ہے۔

ایک بچہ جب بڑا ہوتا جاتا ہے تو اس کی سوچنے سمجھنے کی فکری صلاحیتیں بھی بیدار ہونے لگتی ہیں۔ چنانچہ جب وہ اپنے سامنے کسی نئی چیز کو دیکھتا ہے تو اس کے متعلق ماں باپ سے سوال پوچھنے لگتا ہے۔ مثلاً جب وہ سورج کو غروب ہوتے دیکھتا ہے تو اپنے ماں باپ سے پوچھتا ہے کہ رات کے وقت سورج کہاں چلا جاتا ہے؟ اور جب وہ کسی پہاڑ کے دامن میں بہتے ہوئے چشمے کو دیکھتا ہے تو اپنے جذبۂ تجسس سے مجبور ہو کر ماں باپ

سے پوچھتا ہے کہ یہ پانی کہاں سے آرہا ہے؟ اسی طرح جب وہ بادلوں کو ہوا کے دوش پر اڑتے ہوئے دیکھتا ہے تو پوچھتا ہے کہ یہ بادل کہاں جارہے ہیں؟ مختصر یہ کہ ہر انسان فطری تجسس سے مجبور ہو کر اپنے بڑوں سے کائنات کے متعلق سوال کرتا رہتا ہے۔

جس طرح معدہ انسان کو غذا حاصل کرنے پر مجبور کرتا ہے اسی طرح دماغ بھی انسان کو معلومات حاصل کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ غذا کی خواہش کا محرک معدہ ہے اور معلومات کے حصول کا محرک عقل ہے۔

ہر انسان اپنی پوری زندگی معدے اور عقل کے تقاضوں میں بسر کرتا ہے۔ ہر انسان غذا کے ساتھ ساتھ حوادث کے علل و اسباب جاننے کا خواہش مند رہتا ہے اور ہر چیز کی حرکت و سکون کی وجہ جاننا چاہتا ہے اور یہی فطری تقاضا اس کے لئے علم و معرفت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ عقل مند انسان صرف موجودات کے متعلق ہی معلومات حاصل نہیں کرتا بلکہ وہ یہ بھی سوچتا ہے کہ آخر ان موجودات کا موجد کون ہے؟ وہ صرف موجودات کی حرکت و سکون کی تلاش میں ہی نہیں رہتا بلکہ موجودات کو حرکت و سکون بخشنے والے کے متعلق بھی جستجو کرتا ہے اس کی عقل اس سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ اس نظام ہستی کے چلانے والے کے بارے میں بھی غور کرے۔

حیراں ہے بُوعلی کہ میں آیا کہاں سے ہوں

رومیؔ یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کدھر کو میں! (اقبالؔ)

جب کوئی باشعور انسان زمین کے گرد چاند کی گردش اور سورج کے گرد زمین کی گردش اور الیکٹرون کی اپنے محور کے گرد گردش اور خون کے سرخ و سفید خلیوں کی گردش اور اس طرح کی ہزاروں گردشوں کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس کائنات کا ایک رب ہے جو تمام موجودات کی زندگی کو منظم رکھے ہوئے ہے اور وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ... کا یہی مفہوم ہے۔

تفسیر آیت

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ یعنی تمہارے رب نے اولاد آدم سے عہد لیا جب اس نے ان کے باپوں کی صلبوں (یعنی عالم ذر) سے ان کی نسل چلائی۔

۱۔ مجمع البحرین، مادّہ الفطرۃ۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ ص۲۲ و ۲۵، حدیث ۲۰۴۷، ۲۰۴۹۔ صحیح بخاری کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی، ج ۲، ص۱۲۶۔ سنن ابو داؤد، کتاب السنۃ، باب فی ذراری المشرکین، ج۴ ص۳۱۶۔ سنن ترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء کل مولود یولد علی الفطرۃ، ج۸، ص۳۰۳۔ موطا مالک، کتاب الجنائز باب جامع الجنائز، ج۱، ص۲۴۱ حدیث ۵۲۔ مسند احمد بن حنبل ج ۲، ص۲۳۳، ج ۳، ص۴۳۵، ج ۴، ص۲۴

و اشھدھم علی انفسھم اور ان میں سے ہر ایک کو اس کی ذات پر گواہ بنایا اور ان کی فطرت میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ موجود کے وجود اور اس کی حرکت کے اسباب کی جستجو کریں اور اپنی فطری استعداد اور عقل کے ذریعے یہ فیصلہ کریں کہ مخلوق کے لئے خالق اور منظم نظام کے لئے منتظم کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ معلوم سے مجہول تک پہنچنے کی یہ صلاحیت رب جلیل نے صرف انسانوں کو ہی عطا فرمائی ہے۔ اسی فطری استعداد کی وجہ سے انسان نامعلوم شے کی حقیقتوں کا ادراک کرتا ہے جبکہ دوسری مخلوق اس وصف سے محروم ہے۔ ہم انشاء اللہ وعلّم آدم الاسماء کی تفسیر کے ضمن میں اس نکتے کو واضح کریں گے۔

انسان غلط بات ماننے پر مجبور نہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی سرشت میں خصوصی استعداد ودیعت فرمائی ہے اور اسی استعداد کی وجہ سے واشھدھم علی انفسھم یعنی خود ان کو ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے واجب الوجود نے پوچھا تھا۔ الست بربکم یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو نوع انسان نے زبان فطرت سے جواب دیا تھا کہ بلیٰ شھدنا یعنی کیوں نہیں ہم اس بات کے گواہ ہیں۔

اسی مفہوم کو حضرت رسول اکرمؐ نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کلُّ مولود یولد علی الفطرۃ حتی یکون ابواہ یھوّدانہ و ینصّرانہ یعنی ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی اور نصرانی بناتے ہیں۔[1] ایک اور روایت میں و یمجّسانہ بھی آیا ہے یعنی مجوسی بناتے ہیں۔[2]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہر انسان معرفت ربوبیت کی فطرت لے کر پیدا ہوتا ہے اور والدین اسے اس کی فطرت سلیمہ سے منحرف کرتے ہیں اور اسے یہودیوں نصرانیوں یا مجوسیوں کے دین میں لے جاتے ہیں جبکہ یہ تینوں ادیان دین فطرت سے منحرف ہیں اور انہوں نے اللہ کے دین میں تحریف کی ہے۔

اس آیت میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تھا، الوہیت کا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "رب" یعنی نظام ہستی کے چلانے والے پر ایمان کا نتیجہ اللہ الخالق پر ایمان کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ الخالق پر ایمان کا نتیجہ نظام ہستی کو چلانے والے رب پر ایمان کی صورت میں نہیں نکلتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے روز الست انسانوں کو خود ان کے اوپر گواہ قرار دیا تاکہ وہ قیامت میں یہ نہ کہیں کہ انا کنا عن ھذا غافلین یعنی ہم تیری ربوبیت سے بے خبر تھے اور تو نے اس کے لئے ہم پر کوئی حجت قائم نہیں کی تھی اور نہ ہماری عقل ہی کی تکمیل کی تھی اس لئے ہم تیری ربوبیت کے ادراک سے قاصر رہ گئے تھے اور اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو خود اس پر گواہ اس لئے بھی بنایا تا کہ قیامت میں کوئی یہ بہانہ نہ کر سکے کہ اِنَّمَا اَشْرَکَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ۔ اس سے قبل ہمارے آباؤ اجداد ربوبیت میں شرک کرتے تھے اور تیری ربوبیت سے منکر تھے اور ہم ان کے صدیوں بعد پیدا ہوئے اس لئے ہمیں حقائق کا کچھ علم نہیں تھا اور ہمیں تیری الوہیت میں شرک اور تیری ربوبیت کا انکار اپنے بزرگوں سے ورثے میں ملا تھا اور ہمارے والدین نے ہمیں ایسے راستے پر چلایا کہ ہم تیری ربوبیت سے غافل ہو گئے لہٰذا اگر تیری ربوبیت سے غافل رہنا جرم ہے تو یہ جرم ہم نے نہیں بلکہ ہمارے آباؤ اجداد نے کیا تھا۔ اگر تو نے اس جرم کی سزا دینی ہے تو ہمارے بزرگوں کو دے۔ اس جرم کی سزا کسی طور ہمیں نہیں ملنی چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ نے "خود انسان" کو اپنے آپ پر گواہ اس لئے بنایا تا کہ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ معاشرے اور والدین کے اثرات بچے پر بالخصوص اور یک بارگی انسان پر بالعموم مرتب ہوا کرتے ہیں اور یہی اثرات ہم پر بھی مرتب ہوئے پھر بھلا اس میں ہمارا کیا قصور تھا۔

اللہ تعالیٰ اس طرح کے سوالات کو باطل کرتے ہوئے کہے گا کہ تمہاری یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم نے تمہاری فطرت میں اسباب و علل تلاش کرنے کی صلاحیت رکھ دی تھی اور اسی صلاحیت کی بدولت آنے والی نسلوں نے ایسی چیزیں دریافت کیں جنہیں پہلے کے لوگ نہیں جانتے تھے۔

مثلاً پرانے وقتوں میں لوگ بھاپ کی طاقت، بجلی کی قوت، روشنی کے سفر اور کرۂ ارض کی اپنے محور کے گرد گردش کو غلط جانتے تھے لیکن بعد کی نسلوں نے ان تمام حقائق کو دریافت کیا۔ آخر یہ دریافت کا مادہ انسان میں کہاں سے آیا؟ حقیقت یہ ہے کہ دریافت کا مادہ اس غریزے کا منطقی نتیجہ ہے جس کے تحت انسان علل و اسباب کی جستجو کرتا ہے۔ لہٰذا انسان اپنی حجت سے خدا کو لاجواب نہیں کر سکتے جبکہ وہ یہ کہتا ہے کہ ہم نے جستجو کا مادہ تم میں ودیعت کیا تھا اور ساتھ ہی عقل کا چراغ بھی عطا کیا تھا جس سے تم صحیح اور غلط اور حق و باطل کو جان سکتے تھے لہٰذا ہم تم پر اپنی حجت مکمل کر چکے ہیں اور تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ "ہم اس سے غافل تھے۔"

علاوہ ازیں تمہارا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ "آخر ہم کیا کرتے؟ ہم جس معاشرے میں رہتے تھے اس کے نظریات سے آزاد ہونا ہمارے لئے ممکن نہیں تھا۔" جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حق و صداقت پر چلنا چاہے تو معاشرہ جس قدر بگڑا ہوا ہی کیوں نہ ہو پھر بھی جادۂ حق پر چلنے والے چلتے ہی رہتے ہیں۔ اس کی مثال کے لئے سورۂ تحریم کی آیات ۱۰ تا ۱۲ ہی کافی ہیں: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِيْنَ ○ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ○ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا

فنفخنا فیه من روحنا وصدقت بکلمات ربها وکتبه وکانت من القانتین ○ خدا نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ یہ دونوں عورتیں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور ان دونوں نے ان سے خیانت کی تو خدا کی بارگاہ میں یہ رشتہ ان کے کوئی کام نہ آیا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ اور خدا نے مومنوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے کہ جب اس نے التجا کی کہ اے میرے رب! میرے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون (کے شر سے) بچا لے اور اس کے اعمال سے اور اس ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔ اور مریم بنت عمران کی مثال جنہوں نے اپنی عفت کی حفاظت کی تو ہم نے ان میں اپنی روح پھونک دی اور وہ اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرتی تھیں اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھیں۔

حضرت آسیہ کافر گھرانے اور کافر ماحول میں رہتی تھیں اور ایسے آدمی کی بیوی تھیں جو الوہیت اور ربوبیت کا دعویدار تھا۔ حضرت آسیہ ایک معبود اور ایک رب پر ایمان رکھتی تھیں۔ شرک اور کفر کے ماحول میں رہنے کے باوجود انہوں نے اپنی قوم کے نظریات سے اختلاف کیا اور خدائی کے دعویدار اپنے شوہر سے ذرہ برابر بھی مرعوب نہ ہوئیں۔ وہ رب العالمین پر ایمان لائیں اور فرعون اور اس کے عمل سے بیزاری کا اعلان کیا۔ انہوں نے اپنی دعا میں کہا کہ "اے میرے رب! میرے لئے جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون (کے شر) سے بچا لے اور اس کے اعمال سے اور اس ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔" حضرت آسیہ نے باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور رب العالمین پر ایمان کی وجہ سے شہادت کو گلے لگانا قبول کیا لیکن اپنے شوہر کو رب نہیں مانا۔ یہ ایک مومنہ کی داستان تھی جس نے کفر کی بستی میں ایمان کی شمع فروزاں رکھی تھی۔

اور اب دوسری طرف نگاہ کیجئے کہ حضرت نوح اور حضرت لوط دونوں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے۔ وہ لوگوں کو رب العالمین پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے لیکن ان کی بیویوں نے اپنے نبی شوہروں کی دعوت پر لبیک نہ کہی اور وہ رب العالمین اور اپنے شوہروں کی نبوت پر ایمان نہ لائیں۔

اسی طرح سے حضرت نوح کے بیٹے نے کاشانہ نبوت میں پرورش پانے کے باوجود اپنے والد کی بات نہیں مانا۔ اس نے اپنے والد کی بنائی ہوئی کشتی نجات پر سوار ہونے کے بجائے پہاڑوں پر چڑھنا پسند کیا اور وہ آخر کار عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آ کر ہلاک ہو گیا۔

قرآن اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے: وهي تجري بهم في موج كالجبال ونادى نوح ابنه وكان في معزل يا بني اركب معنا ولا تكن مع الكافرين ○ قال سآوي الى جبل يعصمني من الماء قال لا عاصم اليوم من امر الله الا من رحم وحال بينهما الموج فكان من المغرقين اور کشتی ان کو لئے پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان چلی جا رہی تھی کہ نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جو (کشتی سے) الگ تھا کہ بیٹا

ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں مت رہ۔ اس نے کہا کہ میں ابھی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ انہوں نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر یہ کہ جس پر وہ خود رحم کرے۔ اتنے میں دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی اور ڈوبنے والوں کے ساتھ وہ بھی ڈوب گیا۔ (سورۂ ہود، آیت ۴۲،۴۳)

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں نے اپنے شوہروں کی مخالفت کی تھی۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے نے بھی اپنے والد کی مخالفت کی تھی اور کشتی نجات پر سوار ہونے سے انکار کر دیا تھا جبکہ یہ تینوں نبی کے گھر کے افراد رہے تھے مگر اس کے باوجود وہ ایمان سے محروم رہے۔

حضرت آسیہ نے بھی اپنے شوہر اور اپنی قوم کی مخالفت کی تھی۔ وہ اپنے رب پر ایمان لائی تھیں حالانکہ کافر ماحول میں رہتی تھیں مگر اس ماحول میں بھی وہ کفر سے دور رہیں اور اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرتی رہیں۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ماحول، معاشرہ اور والدین کسی کو بھی ایمان سے یا کافر ہونے پر مجبور نہیں کر سکتے جبکہ کفار اور مشرکین کے متعلق قرآن مجید نے سات مقامات پر یہ بیان فرمایا ہے کہ کافروں نے بت پرستی اور ملائکہ پرستی کے لئے یہ جواز پیش کیا تھا کہ وہ اس لئے اس بے راہ روی کا شکار ہوئے کہ ان کے آباؤ اجداد کا بھی دین تھا۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بت پرست قوم سے گفتگو کی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے باپ دادا بھی ان ہی بتوں کے پجاری تھے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ○ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ○ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ○ ہم نے ابراہیمؑ کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم اس کی حالت سے باخبر تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ یہ کیسے بت ہیں جن کے گرد تم حلقہ باندھے ہوئے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو ان ہی کی پرستش کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سورۂ انبیاء، آیت ۵۱ تا ۵۳)

۲۔ یہی واقعہ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر یوں بیان ہوا ہے: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ○ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ○ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ○ قَالَ هَلْ يَسْمَعُونَكُمْ إِذْ تَدْعُونَ ○ أَوْ يَنْفَعُونَكُمْ أَوْ يَضُرُّونَ ○ قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ○ انہیں ابراہیمؑ کا حال پڑھ کر سناؤ جب انہوں نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم لوگ کس چیز کو پوجتے ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی مجاوری کرتے ہیں تو ابراہیمؑ نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے ہیں یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سورۂ شعراء، آیت ۶۹ تا ۷۴)

۳۔ حضرت موسیٰؑ کی سرگزشت کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے: قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ○ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا

الكبرياء في الأرض وما نحن لكما بمؤمنين ○ موسیٰ نے کہا کہ تم لوگ حق کے بارے میں جب وہ تمہارے سامنے آیا یہ کہتے ہو کیا یہ جادو ہے جبکہ جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ تم یہ پیغام لے کر اس لئے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے باپ دادا کے راستے سے منحرف کر دو اور تم دونوں اس ملک کے بڑے بن جاؤ اور ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔ (سورۂ یونس آیت ۷۷، ۷۸)

۴۔ رسول کریم کے مخالفین بھی اپنے نظریات کی صحت کے لئے اپنے آباؤ اجداد ہی کا حوالہ دیتے تھے۔ وإذا قيل لهم تعالوا إلى ما أنزل الله وإلى الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا عليه آباءنا أولو كان آباؤهم لا يعلمون شيئا ولا يهتدون ○ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے نازل کردہ احکام اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ چاہے ان کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ کسی طرح کی ہدایت رکھتے ہوں۔ (سورۂ مائدہ آیت ۱۰۴)

۵۔ ومن الناس من يجادل في الله بغير علم ولا هدى ولا كتاب منير ○ وإذا قيل لهم اتبعوا ما أنزل الله قالوا بل نتبع ما وجدنا عليه آباءنا أولو كان الشيطان يدعوهم إلى عذاب السعير ○ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے متعلق کسی علم، ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے تم اس کا اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کا اتباع کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ چاہے شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو۔ (سورۂ لقمان آیت ۲۰، ۲۱)

۶۔ وجعلوا الملائكة الذين هم عباد الرحمن إناثا أشهدوا خلقهم ستكتب شهادتهم ويسألون ○ وقالوا لو شاء الرحمن ما عبدناهم ما لهم بذلك من علم إن هم إلا يخرصون ○ أم آتيناهم كتابا من قبله فهم به مستمسكون ○ بل قالوا إنا وجدنا آباءنا على أمة وإنا على آثارهم مهتدون ○ ان لوگوں نے فرشتوں کو بھی جو خدا کے بندے ہیں (خدا کی) بیٹیاں قرار دے دیا ہے۔ کیا یہ ان کی پیدائش کے گواہ ہیں؟ عنقریب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم ان کو نہ پوجتے۔ انہیں اس کا کچھ علم نہیں۔ وہ صرف اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔ کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے جس سے یہ تمسک کئے ہوئے ہیں؟ نہیں بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا ہے اور ہم ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ (سورۂ زخرف آیت ۱۹ تا ۲۲)

۷۔ سابقہ امتوں کی اسی کہنہ پرستی کی رسم کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: وكذلك ما أرسلنا من قبلك في قرية من نذير إلا قال مترفوها إنا وجدنا آباءنا على أمة وإنا على آثارهم مقتدون ○ قال أولو جئتكم بأهدى مما وجدتم عليه آباءكم قالوا إنا بما أرسلتم به كافرون ○ فانتقمنا منهم فانظر كيف كان عاقبة المكذبين ○ اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں (عذاب آخرت سے

خبردار کرنے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس بستی کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم ان ہی کی پیروی کر رہے ہیں۔ پیغمبرؑ نے کہا کہ چاہے میں اس سے بہتر پیغام لے آؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے پیغام کو ماننے والے نہیں۔ پھر ہم نے ان سے انتقام لیا تو اب دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا برا انجام ہوا۔ (سورۂ زخرف، آیت ۲۳:۲۵)

لغوی تشریح [1]

۱۔ اَصْنَام: دھات، پتھر یا لکڑی وغیرہ کا مجسمہ۔

۲۔ عاکفون: ہر وقت معبد میں رہنے اور بتوں کی پوجا کرنے والے مجاور۔

۳۔ فَطَرَنِی: تو ہمیں منحرف کرتا ہے۔

۴۔ سعیر، لتسعیر: آگ کا شعلہ یا شعلہ زن آگ۔ آیت میں اس سے مراد جہنم کی آگ ہے۔

۵۔ یخرصون: وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ انکلیں دوڑاتے ہیں

۶۔ امۃ: وہ جماعت جو کسی ایک بات میں متحد ہو۔ خواہ وہ "ایک" دین ہو، زمانہ ہو یا مکان ہو۔

۷۔ المترف: خوشحال۔ وہ جسے دنیا جہان کی نعمتیں میسر ہوں۔ جس پر نعمتوں کا تسلسل ہو اور وہ اس نعمت کے سبب سرکش ہو گیا ہو۔

تفسیر آیات

ان آیات میں خدا نے خبر دی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ بھلا یہ بتاؤ کہ جن بتوں کو تم پوجتے ہو کیا وہ تمہاری پکار سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو؟ اور کیا پتھر کے تراشے ہوئے یہ بے جان بت تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان بھی پہنچاتے ہیں؟ اس کے جواب میں ان کی قوم نے کہا تھا کہ ابراہیم! تم تو جانتے ہو کہ پتھر کے بت بولا نہیں کرتے مگر ہمارے باپ دادا یہی کچھ کیا کرتے تھے۔ واقعی جب اوہام انسانوں کے دل و دماغ پر غلبہ پا لیتے ہیں تو فہم سلیم اور ذہن مستقیم مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں

یہی کہن پرستی حضرت موسیٰ کے زمانے میں بھی اعلان حق میں رکاوٹ تھی۔ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ خدا نے مجھے جو معجزات دیے ہیں وہ سراسر حق ہیں لیکن ایک تم ہو کہ انہیں جادو کہہ رہے ہو؟ لوگوں نے جواب میں کہا تھا کہ تم ہمیں ہمارے باپ دادا کے طور طریقوں سے ہٹانا چاہتے ہو۔

۱۔ ہم نے لغوی تشریح کے لئے راغب اصفہانی کی مفردات القرآن، المعجم لالفاظ القرآن الکریم، لسان العرب اور المعجم الوسیط سے استفادہ کیا ہے۔

آباء پرستی کا یہی جذبہ رسول کریمؐ کے عہد میں بھی حق سے دوری کا سبب تھا جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ آبَاءَنَا جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس (احکام) کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی (رسومات) کافی ہیں جن پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو (عمل کرتے ہوئے) پایا ہے۔ (سورۂ مائدہ آیت ۱۰۴)

ایک اور مقام پر قرآن مجید فرماتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ O کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے بارے میں کسی علم و ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں۔ (سورہ حج آیت ۸)

کفار قریش فرشتوں کو معبود مانتے تھے اور کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ خدا نے استفہام انکاری کے انداز میں فرمایا ہے کہ کیا انہوں نے ملائکہ کو بنتے ہوئے دیکھا تھا اور کیا تخلیق کے وقت یہ دیکھا تھا کہ فرشتے صنف نازک سے ہی تعلق رکھتے ہیں؟ یا خدا نے ان پر توریت و انجیل جیسی کوئی کتاب اتاری ہے جس میں انہیں صنف نازک بتایا گیا ہے۔

اس کے جواب میں کفار و مشرکین نے اسی آباء پرستی کی روایت کا سہارا لیتے ہوئے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر ہدایت پانے والے ہیں۔

خدا سابقہ امتوں کی روش بیان کرتے ہوئے اپنے رسولؐ کو تسلی دیتا ہے کہ آپ لوگوں کے رویے سے ملول نہ ہوں کیونکہ لوگوں کا عمومی رویہ یہی رہا ہے کہ جب بھی ہم نے کسی رسول کو تبلیغ کے لیے بھیجا تو اس قوم کے اشرف اس رسول کی مخالفت میں پیش پیش رہے اور ہمیشہ ان کا یہی موقف رہا کہ ہم جس راستے پر کاربند ہیں یہ ہمارے آباؤ اجداد کا راستہ ہے۔ پھر خدا نے رسولوں سے ان سے کہا کہ ہم تمہیں تمہارے آباؤ اجداد کے راستے سے بہتر راستہ بتاتے ہیں تو مشرکین نے جواب میں کہا کہ ہمیں تمہاری رہنمائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تمہارے پیغام کے منکر ہیں۔

برا ہو تعصب کا جو فطرت سلیمہ پر غالب آکر انسان کو اپنے بنانے اور اس کی نشوونما اور بقاء و ارتقاء کا انتظام کرنے والے "رب" کی معرفت سے روک دیتا ہے۔

خلاصۂ بحث

جس طرح انسانی معدہ پوری زندگی غذا کی خواہش کرتا رہتا ہے اسی طرح انسانی نفس بھی پوری زندگی معلومات حاصل کرنے کا خواہاں رہتا ہے۔ انسانی نفس جب بھی کسی متحرک کی حرکت اور کسی موجود کے وجود کے سبب کا کھوج لگاتا ہے تو اس کی عقل یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگاتی کہ ہر حرکت کے پیچھے ایک محرک کا ہونا

ضروری ہے اور ہر ممکن الوجود مخلوق کے لئے ایک خالق کا ہونا لازم و لابد ہے۔ ہماری کائنات اور جو کچھ اس میں ہے اس کے خالق کو اللہ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ اور رب کا تصور انسان کی فطرت میں شامل ہے اور قیامت کے دن کوئی بھی اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِيْنَ کہنے کا حق نہیں ہوگا۔

اسی طرح کوئی یہ کہنے کا حق بھی نہیں رکھتا کہ "ہم سے پہلے ہمارے بزرگوں نے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد آنے والی نسل تھے تو کیا اہل باطل کے اعمال کی بنا پر تو ہمیں ہلاک کرے گا۔"

اس حقیقت کو یوں سمجھنا چاہئے کہ آج سے کچھ عرصہ قبل جب بجلی دریافت نہیں ہوئی تھی اس وقت تک انسان رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شب باشی کیا کرتے تھے لیکن بجلی کی دریافت کے بعد انسان کو رات کے وقت روشنی مل گئی اور جدید سواریوں کی ایجاد سے قبل انسان پیدل یا اونٹوں اور گھوڑوں پر سفر کیا کرتے تھے لیکن بعد میں جدید سواریاں ایجاد ہوگئیں۔

بجلی کی دریافت کے بعد اگر کوئی شخص کہے کہ میں اس روشنی سے استفادہ کرنا نہیں چاہتا کیونکہ میرے باپ دادا کے دور میں یہ چیز نہیں تھی اور اسی طرح جدید سواریوں کی ایجاد کے بعد اگر کوئی شخص کہے کہ میں اپنے دادا کا پیرو ہوں "باپ دادا کی طرح سے پیدل یا جانوروں کے ذریعے سفر کروں گا" تو یقیناً ایسے شخص کو احمق سمجھا جائے گا اور اس کی قدامت پسندی کو حماقت سمجھا جائے گا۔ اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام کی "دعوت توحید" کے بعد اگر کوئی بدنصیب یہ کہے کہ میں تو اپنے باپ دادا کے عقیدے پر ہی قائم رہوں گا کیونکہ میرے "باپ دادا کی پوری زندگی شرک و الحاد کے اندھیروں میں بسر ہوئی تھی اس لئے میں "نور توحید" کو قبول نہیں کروں گا تو ایسے شخص کو احمق سمجھا جائے گا اور اس کی قدامت پسندی قابل مذمت ٹھہرے گی۔

خدا نے انبیاء و مرسلین کے ذریعے سے لوگوں پر اپنی حجت تمام کر دی ہے اور غفلت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کی ہدایت کا سامان فراہم کر دیا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی کفر و الحاد کے اندھیروں میں بھٹکنا چاہے تو یہ اس کی بدنصیبی ہی کہلائے گی۔

خدا نے اپنے رسولؐ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا **فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝** (اے رسولؐ) آپ یاد دہانی کراتے رہیں کہ آپ صرف یاد دہانی کرانے والے ہیں۔ آپ ان پر نگران نہیں بنائے گئے۔ (سورۂ غاشیہ آیت ۲۱،۲۲) اور اسی یاددہانی کو خدا نے لفظ ذکر سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا ہے **وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝** (اے رسولؐ) ہم نے آپ کو کتاب دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لئے ان احکامات کو وضاحت سے بیان کریں جو ان کی طرف نازل کئے گئے ہیں تاکہ وہ ان کو سمجھ سکیں۔ (سورہ نحل آیت ۴۴)

تصورِ اُلوہیت

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کائنات اچانک پیدا ہوئی ہے اور اس کا نظم ونسق کسی منتظم کے بغیر چل رہا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ بے شمار مخلوقات کسی کی مدد کے بغیر اچانک پیدا ہوگئیں کیونکہ ذرات مخصوص تناسب سے ایک دوسرے سے مل گئے جس سے آکسیجن اور ہائیڈروجن جیسے بنیادی عناصر پیدا ہوگئے۔ پھر یہ بنیادی عناصر اتفاقاً ایک خاص تناسب سے آپس میں مل گئے اور اچانک انہیں پنپنے کے لیے سازگار ماحول مل گیا جس کے نتیجے میں بے شمار مخلوقات منصۂ شہود پر آگئیں اور یوں اس زمین پر زندگی نے جنم لیا۔

اچانک تخلیق کی اس تھیوری (The Big Bang Theory) کو رد کرتے ہوئے پروفیسر موریسن نے لکھا ہے کہ یہ تھیوری ریاضی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں:

آپ دس سکے لیں اور ان پر ایک سے دس تک نمبر لگائیں۔ اب ان کو جیب میں ڈال کر اچھی طرح سے ہلائیں۔ پھر انہیں ایک سے لے کر دس نمبر تک ترتیب وار نکالتے جائیں اور دوبارہ جیب میں ڈالتے جائیں اور ہر دفعہ ان کو اچھی طرح ہلائیں۔ ریاضی کے اصول کے تحت ایک نمبر کے سکے کا ترتیب وار نکلنے کا چانس ۱/۱۰ ہوگا پہلے اور دوسرے دو ترتیب وار سکوں کے ترتیب سے آنے کا چانس ۱/۱۰۰ ہوجائے گا۔ ایک سے لے کر تین نمبر تک کے سکوں کے ترتیب وار نکلنے کا چانس ۱/۱۰۰۰ ہوجائے گا۔ اور ایک نمبر سے لے کر چار نمبر تک کے سکوں کے ترتیب وار نکلنے کا چانس ۱/۱۰۰۰۰ ہوجائے گا۔ اور ایک سے لے کر دس نمبر تک کے سکوں کے ترتیب وار نکلنے کا چانس ناقابلِ یقین حد تک جا پہنچے گا یعنی ۱/۱۰ اربین ہوجائے گا۔[۱]

جب دس سکوں کے ترتیب وار نکلنے کا چانس ملین اور بلین میں سے ایک بنتا ہے تو پھر بے تعداد مخلوقات کے اچانک پیدا ہونے کا چانس کیا ہوگا؟ اور اس حقیقت کے بعد بھی کیا کوئی عقل مند شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ انجینئرنگ کا عظیم ترین اور محکم ترین شاہکار — ہماری یہ کائنات اچانک پیدا ہوئی ہے اور ایک محکم ترین نظام حیات رکھنے والی ہزاروں مخلوقات اس کائنات کے جزو ہیں۔

۱۔ نیویارک اکادمی آف سائنسز کے سابق صدر Prof. Abraham Cressy Morrison کی کتاب Man Does Not Stand Alone سے اقتباس جو ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ العلم یدعو للایمان کے نام سے مصر سے شائع ہوا ہے۔ پروفیسر موریسن نے یہ کتاب معروف برطانوی ماہر حیاتیات اور فلسفی Sir Julian Huxley کی کتاب Man Stands Alone کے جواب میں لکھی تھی۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۝ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ ۝ ہم نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اُسے ستاروں سے آراستہ کر دیا۔ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑوں سے گاڑ دیئے اور اس میں سے ہر چیز کو معین مقدار میں پیدا کیا۔ (سورۃ حجر آیت ۱۶-۱۹) اور یہ کہ

۲۔ اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے چلتی ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا ہے اور اس سے زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں عقلمندوں کے لئے (قدرت خدا کی) نشانیاں ہیں۔ (سورۃ بقرۃ آیت ۱۶۴)

یعنی اب مجھے اپنے رب کی قسم زمین و آسمان کی پیدائش، عظیم الشان کہکشاؤں اور زمین کے ان تمام نباتات میں ایک خاص نظم پایا جاتا ہے جس میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں لیکن نفسانی خواہشات کا زور عقلمند لوگوں کے سوچنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے

اِلٰہ کا مفہوم

(ا) **اِلٰہ کے لغوی معنی** کتب لغت میں لفظ اِلٰہ پر تفصیلی بحثیں کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ اِلٰہ 'کتاب' کے وزن پر "اَلَهَ يَأْلَهُ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی عبد ہونے یا عبادت کرنے کے ہیں۔ مثلاً اَلَهَ فعل ماضی کے معنی ہیں اس نے خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کی۔ اور اسی سے لفظ اِلٰہ بروزن کتاب، خود ہے اور لفظ اِلٰہ بیک وقت مصدر اور اسم مفعول ہے جس طرح سے کتاب بمعنی مَکْتُوْبٌ ہوتا ہے اسی طرح سے لفظ اِلٰہ بمعنی مَأْلُوْہٌ ہے جس کے معنی معبود اور مطاع کے ہیں۔ چنانچہ لفظ اِلٰہ کے دو معنی ممکن ہیں

۱۔ اگر اس لفظ کے مصدری معنی لئے جائیں تو اس کے معنی ہوں گے خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرنا۔

۲۔ اگر اس لفظ کو اسم مفعول کے معنی میں لیا جائے تو اس کے معنی ہوں گے وہ ذات جس کی مطلق طور پر عبادت اور اطاعت کی جائے۔

(ب) **محاورات عرب میں اِلٰہ کا مفہوم**۔ محاورات عرب میں اِلٰہ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے

۱۔ اَلَهَ کا معنی ہے کہ وہ معبود کے لئے نماز، روزے اور قربانی جیسی دینی عبادات بجا لایا۔ اِلاھاً بروزن

کتاب بمعنی مالوہ بھی استعمال ہوتا ہے یعنی وہ جس کی عبادت کی جائے اور جس کیلئے دینی مراسم ادا کئے جائیں۔ جس طرح سے کتاب بمعنی مکتوب آتا ہے اسی طرح سے الٰہ بھی مالوہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اب ہر طرح کے معبود کو الٰہ سے تعبیر کرتے ہیں جس کی جمع آلہۃ ہے خواہ وہ معبود خالق ہو یا مخلوق۔ اسی سے عربی زبان میں بتوں، مورتیوں، سورج، چاند اور ہندوؤں کی گائے کے لئے بھی الٰہ استعمال ہوتا ہے۔

۲۔ الٰہ اصطلاح کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہ ان آیات میں بتایا گیا ہے

ارءیت من اتخذ الٰهه هوٰه افانت تکون علیه وکیلا ○ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟ کیا آپ اس کی بھی ذمہ داری لینے کیلئے تیار ہیں؟ (سورۃ فرقان آیت ۴۳) افرءیت من اتخذ الٰهه هوٰه واضله الله علی علم ○ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟ اور اللہ نے اسی حالت کو دیکھ کر اسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے۔ (سورۃ جاثیہ، آیت ۲۳)

ان دونوں آیات میں خواہشات کو معبود بنانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشوں کی اطاعت کرتا ہے اور سورہ قصص کی یہ آیت بھی اسی مفہوم کو واضح کرتی ہے

ومن اضل ممن اتبع هوٰه بغیر هدی من الله ○ جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات کی پیروی کرے بھلا اس سے زیادہ گمراہ اور کون ہو سکتا ہے؟ (سورۃ قصص آیت ۵۰)

۳۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کو دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا لئن اتخذت الٰها غیری لاجعلنک من المسجونین ○ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔ (سورۃ شعراء آیت ۲۹)

فرعون ایک طرف معبود ہونے کا دعویدار تھا تو دوسری طرف وہ خود اور اس کی قوم بہت سے دیگر معبودوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے درباریوں کی گفتگو نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے

وقال الملا من قوم فرعون اتذر موسی وقومه لیفسدوا فی الارض ویذرک وآلهتک ○ قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ رہا ہے تاکہ وہ زمین میں فساد بپا کریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ (سورۃ اعراف آیت ۱۲۷)

فرعون اور اس کی قوم بہت سے معبودوں کو پوجتی تھی اور ان کے نام بھینٹ چڑھایا کرتی تھی اور بہت سی دینی رسومات بجا لاتی تھی جبکہ فرعون خود بھی معبود ہونے کا دعویدار تھا۔ نیز ایک احتمال یہ بھی ہے کہ فرعون اور اس کی قوم سورج کو پوجتی تھی اور فرعون اپنے آپ کو سورج کا اوتار قرار دیتا تھا۔

عرب کی ہلاک شدہ اور باقی رہنے والی اقوام میں الٰہ کا یہی مفہوم تھا۔

(ج) اسلامی اصطلاح میں الٰہ کا مفہوم: اسلامی اصطلاح میں لفظ الٰہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے جس کے معنی معبود اور خالق مطلق ہونے کے ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں یہ لفظ اپنے معنوی معنی میں

استعمال ہوا ہے وہاں اس کا قرینہ بھی موجود ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے مثلاً اَلَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود اور مطاع مانتے ہیں۔ (سورۂ حجر آیت ۹۶)

اس آیت میں قرینے کے لیے آخر اور مع اللہ کے الفاظ آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لفظ الٰہ معبود و مطاع کے لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اور جب اس لفظ کے ساتھ کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو یہ لفظ اپنے اصطلاحی مفہوم پر محمول کیا جائے گا اور قرآن مجید میں اس طرح کی بہت سی آیات موجود ہیں جو الوہیت کو فقط اللہ تعالیٰ کے لئے محدود کر دیتی ہیں۔ اس کی تفصیلی گفتگو آگے پیش کی جائے گی۔

لفظ الٰہ کے متعلق ابن منظور نے لسان العرب میں ابوالہیثم کی حسب ذیل جامع گفتگو نقل کی ہے

خداوند عالم فرماتا ہے مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا کَانَ مَعَہٗ مِنْ اِلٰہٍ اِذًا لَّذَھَبَ کُلُّ اِلٰہٍ بِمَا خَلَقَ خدا نے بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی الٰہ ہے۔ اگر اور الٰہ ہوتے تو ہر الٰہ اپنی مخلوق کو علیحدہ کر لیتا۔

الٰہ کیلئے معبود ہونا ضروری ہے اور معبود ہونے کے لئے خالق، رازق، مدبر اور مقتدر ہونا ضروری ہے جس میں یہ صفات موجود نہ ہوں وہ الٰہ نہیں ہے اگرچہ وہ ظلم کر کے لوگوں سے اپنی عبادت بھی کراتا ہو۔ مذکورہ بالا صفات سے عاری شخص مخلوق اور حقیقت میں عبادت گزار ہے

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مفہوم

لفظ الٰہ کے مفہوم کو پوری طرح سمجھنے کے لئے قرآن مجید کی ان آیات کا مطالعہ بھی ضروری ہے جن میں انبیائے کرام کے اپنی قوم سے مکالمے نقل کئے گئے ہیں اور انبیائے کرام نے اپنی اس گفتگو میں مشرکین کے نظریات کی بھرپور تردید کرتے ہوئے الوہیت کو خدا کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔ اس مفہوم کو سمجھنے کے لئے

☆ علامہ طباطبائیؒ اپنی کتاب شیعہ در اسلام (اردو ترجمہ پاسداران اسلام مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی ص ۲۱۷) میں توحید کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "دین اسلام میں اصول اور فروع کے مابین ایسا تعلق اور ربط ہے کہ ہر فرعی حکم خواہ اس کا تعلق کسی موضوع سے ہو اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو کلمۂ توحید کی جانب لوٹتا ہے اور کلمۂ توحید ان فرعی احکام کی بنیاد قرار پاتا ہے"

علامہ رشید ترابیؒ نے توحید اور شرک کے عنوان سے نشتر پارک کی مجالس محرم میں فرمایا تھا کہ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے "مجھ سے پہلے کسی نبی نے اور خود میں نے توحید کو لا الٰہ الا اللہ کی ترکیب کے ساتھ کہ جس میں پہلے نفی اور پھر اثبات ہے بہتر سے بہتر شکل میں پیش نہیں کیا۔" انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب بعض شعراء شاعرانہ سے کام لیتے ہیں تو پورا جملہ کہنے کی بجائے صرف ایک دو الفاظ سے اس جملے کی طرف اشارہ کرتے ہیں مثلاً لا حول ولا قوۃ الا باللہ کو لا حول سے اور لا الٰہ الا اللہ کو لا الٰہ سے ادا کرتے ہیں۔ یہ سوچنا کم ظرفی ہے کہ اس طرح شعراء خدا کی قوت یا الوہیت کا انکار کرتے ہیں مثلاً اقبالؒ کہتے ہیں

صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل — یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الٰہ میں ہے

خواجہ اجمیری کا مشہور رباعی کا شعر ہے

سر داد نداد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؑ

سورۂ مومنون کی آیت ۱۲تا۱۴ کا مطالعہ بھی مفید ہے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ○ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ○ بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر اسے ایک محفوظ جگہ پر نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ کو علقہ اور علقہ کو مضغہ بنایا۔ اور مضغہ سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر اسے (ایک) دوسری (ہی) مخلوق بنادیا۔ بڑی برکت ہے اللہ جو خلق کرنے والوں میں سب سے بہترین ہے۔

لغوی تشریح

۱۔ سُلَالَةٌ: سَلَّ الشَّيْءَ مِنَ الشَّيْءِ کا مطلب ہے کسی چیز سے آسانی کے ساتھ کچھ نکالنا۔ اسی طرح سے عربی زبان میں کہا جاتا ہے سَلَّ الشَّعْرَةَ مِنَ الْعَجِيْنِ یعنی آٹے سے بال نکالنا۔ کسی چیز کے نچوڑ اور جوہر کو جو آسانی سے حاصل کیا جائے سُلَالَةٌ کہا جاتا ہے۔ نطفہ کو سُلالہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ غذا کا جوہر اور نچوڑ ہوتا ہے

۲۔ نُطْفَةٌ: تھوڑے سے پانی کو نطفہ کہا جاتا ہے اور مرد و عورت کے مادۂ منویہ کو بھی نطفہ کہا جاتا ہے۔

۳۔ قَرَارٌ: قَرَّ الشَّيْءُ فِي مَكَانِهِ قَرَارًا یعنی کسی چیز کا اس کی جگہ پر ٹھہرنا۔ یہاں پر نطفہ قرار پانے کا مقام ــ رحم ــ مراد ہے۔

۴۔ مَكِيْنٌ: مَكُنَ الشَّيْءُ مَكَانَهُ یعنی کسی چیز کا اپنے مقام پر مضبوطی سے جم جانا اور متزلزل نہ ہونا۔ جو چیز اس طرح سے جم جائے اسے مکین کہا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ہم نے مادۂ تولید کو اس کے مقام یعنی رحم میں ٹھہرایا۔

۵۔ عَلَقَةٌ: جمے ہوئے گاڑھے خون کو عَلَق اور اس کے ایک ٹکڑے کو عَلَقَة کہا جاتا ہے۔[1]

۶۔ مُضْغَةٌ: مَضَغَ اللَّحْمَ یعنی اس نے گوشت کے ٹکڑے کو منہ میں ڈال کر چبایا۔ ایک لقمہ کے برابر گوشت کے ٹکڑے کو مُضْغَة کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جب جنین اپنی خلقت کے مراحل طے کرتا ہوا گوشت کے لوتھڑے کی شکل اختیار کرتا ہے تو اسے مُضْغَة کہا جاتا ہے۔

۱۔ ایک کتاب The Developing Human کے مصنف اور یونیورسٹی آف ٹورنٹو کینیڈا میں علم جنین کے عالمی شہرت یافتہ پروفیسر ڈاکٹر کیتھ مور Dr Keith Moore نے سورۂ علق کے حوالے سے اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں لکھا ہے۔ قرآن مجید نے رحم مادر میں جنین کو علقہ Leech like clot سے جو تشبیہ دی ہے وہ ان کے لئے ایک بالکل نئی بات تھی چنانچہ انہوں نے لیبارٹری میں اس کا Falsification test یا Embryo کو اپنی ابتدائی شکل میں جب کہ وہ علقہ کی شکل میں ہوتا ہے Leech کا ہم شکل پایا جو رحم کی دیوار میں جونک کی طرح چپکا ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی مذکورہ کتاب میں یہ بات قرآن مجید کے حوالے سے لکھی اور جنین اور جونک کے تقابلی خاکوں کا اضافہ بھی کیا۔

۷۔ انشا: انشا الشیء کے معنی ہیں کہ اس نے کسی چیز کو ایجاد کیا۔ حدوث کیا اور اس کی تربیت کی۔ اور انشا اللہ الخلق کا مطلب ہے خدا نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کی تربیت کی۔

تفسیر آیات

ہم نے مٹی سے اگنے والی غذا سے جوہر یعنی منی (Semen) سے انسان کو بنایا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو ایک محفوظ جگہ یعنی رحم میں قرار دیا۔ پھر ہم نے نطفہ کو جمے ہوئے خون کی صورت دی۔ پھر اس جمے ہوئے گاڑھے خون کو ہم نے گوشت کے ایک چبائے ہوئے ٹکڑے کی شکل میں تبدیل کیا۔ پھر اس گوشت سے ہڈیاں بنائیں اور ان پر گوشت چڑھایا۔ بالآخر صلب کی منی سے ایک "دوسری مخلوق" کی صورت بخشی اور اس کے حصے بنائے اور اس میں روح ڈالی۔ بابرکت ہے وہ احسن الخالقین جس نے ایسی مخلوق بنائی۔

سورۂ مومنون کی ان آیات کے بعد خدا نے کچھ ایسی مخلوق کا تذکرہ کیا ہے جسے انسان سے تابع بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد مخلوق کی انواع و اقسام کا ذکر ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولقد ارسلنا نوحا الی قومه فقال یقوم اعبدوا الله ما لکم من اله غیره افلا تتقون ○ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے قوم! تم اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تم ان سے کیوں نہیں ڈرتے۔ (سورۂ مومنون آیت ۲۳)

اس کے بعد خدا نے حضرت نوحؑ کی قوم کا انجام بیان کیا۔ پھر دوسری قوموں کے کفر کا تذکرہ کیا اور فرمایا: ما اتخذ الله من ولد وما کان معه من اله اذا لذهب کل اله بما خلق ولعلا بعضهم علی بعض یقیناً خدا نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے۔ ورنہ ہر معبود اپنی خلقت کو لے کے پھرتا اور ہر معبود دوسرے پر فخر جتاتا۔ (سورۂ مومنون آیت ۹۱)

مذکورہ آیات بتاتی ہیں کہ الوہیت کا دارومدار خالقیت پر ہے۔ چنانچہ خدا نے اپنی شان خالقیت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ما خلقنا السموات والارض وما بینهما الا بالحق ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بالکل ٹھیک ٹھیک بنایا ہے۔ (سورۂ احقاف آیت ۳)

اس کے ساتھ ہی خدا نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا: قل ارءیتم ما تدعون من دون الله اروني ماذا خلقوا من الارض ام لهم شرک فی السموات آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم نے اپنے ان معبودوں کو دیکھا ہے جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ ذرا مجھے بھی دکھلاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے یا آسمانوں میں ان کی کون سی شرکت ہے۔ (سورۂ احقاف آیت ۴)

مختصر یہ کہ قرآن کی رو سے ربوبیت اور خالقیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور الوہیت کی بنیاد خالقیت پر ہے جیسا کہ حسب ذیل آیات سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔

۲۔ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْھِمْ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ○ کیا ان لوگوں نے خدا کے لئے ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اس کی طرح کائنات خلق کی ہے اور ان پر خلقت مشتبہ ہوگئی ہے۔ (اے رسول) کہہ دیجئے کہ خدا ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی یکتا و سب پر غالب ہے۔ (سورۂ رعد آیت ۱۶)

۳۔ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ○ کیا پیدا کرنے والا اس جیسا ہو سکتا ہے جو پیدا نہ کرتا۔ آخر تم غور کیوں نہیں کرتے۔ (سورۂ نحل آیت ۱۷)

یہی مفہوم سورۂ نمل کی آیت ۶۰، سورۂ فرقان کی آیت ۳ اور سورۂ اعراف کی آیت ۱۹۱ میں بیان ہوا ہے۔

ان تمام آیات میں ہم دیکھتے ہیں کہ خدا نے الوہیت کے اثبات کے لیے اپنی صفت خالقیت پر زور دیا ہے۔ چنانچہ اس نے سورۂ احقاف کی آیت میں کافروں سے یہ سوال کیا ہے کہ مجھے بتاؤ تو سہی کہ خدا کے سوا تم اپنے جن معبودوں کو پکارتے ہو انہوں نے تمہارے لیے زمین کا کون سا ٹکڑا بنایا ہے۔

اور سورۂ رعد کی آیت میں خدا نے ان سے یہ پوچھا ہے کہ تم نے خدا کے جو شریک ٹھہرائے ہیں تو کیا تم نے ان کی بنائی ہوئی مخلوق دیکھی ہے جس سے تم مغالطے میں پڑ گئے؟

اور سورۂ نحل کی آیت میں پھر خالق دو جہاں نے ان کافروں سے پوچھا ہے کہ کیا پیدا کرنے والا اور پیدا نہ کرنے والا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

اسی لئے خدا نے مَاکَانَ مَعَہٗ مِنْ اِلٰہٍ کہہ کر بتا دیا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں ہے۔

قرآن کریم میں خدا نے مشرکین کے خلاف — جو کہ غیر خدا کی عبادت کرتے تھے اور انہیں عبادت میں خدا کا شریک مانتے تھے — استدلال کرتے ہوئے اس نکتے پر خصوصی زور دیا ہے کہ مخلوق کی تخلیق خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے جبکہ دوسرے خود ساختہ معبود کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔

ان استدلالات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ معبود کی واقعی صفت اس کا "خالق" ہونا ہے۔

حسب ذیل آیات میں اس حقیقت کو زیادہ واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ ○ وہی اللہ تو تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ تمام چیزوں کا خالق ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو (سورۂ انعام آیت ۱۰۲)

۲۔ حضرت صالحؑ نے اپنی قوم ثمود کو تبلیغ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ○ انہوں نے کہا اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اسی نے تمہیں مٹی سے بنایا ہے۔ (سورۂ ہود آیت ۶۱)

۳۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ○ اے لوگو! اپنے اوپر خدا کی نعمت کو یاد کرو۔ کیا اس کے سوا بھی کوئی خالق ہے۔

وہی تمہیں آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ تم کس طرف سے پھیرے جا رہے ہو؟ (سورۂ فاطر آیت ۳)

۴۔ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ان لوگوں نے خدا کے سوا اپنے معبود بنائے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ تو خود ہی مخلوق ہیں۔ (سورۂ فرقان آیت ۳)

۵۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ○ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ○ اے لوگو! تمہارے لئے ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ اسے غور سے سنو کہ جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو وہ سب کے سب مل کر بھی ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے۔ اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ طالب و مطلوب (عابد، معبود) دونوں ہی کمزور ہیں۔ ان لوگوں نے خدا کی واقعی قدر نہیں پہچانی۔ بیشک خدا زبردست اور غالب ہے۔ (سورۂ حج آیت ۷۳-۷۴)

غیر خدا کو معبود ماننے والے تمام لوگوں سے خدا فرماتا ہے کہ تم اس مثال کو غور سے سنو۔ خدا کے سوا جس جس فرعون، بت اور گائے وغیرہ کو اس کا شریک بنا کر پکار رہے ہو وہ سب کے سب مل کر بھی ایک حقیر مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے۔ جب تمہارے معبود مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے تو انہیں معبود ماننے کا تمہارے پاس کیا جواز ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ اگر مکھی ان کی غذا کا ذرہ لے کر اڑ جائے تو وہ اتنے بے قدرت ہیں کہ اس ذرے کو مکھی سے واپس نہیں لے سکتے۔

مثلاً اگر مکھی کسی ہندو کی معبود گائے کے خون کا قطرہ چوس لے تو وہ گائے اس مکھی سے اپنا چوسا ہوا خون واپس لینے کی طاقت نہیں رکھتی۔ جب تمہارے معبود مکھی سے بھی زیادہ کمزور ہیں تو تم [illegible] اس بے بس مخلوق کو اپنا معبود ماننے پر کیوں تلے ہوئے ہو۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو گائے اپنے ہی خون کا قطرہ مکھی سے واپس نہیں لے سکتی وہ تمہاری مدد کیسے کر سکتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہاں طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مشرکین نے خدا کو پہچانا ہی نہیں ہے۔ وہ معبود کا جو مکھی پیدا [illegible] ہیں اور وہ معبود کہ جس نے اتنی بڑی کائنات بنائی ہے کہ اس سے ہر وقت کن فیکون کی صدا آتی رہتی ہے۔

یہ ساری کائنات خدا نے بنائی ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ موت و حیات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ کائنات میں اس کے سوا کسی کے پاس اختیارات نہیں ہیں اس لئے ہمیں اپنی مرادیں صرف اسی وحدہٗ لاشریک سے مانگنی چاہئیں اور صرف اسی کی بندگی کرنی چاہئے۔

حسب ذیل آیات میں اسی حقیقت کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ ○ (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تمہاری سماعت و بصارت کو لے لے اور تمہارے دلوں کی [illegible]

ہے؟ اللہ کے سوا اور کون سا معبود ہے جو تمہیں بخشش دے سکتا ہے؟ (سورہ ... آیت ۳۶)

۲۔ الذی لہ ملک السماوات والارض لا الہ الا ھو یحیی ویمیت "وہی جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔" (سورہ اعراف آیت ۱۵۸)

۳۔ من الہ غیر اللہ یاتیکم بضیاء افلا تسمعون ○ "کیا اللہ کے سوا کوئی ایسا معبود بھی ہے جو تمہارے لئے روشنی لا سکے؟ تو پھر تم یہ بات کیوں نہیں سنتے؟" (سورہ قصص آیت ۷۱)

۴۔ ذٰلکم اللہ ربکم لا الہ الا ھو فانی تصرفون ○ "وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر تم کدھر کو منہ موڑے چلے جاتے ہو؟" (سورہ زمر آیت ۶)

۵۔ لا الہ الا ھو یحیی ویمیت ربکم ورب آبائکم الاولین ○ "اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ وہی تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا رب ہے۔" (سورہ دخان آیت ۸)

۶۔ انما الٰھکم اللہ الذی لا الہ الا ھو وسع کل شیء علما ○ "یقیناً تم سب کا معبود صرف وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہر چیز کا صحیح علم رکھنے والا ہے۔" (سورہ طٰہٰ آیت ۹۸)

۷۔ قل لو کان معہ آلھۃ کما یقولون اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا ○ "اے رسول! کہہ دیجئے کہ اگر بقول تمہارے اللہ کے ساتھ کچھ اور معبود ہوتے تو اب تک صاحب عرش تک پہنچنے کی سبیل ڈھونڈ لیتے۔" (سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۲)

۸۔ واتخذوا من دون اللہ آلھۃ لیکونوا لھم عزا ○ "ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے باعث عزت بنیں۔" (سورہ مریم آیت ۸۱)

۹۔ ام لھم آلھۃ تمنعھم من دوننا "کیا ان کے ایسے معبود ہیں جو ہم سے انہیں بچا سکیں؟" (سورہ انبیاء آیت ۴۳)

۱۰۔ ءاتخذ من دونہ آلھۃ ان یردن الرحمٰن بضر لا تغن عنی شفاعتھم شیئا ولا ینقذون ○ "کیا میں اس کے سوا دوسرے معبود بناؤں جبکہ رحمٰن مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ ہی وہ مجھے چھڑا سکیں۔" (سورہ یٰس آیت ۲۳)

۱۱۔ واتخذوا من دون اللہ آلھۃ لعلھم ینصرون ○ "ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بہت سے معبود بنائے ہیں کہ شاید وہ ان کی مدد کر سکیں گے۔" (سورہ یٰس آیت ۷۴)

۱۲۔ فما اغنت عنھم آلھتھم التی یدعون من دون اللہ من شیء "ان کے وہ معبود ان کے کسی کام نہ آئے جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے۔" (سورہ ہود آیت ۱۰۱)

قرآن کریم بڑی وضاحت سے یہ اعلان کر رہا ہے کہ بارش برسانا، سبزہ اگانا، بیماری سے شفا دینا، دشمن پر فتح دینا، روزی دینا اور غربت دور کرنا صرف خدائے حی و قیوم کا کام ہے

خدا ہی کائنات کا حقیقی معبود ہے، اس کی قدرت اور افعال میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے

خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنا تعارف یوں کرایا ہے

۱۔ اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَہٗٓ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ اللہ ہی یکتا، یگانہ معبود ہے۔ وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ (سورہ نساء آیت [illegible])

۲۔ لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ یقیناً وہ لوگ کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ ایک معبود کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (سورہ مائدہ آیت ۷۳)

۳۔ وَقَالَ اللّٰہُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـہَیْنِ اثْنَیْنِ اِنَّمَا ہُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ اللہ نے کہا ہے کہ دو معبود مت بناؤ۔ بس وہ اکیلا معبود ہے۔ (سورہ نحل آیت ۵۱)

جب الوہیت خدا کے ساتھ مخصوص ہے تو عبادت بھی صرف اسی کے لئے جائز ہے۔ کسی اور کی عبادت روا نہیں ہے جیسا کہ ارشاد ہے

۴۔ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ○ بے شک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھو۔ (سورہ طہٰ آیت ۱۴)

۵۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ (اے رسول) ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کی طرف بھی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم سب میری عبادت کرو۔ (سورہ انبیاء آیت ۲۵)

۶۔ خدا اپنی صفات کا اثبات کرتے ہوئے فرماتا ہے

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِہٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَہْجَۃٍ مَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَہَا ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ بَلْ ہُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ○ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَہَآ اَنْہٰرًا وَّجَعَلَ لَہَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ بَلْ اَکْثَرُہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ○ اَمَّنْ یَّہْدِیْکُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ تَعٰلَی اللّٰہُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَمَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ قُلْ ہَاتُوْا بُرْہَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور کس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا؟ (ہم نے۔) پھر ہم نے اس سے ہرے بھرے باغ اگائے تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگاتے۔ تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں!) بلکہ یہ لوگ خود اپنی طرف سے دوسروں کو معبود بنا کر خدا کے برابر کر رہے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے بیچ میں نہریں جاری کیں اور کس نے اس کے پہاڑ بنائے اور کس نے دو دریاؤں کے درمیان اوٹ بنائی (یہ سب کچھ خدا

بنایا؟ تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ ان میں اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ بھلا کون ہے جو مضطرب کی فریاد سنتا ہے اور جب وہ فریاد کرتا ہے تو کون اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے۔ اور تم لوگوں کو زمین کا جانشین بناتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں!) یہ لوگ بہت کم غور کرتے ہیں۔ بھلا کون ہے جو خشکی اور تری کی تاریک راہوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے اور اپنی رحمت سے پہلے بشارت کے طور پر ہوائیں چلاتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں!) یقیناً خدا ان تمام تکلفات سے بلند ہے جنہیں یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ بھلا کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے۔ پھر دوبارہ بھی وہی پیدا کرے گا۔ اور کون ہے جو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) (اے رسول) کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ۔ (سورۂ نمل آیت ۶۰ تا ۶۴)

یعنی صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی حمد کا سزاوار ہے۔ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ نہ بیٹا نہ بیٹی۔ اور جو لوگ اس کے لئے اولاد کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ سراسر گمراہ ہیں۔

کیا خدا کی کوئی اولاد ہے؟

مشرکین میں ایسے بھی گروہ ہیں جو خدا کے بیٹے اور بیٹیوں کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے

۱۔ فاستفتھم الربک البنات ولھم البنون ○ ام خلقنا الملائکۃ اناثا وھم شاھدون ○ الا انھم من افکھم لیقولون ○ ولد اللہ وانھم لکاذبون ○ اصطفی البنات علی البنین ○ مالکم کیف تحکمون ○ (اے رسول) ان سے پوچھئے کہ کیا تمہارے رب کے لئے لڑکیاں ہیں اور ان کے لئے لڑکے ہیں؟ یا ہم نے ملائکہ کو لڑکیاں پیدا کیا ہے اور یہ اس کے گواہ ہیں؟ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ لوگ اپنی طرف سے باتیں بناتے ہیں کہ خدا کے ہاں فرزند پیدا ہوا ہے اور یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹوں کے بجائے لڑکیوں کا انتخاب کیا ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو؟ (سورۂ صافات آیت ۱۴۹ تا ۱۵۴)

۲۔ وجعلوا الملائکۃ الذین ھم عباد الرحمن اناثا اشھدوا خلقھم ستکتب شھادتھم ویسئلون ○ وقالوا لو شاء الرحمن ما عبدناھم ان لوگوں نے فرشتوں کو جو کہ اللہ کے بندے ہیں لڑکیاں قرار دے دیا ہے۔ کیا یہ لوگ ان کی پیدائش کے گواہ ہیں؟ ان کی گواہی عنقریب لکھ لی جائے گی۔ پھر اس بارے میں ان سے پوچھا جائے گا اور یہ کہتے ہیں کہ خدا چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ (سورۂ زخرف آیت ۱۹ و ۲۰)

۳۔ ام اتخذ مما یخلق بنات واصفاکم بالبنین ○ کیا اللہ نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں منتخب کیا اور تمہارے لئے لڑکوں کو پسند کیا ہے؟ (سورۂ زخرف آیت ٦)

۴۔ واذا بشر احدهم بما ضرب للرحمن مثلا ظل وجهه مسودا وهو کظیم ○ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے جو مثال انہوں نے رحمن کے لئے بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غصے سے گھونٹ پینے لگتا ہے۔ (سورہ زخرف آیت ۱۷)

مشرکین عرب لات☆ منات☆ اور عزیٰ☆ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ فرشتوں کی صورتیں ہیں اور فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ خدا سورہ نجم میں ارشاد فرماتا ہے

۵۔ افرءیتم اللات والعزی ○ ومناة الثالثة الاخری ○ الکم الذکر وله الانثی ○ تلک اذا قسمة ضیزی ○ ان هی الا اسماء سمیتموها انتم وآباؤکم ما انزل الله بها من سلطان ان یتبعون الا الظن وما تهوی الانفس ولقد جاءهم من ربهم الهدی ○ کیا تم لوگوں نے لات و عزیٰ اور تیسری ایک اور دیوی منات کی حقیقت پر غور کیا ہے؟ کیا بیٹے تمہارے لئے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لئے؟ یہ تو بڑی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ یہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے گھڑ لئے ہیں۔ خدا نے ان کے بارے میں کوئی دلیل نہیں اتاری۔ یہ لوگ صرف تخمین و ظن اور خواہشات نفس کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔ (سورہ نجم آیت ۱۹ تا ۲۳)

۶۔ ان الذین لا یؤمنون بالآخرة لیسمون الملائکة تسمیة الانثی ○ وما لهم به من علم ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا ○ بیشک جن لوگوں کا آخرت پر ایمان نہیں ہے وہ فرشتوں کے نام لڑکیوں جیسے رکھتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس سلسلے میں کوئی علم نہیں ہے۔ یہ صرف تخمین و ظن کی پیروی کرتے ہیں اور تخمین و ظن حق کے بارے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ (سورہ نجم آیت ۲۷، ۲۸)

عرب کے بعض لوگ جنات کی عبادت کیا کرتے تھے

وجعلوا لله شرکاء الجن وخلقهم وخرقوا له بنین وبنات بغیر علم سبحانه وتعالی عما یصفون ○ بدیع السموات والارض انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبة وخلق کل شیء وهو بکل شیء علیم ○ ان لوگوں نے جنات کو خدا کا شریک بنا دیا ہے حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور بغیر جانے بوجھے خدا کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بھی تیار کر رکھی ہیں جبکہ اس کی شان ان باتوں سے بہت بلند ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔ اس کے اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں۔ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (سورہ انعام آیت ۱۰۰، ۱۰۱)

۷۔ ویوم یحشرهم جمیعا ثم یقول للملائکة اهؤلاء ایاکم کانوا یعبدون ○ قالوا سبحانک

☆ ۱۔ طائف میں نصب قبیلہ ثقیف کی دیوی۔

۲۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان نصب قبیلہ ہذیل اور قبیلہ خزاعہ کی دیوی۔

۳۔ مکہ مکرمہ میں نصب بنی کنانہ اور قبیلہ قریش کی دیوی۔

أنت ولينا من دونهم بل كانوا يعبدون الجن أكثرهم بهم مؤمنون ○ جس دن خدا سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے کہے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے اور تو ہی ہمارا دوست ہے اور یہ ہمارے دوست نہیں ہیں۔ یہ جنات کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کی اکثریت ان ہی پر ایمان رکھتی تھی۔ (سورۃ سبا آیت ۴۰ و ۴۱)

فرشتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین تو صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں لیکن ان کے مثل کا نمونہ آج بھی دنیا میں موجود ہے یعنی آج بھی دنیا میں حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ماننے والے عیسائی بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں

وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارى المسيح ابن الله ذالك قولهم بأفواههم يضاهؤن قول الذين كفروا من قبل قاتلهم الله أنى يؤفكون یہودی کہتے ہیں کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ سب ان کی زبانی باتیں ہیں۔ ان باتوں میں یہ ان لوگوں کی ریس کرتے ہیں جو ان سے پہلے کفر کیا کرتے تھے۔ ان پر اللہ کی مار ہو۔ یہ کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔ (سورۂ توبہ آیت ۳۰)

۲۔ يا أهل الكتاب لا تغلوا في دينكم ولا تقولوا على الله إلا الحق إنما المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وكلمته ألقاها إلى مريم وروح منه فآمنوا بالله ورسله ولا تقولوا ثلاثة انتهوا خيرا لكم إنما الله إله واحد سبحانه أن يكون له ولد له ما في السموات وما في الأرض وكفى بالله وكيلا○ لن يستنكف المسيح أن يكون عبدا لله ولا الملائكة المقربون ومن يستنكف عن عبادته ويستكبر فسيحشرهم إليه جميعا○ اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ عیسیٰ بن مریم صرف اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے مریم کی طرف القا کیا گیا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح ہیں۔ لہذا اللہ اور رسولوں پر ایمان لے آؤ اور تین کا نام نہ لو۔ باز آ جاؤ کہ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اللہ فقط واحد معبود ہے اور وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ زمین آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے اور وہ کفالت و وکالت کے لئے کافی ہے۔ مسیح کو اس بات سے انکار نہیں ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور نہ ملائکہ مقربین کو اس کی بندگی سے کوئی انکار ہے اور جو بھی اس کی بندگی سے انکار اور تکبر کرے گا تو اللہ ان سب کو اپنی بارگاہ میں اکٹھا کرے گا۔ (سورۂ نساء آیت ۱۷۱، ۱۷۲)

۳۔ لقد كفر الذين قالوا إن الله هو المسيح ابن مريم وقال المسيح يا بني إسرائيل اعبدوا الله ربي وربكم إنه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة ومأواه النار وما للظالمين من أنصار○ لقد كفر الذين قالوا إن الله ثالث ثلاثة وما من إله إلا إله واحد وإن لم ينتهوا عما يقولون ليمسن الذين كفروا منهم عذاب أليم○ أفلا يتوبون إلى الله ويستغفرونه والله غفور رحيم○ ما المسيح ابن مريم إلا رسول قد خلت من قبله الرسل وأمه صديقة كانا يأكلان الطعام انظر كيف

يبين لهم الآيات ثم انظر أنى يؤفكون ○ قل أتعبدون من دون الله ما لا يملك لكم ضرا ولا نفعا
والله هو السميع العليم ○ بے شبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم خدا ہیں حالانکہ مسیح کہتے تھے
کہ اے بنی اسرائیل اپنے اور میرے پروردگار کی عبادت کرو۔ جو کوئی اس کا شریک ٹھہرائے گا خدا اس پر بہشت
حرام کر دے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ یقیناً وہ لوگ بھی کافر ہیں جو کہتے
ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اگر یہ لوگ ایسے قول سے باز نہیں آئیں گے
تو ان میں سے جو کافر ہوئے ہیں وہ دردناک عذاب پائیں گے تو یہ لوگ کیوں خدا کے آگے توبہ نہیں کرتے اور
اس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے۔ اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح ابن مریم تو صرف رسول تھے ان
سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی ماں صدیقہ تھیں اور وہ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھایا
کرتے تھے۔ دیکھو ہم ان لوگوں کے لئے اپنی نشانیوں کو کس طرح واضح کر کے بیان کرتے ہیں پھر یہ دیکھو یہ
کدھر الٹے جا رہے ہیں (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی کی عبادت کرتے ہو جو تم کو
نفع اور نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے (سورۂ مائدہ آیت ۷۲ تا ۷۶)

۴۔ لقد كفر الذين قالوا إن الله هو المسيح ابن مريم قل فمن يملك من الله شيئا إن أراد أن
يهلك المسيح ابن مريم وأمه ومن في الأرض جميعا ولله ملك السماوات والأرض وما بينهما
يخلق ما يشاء والله على كل شيء قدير ○ بے شک وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم خدا ہیں
(اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ پھر خدا کے مقابلے میں کون کسی امر کا صاحب اختیار ہوگا اگر وہ مسیح ابن مریم اور
ان کی ماں اور سارے اہل زمین کو مار ڈالنا چاہے۔ اور خدا ہی کے لئے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی
حکومت ہے وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ (سورۂ مائدہ آیت ۱۷)

۵۔ إن مثل عيسى عند الله كمثل آدم خلقه من تراب ثم قال له كن فيكون ○ بیشک عیسیٰ کی مثال
اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے کہ انہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر کہا ہو جا اور وہ ہو گیا۔ (سورۂ آل عمران آیت ۵۹)

۶۔ وقالوا اتخذ الرحمن ولدا ○ لقد جئتم شيئا إدا ○ تكاد السماوات يتفطرن منه وتنشق
الأرض وتخر الجبال هدا ○ أن دعوا للرحمن ولدا ○ وما ينبغي للرحمن أن يتخذ ولدا ○ إن كل
من في السماوات والأرض إلا آتي الرحمن عبدا ○ یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمن نے بیٹا بنا لیا ہے یقیناً تم
لوگوں نے بڑی سخت بات کہی ہے قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑے اور زمین شگافتہ ہو جائے اور پہاڑ
ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں کہ ان لوگوں نے رحمن کے لئے بیٹا قرار دے دیا حالانکہ یہ رحمن کے شایان شان نہیں
ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کی بارگاہ میں بندہ بن کر حاضر
ہونے والا نہ ہو۔ (سورۂ مریم آیت ۸۸ تا ۹۳)

خدا نے اس طرح کے تمام نظریات کو سورۂ مبارکہ توحید میں باطل ٹھہرایا ہے۔

۷۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ قل ھو اللہ احد ○ اللہ الصمد ○ لم یلد ولم یولد ○ ولم یکن لہ کفوا احد ○ بنام خدائے رحمن و رحیم۔ (اے رسول!) کہہ دیجئے کہ وہ خدا یکتا ہے۔ خدا بے نیاز ہے۔ نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا ہے نہ باپ اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

لغوی تشریح

۱۔ المحاجہ: آپس میں کثرت سے بحث کرنا۔ حق کو چھوڑ کر باطل کو قبول کرنا

۲۔ کظیم: غم و غصے سے بھرا ہوا شخص۔

۳۔ ضیزی: جائر و ضائز یعنی کسی کے ساتھ ناانصافی کی۔ قسمۃ ضیزی یعنی غیر منصفانہ تقسیم۔

۴۔ سلطان: یہاں دلیل کے معنی میں ہے۔

۵۔ خرقوا: خرق الشیء کسی کے لئے جانے بوجھے بغیر کسی چیز کا دعویٰ کیا۔

۶۔ بدیع: کسی مثال کے بغیر کسی چیز کو پیدا کرنے والا۔ بدیع السموات والارض کا مطلب ہے آسمانوں اور زمین کو کسی آلہ، مادہ، زمان و مکان کے بغیر بنانے والا۔

۷۔ یضاھئون: مشابہ ہیں۔

۸۔ ادًّا: بڑی سخت بات۔ ناقابل برداشت بات۔

۹۔ ھدًّا: کسی عمارت کو ڈھا دینا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔

۱۰۔ المسیح: عبرانی لفظ مشیحا کا معرب۔ مسح کرنے اور ہاتھ پھیرنے والا۔ حضرت عیسیٰ کوڑھیوں اور مریضوں پر ہاتھ پھیرتے تھے تو وہ بحکم خدا صحت یاب ہو جاتے تھے۔ اسی بنا پر ان کا لقب مسیح ہو گیا۔

۱۱۔ الکلمۃ: وہ مخلوق جسے خدا نے کسی طبعی وسیلے کے بغیر فقط کن سے پیدا کیا ہو۔ یہ لفظ ان معنی میں حضرت عیسیٰ پر صادق آتا ہے۔ خدا نے انہیں کلمۃ اللہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

(الف) خدا نے حضرت زکریا سے فرمایا ان اللہ یبشرک بیحیی مصدقا بکلمۃ من اللہ ○ یقیناً خدا تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا ہے۔ (آل عمران ۳۹)

(ب) حضرت مریم سے فرمایا ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم ○ یقیناً اللہ تمہیں اپنے کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ (آل عمران ۴۵)

(ج) انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ ○ مسیح عیسیٰ بن مریم صرف خدا کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔ (نساء ۱۷۱)

حضرت عیسیٰ پر لفظ کلمہ کا اطلاق سبب پر مسبب کے اطلاق کی قسم ہے۔

۱۲۔ صدیقۃ: صدیق اسے کہتے ہیں جو کبھی جھوٹ نہ بولتا ہو اور جس کی زبان صرف سچائی سے آشنا ہو۔ بالفاظ دیگر صدیق وہ ہوتا ہے جو اپنے قول و عقیدے میں سچا ہو اور اپنی صداقت کا اظہار اپنے عمل سے کرے۔ انبیاء و مرسلینؑ کے بعد کا درجہ صدیقین کا ہے۔

۱۳۔ عبداً: وہ مملوک جو اپنے نفع و نقصان اور موت و حیات کا کوئی اختیار نہ رکھتا ہو۔

۱۴۔ الصمد: صمد وہ ہے جو نہ کسی کا باپ ہو اور نہ کسی کی اولاد اور جس کا کوئی ہمسر نہ ہو۔

تفسیر آیات

ان آیات میں قرآن نے ہمیں بتایا ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتا تھا۔ یقیناً یہ گروہ رسول خداؐ کی حیات طیبہ میں موجود تھا لیکن اب موجود نہیں۔ اسی طرح وہ مشرکین بھی اب موجود نہیں جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ البتہ حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہنے والے آج بھی دنیا میں کثرت سے موجود ہیں۔ خدا نے ان کے عقیدے کو یوں بیان فرمایا ہے **وقالت النصاری المسیح ابن الله**

نصاریٰ نے ایک عجیب اور غیر منطقی عقیدہ قائم کیا کہ خدا تین اقنوم میں سے تیسرا ہے یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس مل کر ایک خدا بنتے ہیں یعنی تین خدا ہیں اور ایک بھی ہے۔ نصاریٰ کے عقیدۂ تثلیث کے باطل ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ کوئی باہوش و حواس یہ نہیں کہہ سکتا کہ تین ایک ہے اور ایک تین ہے یعنی ہر ایک علیحدہ خدا ہے اور تینوں علیحدہ خدا ہیں۔ نصاریٰ نے اپنے اس غیر منطقی عقیدے کے ذریعے دوسرے خدا کا عقیدہ پیدا کیا اور حضرت مسیحؑ کو تین اقنوم کا ایک جزو قرار دے کر ان کی الوہیت کا عقیدہ اختیار کیا جبکہ قرآن بڑی صراحت سے اس حقیقت کو بیان فرماتا ہے کہ حضرت مسیحؑ صرف خدا کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ ان کی ماں حضرت مریم صدیقہ تھیں اور دوسرے انسانوں کی طرح وہ ماں بیٹا دونوں کھانا کھاتے تھے اور اصول فطرت یہ ہے کہ ہر کھانا کھانے والے کو رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور جو رفع حاجت کی ضرورت محسوس کرے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

خدا نے قرآن مجید میں امت اسلامیہ کو یہ عقیدہ تعلیم فرمایا ہے کہ حضرت مسیحؑ خدا نہیں تھے بلکہ خدا کا کلمہ تھے جو خدا نے حضرت مریمؑ کو القا کیا تھا جبکہ مسیحی انہیں خدا کا کلمہ اور عبد ماننے کی بجائے خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے اس لیے وہ خدا کے بیٹے ہیں۔

اس کے جواب میں قرآن مجید فرماتا ہے کہ ان سے قبل حضرت آدمؑ بھی گزرے ہیں جن کے ماں اور باپ دونوں نہیں تھے۔ خدا نے انہیں اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا تھا۔ جب آدمؑ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہو کر خدا کے بیٹے نہیں بنے تو حضرت مسیحؑ صرف باپ کے نہ ہونے پر ابن اللہ کیسے بن سکتے ہیں؟

حضرت آدمؑ اور حضرت عیسیٰؑ پیدائش پر موقوف ہے قدرت کا سہارا کار حاصل ہوا۔ یہ ہمارے سامنے حیوان، آسمان اور زمین — سبھی پکار رہے ہیں کہ یہ سب دستِ قدرت کی کاریگری ہے۔

امام حسین علیہ السلام صمد کی وضاحت کرتے ہیں

اہل بصرہ نے یہ خط لکھ کر حضرت امام حسینؑ سے صمد کی وضاحت چاہی تو آپ نے جواب میں لکھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اما بعد! علم کے بغیر قرآن میں غور و خوض نہ کرو اور اس میں بحث نہ کرو، میں نے اپنے نانا رسول خدا کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس کسی نے علم کے بغیر قرآن کے متعلق گفتگو کی اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔ خدا نے فرمایا ہے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ پھر اس نے خود ہی صمد کی تفسیر کی ہے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ اس نے کسی کو نہیں جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ نہ اس سے کوئی کثیف چیز نے جنم لیا جس طرح سے بچہ اور دوسری کثیف چیزیں مخلوقات سے جنم لیتی ہیں اور نہ اس سے سانس کی طرح سے کسی لطیف چیز نے بھی جنم نہیں لیا۔ نہ ہی اس پر خطرہ، غم، حزن، خوشی، ہنسی، گریہ، خوف، امید، رغبت، تنگدلی، بھوک اور سیری جیسے لطیف امور طاری نہیں ہوتے۔ خدا اس سے کہیں بلند ہے کہ اس سے کوئی کثیف یا لطیف چیز جنم لے سکے۔ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے نہ ہی ہوا جیسا کہ کثیف اشیا اپنے عناصر سے پیدا ہوتی ہیں، جس طرح ایک چیز دوسری سے اور نباتات زمین سے اور پانی چشموں سے اور پھل درختوں سے اور آگ پتھروں سے پیدا ہوتی ہے یا جس طرح سے لطیف اشیا اپنے مرکز سے جنم لیتی ہیں جیسے آنکھ سے بصارت، کان سے سماعت، ناک سے سونگھنا، منہ سے چکھنا، زبان سے بولنا اور دل سے پہچاننا۔ اللہ اس طرح سے کسی بھی چیز سے پیدا نہیں ہوا۔ اللہ صمد ہے یعنی وہ کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا اور کسی چیز میں مقیم نہیں ہے اور کسی چیز کے اوپر اس کا سہارا نہیں ہے۔ وہ تمام اشیا کا خالق ہے اور اپنی قدرت سے تمام اشیا کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ اس نے اشیا کو اپنی مشیت سے فنا کرنا ہے وہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی اور جن چیزوں کو اس نے بقا کے لئے پیدا کیا ہے وہ اس کے علم کے تحت باقی رہیں گی۔ پس اللہ صمد ہے جو نہ کسی کا باپ ہے، نہ کسی کا بیٹا ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ (بحار، تفسیر البرہان ج ۴، ص ۵۲۵)

خلاصۂ بحث

متعدد معبودوں پر ایمان رکھنے والے لوگوں کو حسب ذیل گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ قریش کے کچھ قبیلے فرشتوں کو معبود مانتے تھے اور انہیں خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ ایسے لوگ آج دنیا میں کہیں موجود نہیں۔

۱۔ بعض یہودی جو حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے لیکن آج ایسا ماننے والے نہیں ہیں۔

۲۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔ باپ، بیٹا، روح القدس تینوں خدا ہیں اور یہ تینوں مل کر ایک ہیں۔ آج کے عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

۴۔ جو مشرک جنات کو پوجتے تھے۔ مختلف ادوار میں جنات کی بابت ان کے اقوال مختلف رہے ہیں۔

۵۔ جو مشرک فرشتوں کو خدا سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

۶۔ جو لوگ بچھڑے کو پوجتے تھے مثلاً بنی اسرائیل نے گئوپوجا کی تھی۔ آج بھی ہندو گائے کی پوجا کرتے ہیں۔

۷۔ بعض مشرک مظاہر فطرت یعنی سورج، چاند اور ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔

قرآن مجید نے مشرکین کے تمام گروہوں کی پرزور تردید کی اور دلائل و براہین سے انہیں غلط ثابت کیا۔ مثلاً جو لوگ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے ان لوگوں کے متعلق خدا نے فرمایا کہ ذرا ان لوگوں سے یہ تو پوچھو کہ کیا یہ لوگ فرشتوں کی تخلیق کے وقت موجود تھے اور کیا انہوں نے دیکھا تھا کہ فرشتے لڑکیاں ہیں؟

حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ گرامی کے لئے خدا نے فرمایا کہ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے اور رفع حاجت کے لئے جاتے تھے۔ کھانا اور رفع حاجت کے لئے جانا مخلوق کی صفت ہے۔ جہاں تک حضرت عیسیٰؑ کی بغیر باپ کے پیدائش کا تعلق ہے تو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ ان سے قبل حضرت آدمؑ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ، حضرت عزیرؑ، فرشتے اور جنات سب کے سب خدا کے بندے ہیں۔ خدا صمد ہے وہ کسی کا باپ یا بیٹا نہیں اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

بت پرستی کی تردید میں فرمایا کہ بت پتھر کے بے جان مجسمے ہیں جنہیں مشرکین نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے لہٰذا بت معبود نہیں ہو سکتے۔

گئوپوجا کرنے والے بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا کہ سونے کا وہ بچھڑا سامری نے بنایا تھا وہ سامری کی تخلیق ہے جو سامری کا محتاج ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

مظاہر فطرت کے بارے میں خدا نے فرمایا کہ ان کا طلوع ہونا اور ڈوبنا خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ کسی کے زیر فرمان ہیں اور جو زیر فرمان ہو وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید یہی مختلف پہلوؤں سے الوہیت یعنی خالقیت کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے لئے ثابت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ خالق اور باقی سب مخلوق ہیں۔

قرآن کریم میں مخلوقات کی اصناف

ملائکہ ملک کی جمع ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نور سے پیدا کیا ہے۔ ان کے لئے زندگی بھی ہے اور موت بھی۔ ملائکہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ وہ کبھی اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہ بھی اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے انسانی صورت بھی اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام پہنچانے کے لئے انہیں میں سے پیغام رسانوں کا انتخاب کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے

۱۔ الحمد للہ فاطر السموات والارض جاعل الملائکۃ رسلاً اولی اجنحۃ مثنی و ثلاث وربٰع یزید فی الخلق ما یشاء ان اللہ علی کل شیء قدیر ○ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور ملائکہ کو اپنا پیغام رساں بنانے والا ہے۔ وہ ملائکہ جن کے پر دو دو تین تین اور چار چار ہیں وہ اللہ خلقت میں جس قدر چاہتا ہے اضافہ کر دیتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورہ فاطر آیت ۱)

۲۔ وجعلوا الملائکۃ الذین ھم عباد الرحمٰن اناثاً اشھدوا خلقھم ○ انہوں نے ملائکہ کو جو رحمٰن کے بندے ہیں لڑکیاں قرار دے دیا ہے کیا یہ لوگ ملائکہ کی خلقت کے وقت موجود تھے؟ (سورہ زخرف آیت ۱۹)

۳۔ والملائکۃ یسبحون بحمد ربھم و یستغفرون لمن فی الارض ○ ملائکہ اپنے رب کی تسبیح کرتے ہیں اور زمین والوں کے حق میں استغفار کرتے ہیں (سورہ شوریٰ آیت ۵)

۴۔ یخافون ربھم من فوقھم ویفعلون ما یؤمرون ○ ملائکہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جو حکم دیا جاتا ہے اسی کے مطابق کام کرتے ہیں۔ (سورہ نحل آیت ۵۰)

فرشتوں کا انسانی روپ میں آنا

۱۔ ملائکہ انسانی روپ میں بھی ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت مریم کے سامنے فرشتہ انسانی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشراً سویاً ○ قالت انی اعوذ بالرحمٰن منک ان کنت تقیاً ○ قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاماً زکیاً ○ ہم نے مریم کی طرف اپنی روح کو بھیجا جو ان کے سامنے انسان بن کر نمودار ہوا۔ مریم نے کہا اگر تم خوف خدا رکھتے ہو تو میں

سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ اس نے کہا میں آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ آپ کو ایک پاک بیٹا عطا کروں۔ (سورہ مریم آیت ۱۸ تا ۱۹)

۲۔ فرشتے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے انسانی روپ میں آئے تھے: وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ○ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ○ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ○ قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ اور ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے اور آکر سلام کیا تو ابراہیم نے بھی سلام کیا اور تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ اور جب دیکھا کہ ان لوگوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھتے ہیں تو تعجب کیا اور ان کی طرف سے ڈر محسوس کیا۔ انہوں نے کہا آپ ڈریں نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگ دل ہوگئے اور بولے کہ یہ بڑا سخت دن ہے۔ انہوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے فرستادے ہیں یہ لوگ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ (سورہ ہود آیت ۶۹ تا ۸۱)

۳۔ فرشتے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے مجاہدین کے روپ میں نازل ہوئے تھے: إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ○ جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی (اور تمہیں کہا) کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو پے در پے ایک کے پیچھے ایک چلے آتے ہیں۔ (سورہ انفال آیت ۹)

اسی سورہ میں آگے خدا فرماتا ہے:

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ○ جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں لہٰذا تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو اور میں عنقریب کفار کے دلوں میں رعب پیدا کر دوں گا۔ لہٰذا تم کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ۔ (سورہ انفال آیت ۱۲)

ایک اور جگہ خدا فرماتا ہے:

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ○ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ○ (اے رسولؐ!) جب آپ مومنوں سے یہ کہہ کر ان کے دل بڑھا رہے تھے کہ کیا یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب

تین ہزار فرشتوں کو نازل کر کے تمہاری مدد کرے ؟ اگر تم دل کو مضبوط رکھو اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن اسی وقت تم پر
آ کر حملہ کرے تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں کو جن پر نشان لگے ہوئے ہوں گے تمہاری مدد کے لیے بھیجے
گا (سورہ آل عمران آیت ۱۲۴ و ۱۲۵)

فرشتے اور پیغام رسانی

خدا فرشتوں سے پیغام رسانی کرتا ہے اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ خدا
فرشتوں اور انسانوں میں سے اپنے پیغام رساں منتخب کرتا ہے۔ (سورہ حج آیت ۷۵)

کچھ فرشتے وحی لانے پر مامور ہیں

۱۔ اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ۝ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۝ بے شک
یہ معزز فرشتے کا لایا ہوا پیغام ہے جو صاحب قوت مالک عرش کے ہاں عالی رتبہ ہے۔ وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے اور وہ امانتدار ہے
(سورہ تکویر آیت ۱۹ تا ۲۱)

۲۔ قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ۝ (اے رسول!) کہہ دیجئے جو
شخص جبرئیل کا دشمن ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ جبرئیل نے آپ کے دل پر خدا کے حکم سے قرآن نازل کیا ہے
(سورہ بقرہ آیت ۹۷)

۳۔ وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۝ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ
یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اسے روح الامین نے آپ کے دل پر نازل کیا ہے تاکہ آپ
(لوگوں کو عذاب آخرت سے) خبردار کریں۔ (سورہ شعراء آیت ۱۹۲ تا ۱۹۴)

۴۔ قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَہُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ۝
(اے رسول!) کہہ دیجئے کہ اس قرآن کو روح القدس نے تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے
تاکہ مومنوں کو ثبات قدم اور استقلال عطا کرے اور یہ اطاعت گزاروں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے
(سورہ نحل آیت ۱۰۲)

۵۔ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی ہوئی
نشانیاں دیں اور روح القدس کے ذریعے ان (کے دعویٰ نبوت) کی تائید کی۔ (سورہ بقرہ آیت ۸۷ و ۲۵۳)

فرشتے اور نزول تقدیر

فرشتے شب قدر میں تقدیر الٰہی لے کر نازل ہوتے ہیں

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ○ اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے تمام امور کو لے کر نازل ہوتے ہیں۔ (سورۂ قدر آیت ۴)

فرشتے انسانوں کے اعمال محفوظ رکھتے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ○ إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ○ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ○ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم کو معلوم ہے کہ اس کا نفس اس میں کیا کیا وسوسے پیدا کرتا ہے اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں جبکہ دو لکھنے والے اس کے اعمال لکھ رہے ہیں جو دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا مگر یہ کہ ایک نگہبان اس کو لکھنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ (سورۂ ق آیت ۱۶تا۱۸)

فرشتے اور موت

فرشتوں میں سے ایک فرشتہ موت پر موکل ہے

قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ○ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ وہ ملک الموت تمہاری روح قبض کرے گا جسے تم پر مقرر کیا گیا ہے اس کے بعد تم سب اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر کئے جاؤ گے۔ (سورۂ سجدہ آیت ۱۱)

بڑے فرشتوں میں ملک الموت کے مددگار فرشتے بھی ہیں

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ○ جب کسی کی موت کا وقت آ پہنچتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے نمائندے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔ (سورۂ انعام آیت ۶۱) بے دینوں کے متعلق ارشاد ہے

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِن سُوءٍ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو یہ لوگ جو اپنے ہی اوپر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں مطیع بن کر کہتے ہیں کہ ہم تو کوئی برا کام نہیں کرتے تھے بے شک خدا خوب جانتا ہے کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ جاؤ اب دوزخ کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ وہیں رہو (سورۂ نحل آیت ۲۸و۲۹)

اب دیکھیں کہ جب فرشتے اہل ایمان کی روح قبض کرتے ہیں تو ان کا انداز کیا ہوتا ہے؟

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○

جب فرشتے ان لوگوں کی روحیں قبض کرتے ہیں جو (شرک سے) پاک ہوتے ہیں تو وہاں ... کہتے ہیں کہ جو عمل تم کیا کرتے تھے ان کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (سورۂ نحل آیت ۳۲)

فرشتے اور روز قیامت

تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ ... فرشتے اور روح ... بلند ہوتے ہیں اس ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہے۔ (سورۂ معارج آیت ۴)

یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمن وقال صوابا ○ جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کسی کی مجال نہ ہوگی کہ بول سکے ... جسے رحمن اجازت دے اور وہ صحیح بات کرے۔ (سورۂ نبا آیت ۳۸)

فرشتوں پر ایمان ضروری ہے

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملائکۃ والکتاب والنبیین نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق اور مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف ... نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر، آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور رسول پر ایمان لائیں۔ (سورۂ بقرہ آیت ...)

فرشتوں کا دشمن کافر ہے

من کان عدوا للہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدو للکافرین ○ جو خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل و میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا خدا دشمن ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۹۸)

لغوی تشریح

۱۔ فاطر: فطر اللہ الخلق خدا نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور وہ ان کا فاطر یعنی خالق ہے۔

۲۔ حنیذ: حنذ اللحم بین حجرین گرم پتھروں کے بیچ گوشت بھوننا۔ لحم حنیذ بھنا ہوا گوشت

۳۔ نکرھم: ان کی طرف سے ڈر محسوس کیا۔

۴۔ مردفین: اردفہ کسی کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھانا۔ ملائکۃ مردفین گروہ در گروہ آتے ہوئے فرشتے

۵۔ لیَرْبِطَ: قلب اس سے کمزوری کے سبب دور کرکے قوت بخشی۔ ثبات قدم بخشا۔

۶۔ مُسَوِّمِین: سوم الشیء اس نے ایک چیز پر نشان لگایا۔ لہٰذا مسومین کی معنی ہوئے وہ فرشتے جو میدانِ جنگ میں اپنے اوپر یا اپنے گھوڑوں پر نشان لگائے ہوئے تھے۔

۷۔ مَکِین: بلند مرتبے والا۔ اس آیت میں خدا کے ہاں بلند مرتبہ رکھنے والا مراد ہے۔

۸۔ مُطَاع: جس کی اطاعت کی جائے۔ مراد ہے مطاع فرشتہ وہ ہوتا ہے جو اپنے ماتحت فرشتوں کو حکم دے اور وہ اس کی اطاعت کریں۔

۹۔ الْبَیِّنَات: آیات بینات یعنی واضح اور کھلی ہوئی نشانیاں۔

۱۰۔ حَبْلِ الْوَرِید: شہ رگ کو حبل ورید سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۱۱۔ الْمُتَلَقِّیَان: کراماً کاتبین جو انسان کا نامہ اعمال لکھتے ہیں۔ ان کا لکھا ہوا نامہ اعمال قیامت کے دن ہر شخص کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور یہ فرشتے انسان کی حفاظت بھی کرتے ہیں

۱۲۔ رَقِیب: نگہبان۔ خیال رکھنے والا۔

۱۳۔ عَتِید: اعتدت الشیء وعتدته میں نے ایک چیز تیار کی۔ اس سے اسم فاعل ہے معتد، عتید

۱۴۔ تَوَفَّتْهُ: روح قبض کرنا۔

۱۵۔ الرُّوح: جاندار اجسام کو زندہ رکھنے والی چیز کہ جب وہ جسم سے نکل جائے تو موت واقع ہو جائے۔ حقیقی روح سے متعلق ہمارا علم محدود ہے جیسا کہ خدا نے بتایا ہے

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ○ (سورہ بنی اسرائیل)

یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں (کہ کیا ہے؟) آپ کہہ دیجئے روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۵)

ظاہراً شرف کے لئے روح کی نسبت کبھی خدا کی طرف اور کبھی فرشتوں کی طرف دی گئی ہے

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ○ جب میں اس (پتلے) کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا (سورہ حجر آیت ۲۹)

حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے ضمن میں ارشاد ہوتا ہے

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا ○ مریم بنت عمران جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی تھی ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ (سورہ تحریم آیت ۱۲)

یہاں روح کی نسبت خدا کی طرف اظہار شرف کے لئے ہے جس طرح کعبہ کی نسبت خدا کی طرف اظہار عظمت کے لئے ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَ

طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ○ جب ہم نے ابراہیم کے لئے بیت اللہ کی جگہ مہیا کی (تو ان سے فرمایا) کسی چیز کو میرا شریک نہ بنانا اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھنا۔ (سورہ حج آیت ۲۶)

اس آیت میں بیت محترم کو بیت اللہ کہہ کر اسے باقی روئے زمین کے قطعات سے مخصوص قرار دیا ہے اور اسی طرح سے سابقہ آیات میں روح کی نسبت اللہ کی طرف اس کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے۔ روح کی جامع تعریف یہ ہے کہ روح اسے کہتے ہیں جس پر جاودانی زندگی اور معنوی مدنیت کا دارومدار ہو۔ اسی لئے وحی، نبوت اور خدا کی قائم کردہ شریعتیں بالخصوص قرآن مجید میں سامان ہدایت بھی روح کے زمرے میں شامل ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے **ينزل الملائكة بالروح من امره على من يشاء من عباده** وہ جس بندے پر چاہتا ہے اپنے حکم سے فرشتوں کو روح کے ساتھ نازل کرتا ہے (سورہ نحل آیت ۲) **وكذالك اوحينا اليك روحا من امرنا** اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح کی وحی کی ہے۔ (سورہ شوریٰ آیت ۵۲) اس آیت میں قرآن مجید کو روح کہا گیا ہے کیونکہ حبیب خدا کی طرف جس روح کی وحی کی گئی تھی وہ یہی قرآن مجید تھا۔ واضح رہے کہ روح، فرشتوں سے ایک الگ مخلوق ہے جیسا کہ ارشاد ہے

تنزل الملائكة والروح فيها باذن ربهم من كل امر ○ اس رات میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے تمام امور کو لے کر اترتے ہیں۔ (سورہ قدر آیت ۴)

تعرج الملائكة والروح اليه في يوم كان مقداره خمسين الف سنة جس دن میں فرشتے اور روح بلند ہوتے ہیں اس ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ (سورہ معارج آیت ۴)

امیر المومنین علیہ السلام کی روش ہم اس کی مزید وضاحت آگے پیش کریں گے۔

۱۔ **الامین** رسالت وحی جیسے امانتدار فرشتے کو خدا نے روح الامین کہا ہے **نزل به الروح الامين ○ على قلبك لتكون من المنذرين ○** اس (قرآن) کو روح الامین نے آپ کے دل پر اتارا ہے تاکہ آپ (لوگوں کو عذاب آخرت سے) خبردار کریں۔ (سورہ شعراء آیت ۱۹۳، ۱۹۴)

۲۔ **القدس** قدس، قدس یعنی پاک ہو۔ روح القدس یعنی پاک روح۔ خدا نے الملک الروح روح القدس کے نام سے یاد کیا ہے جیسا کہ ارشاد قدس الٰہی ہے

ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات عطا کئے اور روح القدس کے ذریعے ان (کے دعوئ نبوت) کی تائید کی۔ (سورہ بقرہ آیت ۸۷، ۲۵۳)

(اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو روح القدس نے تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ مومنوں کو ثبات قدم عطا کرے۔ اور یہ اطاعت گزاروں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۱۰۲)

۸۔ لغت: عرج عروج الشیء عروجاً کسی چیز کا بلند ہونا اور اوپر کی طرف جانا۔

عالم غیب کے متعلق بے سروپا تصورات

اکثر لوگوں کی روش یہ ہے کہ جب وہ عالم غیب کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث رسولؐ سنتے ہیں تو عالم غیب کے حقائق کا عالم مادہ پر قیاس کرتے ہوئے عالم خیال میں تاریک ٹوئیاں مارنے لگتے ہیں اور اپنے خود ساختہ مفروضوں کو علم و معرفت کا نام دیتے ہیں جبکہ اشیاء کو جاننے کے دو ہی طریقے ہیں

۱۔ کسی چیز کا ہم اپنے حواس سے ادراک کریں مگر حواس کا تعلق صرف مادی جہان سے ہے اور غیر مادی چیزوں کا ادراک حواس سے ممکن نہیں ہے۔

۲۔ کچھ چیزوں کا علم ہم روایت اور حکایت سے حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً ہم نے بہت سے شہر اور ممالک نہیں دیکھے لیکن اس کے باوجود ہم ان کے متعلق کچھ نہ کچھ علم رکھتے ہیں اور ہمارے علم کی بنیاد اس روایت اور حکایت پر ہے جو ہم نے لوگوں سے سنی ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ ہماری سنی ہوئی باتیں جتنی محدود ہوں گی اسی نسبت سے ہمارا علم بھی محدود ہوگا لیکن اس علم کے لئے بھی صحت نقل بہت ضروری ہے۔

ستاروں سے آگے جو جہاں ہیں نیز عالم ملکوت، جنات اور یوم آخرت کے واقعات کے متعلق ہماری معلومات کا تعلق بھی علم کی اسی دوسری قسم سے ہے کیونکہ ان غیر مادی حقائق کے متعلق ہمارے علم کا منبع اور ماخذ انبیاء و مرسلین کے ارشادات ہیں۔ صفات الٰہیہ کا علم مذکورہ بالا غیر مادی جہانوں سے کہیں بلند و برتر ہے اور اس کا ذریعہ بھی انبیائے کرام ہیں۔ ہمیں ان کی صداقت پر پورا یقین ہے لیکن ہمیں ان غیر مادی حقائق کا بس اتنا ہی علم ہے جتنا کہ انہوں نے بتایا ہے۔ اس سے زیادہ علم حاصل کرنا ہمارے بس میں نہیں اور یہ ہمارے محسوسات اور تعقلات کی پہنچ سے بہت دور ہے۔

خلاصۂ بحث

فرشتے خدا کی مخلوق ہیں۔ خدا نے انہیں پر دیئے ہیں۔ اسی نے انہیں زندگی بخشی ہے اور وہی ان کو موت سے ہمکنار کرے گا۔ فرشتے اپنی ذمہ داریوں کی ادائگی کے لئے بعض اوقات انسان کی صورت میں بھی

حامل ہوتے ہیں۔ درجات کے لحاظ سے بھی کچھ فرشتے افضل ہیں اور کچھ مفضول۔ مثلاً حضرت جبرئیل کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ وہ خدا کے رسولوں کو وحی پہنچانے اور شب قدر میں تقدیر الٰہی کے جملہ فیصلوں کو زمین پر لانے کے ذمہ دار ہیں۔ کراماً کاتبین بھی فرشتے ہیں۔ حضرت عزرائیل اور ان کے مددگار سب کا تعلق صنف ملائکہ سے ہے۔ فرشتے خدا کے فرمانبردار بندے ہیں اور وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

عالم ملکوت، جنات، روح، روز آخرت اور کائنات کی تخلیق ایسے مسائل ہیں جنہیں ہم اپنے حواس سے محسوس نہیں کر سکتے۔ ہمارے علم کا منبع صرف انبیائے کرام کی تعلیمات ہیں۔ لوگوں کی باتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ لوگ صرف انکلیں دوڑاتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ہے وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَآءِ "اس کی سلطنت پانی پر تھی"۔ یہاں پانی سے مراد وہ پانی نہیں ہے جس کا ہم آج زمین پر مشاہدہ کر رہے ہیں جو آکسیجن اور ہائیڈروجن کے مخصوص تناسب H_2O سے تشکیل پاتا ہے۔ اور ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ "پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا" سے وہ دھواں مراد نہیں ہے جو ہمیں آگ سے بنتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ خدا نے اس پانی کو ہمارے مشاہدے میں آنے والے اس پانی سے تشبیہ دی ہے اور اس دھوئیں کو ہمارے مشاہدے میں آنے والے دھوئیں سے تشبیہ دی ہے۔

آسمان اور زمین

لغت میں لفظ سماء: سما الشیء یسمو سمواً وسماءً یعنی جو چیز اوپر [illegible]
سماء کل شیء [illegible] ہر چیز کا [illegible] حصہ۔ جو چیز بھی آپ کے اوپر سایہ [illegible] سے سماء یعنی آسمان کہا جاتا ہے۔
قرآن میں لفظ سماء: قرآن کریم میں جہاں لفظ سماء [illegible]
[illegible] ارشاد ہے:

۱۔ الم یروا الی الطیر مسخرات فی جو السماء ○ کیا انہوں نے آسمانی فضا میں [illegible] دیکھا۔ (سورۂ نحل آیت ۷۹)

۲۔ وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لکم ○ [illegible] آسمان سے پانی [illegible] اس کے ذریعے سے تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۲)

ایک انسان [illegible] دوربین کے بغیر دیکھ سکتا ہے کہ پرندہ کس طرح [illegible] آسمانی فضا میں [illegible] اور [illegible] آسمانی فضا میں مسخر بادلوں سے بارش کیسے ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی اونچے پہاڑ [illegible] دیکھ سکتا ہے کہ بادل اس سے نیچے تیر رہے ہیں اور اس سے اوپر سورج چمک رہا ہے۔

قرآن مجید جب کہتا ہے کہ پرندے آسمانی فضا میں اڑتے ہیں اور آسمان سے پانی [illegible] یعنی آسمان مراد نہیں ہے بلکہ [illegible] آسمانی فضا مراد ہے [illegible] قرآن مجید میں لفظ [illegible] زمین سے اوپر موجود ستارے اور سات آسمان کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

۱۔ ثم استوی الی السماء فسواهن سبع سماوات ○ اس کے بعد [illegible] آسمان کی طرف متوجہ ہوا [illegible] سات آسمان بنا دیئے (سورۂ بقرہ آیت ۲۹)

۲۔ وما من غائبة فی السماء والارض الا فی کتاب مبین ○ آسمان و زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جس کا [illegible] کتاب مبین میں نہ ہو۔ (سورۂ نمل آیت ۷۵)

۳۔ یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب ○ [illegible] جس دن ہم آسمان کو [illegible] لپیٹ [illegible] طومار کا طومار لپیٹا جاتا ہے۔ (سورۂ انبیاء آیت ۱۰۴)

مذکورہ آیات میں [illegible] جو زمین سے اوپر ہے [illegible] جس کے نیچے [illegible] گیا ہے
یعنی ساتوں آسمان اور ان کے علاوہ جو کچھ زمین سے اوپر ہے وہ سماء ہے۔

قرآن مجید میں اس حقیقت کی تفصیل یہ ہے۔ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء فسوٰھن سبع سموات وھو بکل شیء علیم ○ وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کیں پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۹)

ارض یعنی زمین قرآن مجید میں ۴۵ مرتبہ بطور واحد اور ایک مرتبہ ۱۲ آیت پر بطور معطوف آیا ہے۔ اللہ الذی خلق سبع سموٰت ومن الارض مثلھن۔ خدا وہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور ایسی ہی زمینیں بنائیں۔ (سورۂ طلاق آیت ۱۲)

اس آیت سے جو کچھ ہم سمجھ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہاں تخلیق میں مماثلت کا ذکر ہے عدد میں مماثلت کا نہیں۔ یعنی مفہوم آیت یہ نہیں ہے کہ خدا نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے سات آسمانوں کو بنایا اور آسمانوں کی طرح سے زمین کو بھی بنایا۔ ہاں اگر مماثلت کو عدد سے متعلق مان لیا جائے تو پھر مفہوم آیت یہ ہوگا کہ خدا نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائیں اور اس صورت میں یہ وہ زمینیں ہوں گی جو زمین کا حصہ ہونے سے جس کا ذکر ہم سورۂ نحل کی آیت ۹ میں پڑھ چکے ہیں۔

جن آیات میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے ان کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان آیات کی تفسیر کے لئے اہل بیت کی طرف رجوع کریں جن کے قلب طاہر پر قرآن نازل کیا گیا ہے اور ارشاد ہوتا ہے

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (اے رسول) ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں پر ان احکام کو واضح کریں جو ان کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ (سورۂ نحل آیت ۴۴)

تخلیق کائنات کے متعلق رسول اکرمؐ کی بہت سی احادیث و روایات موجود ہیں جن میں علماء نے ان احادیث کے متن و اسناد پر تحقیق کی بحث کی کتابوں سے تمام کی احادیث و روایات کی طرف رجوع کیا ہے لیکن ہم اس عنوان کی احادیث پر زیادہ توجہ مبذول نہیں کرسکیں گے البتہ ہم تخلیق کائنات کی آیات سے مفہوم اور آل اطہار کی روایات کی روشنی میں چند معروضات پیش کرتے ہیں۔

آغاز تخلیق اور اس کے بعد کے مراحل کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے

۱۔ وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء۔ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ یوم میں پیدا کیا ہے اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (سورۂ ہود آیت ۷)

۲۔ ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامر۔ بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (مرحلوں) میں پیدا کیا پھر وہ عرش (اقتدار) کی طرف متوجہ ہوا وہ تمام امور کی تدبیر کرتا ہے۔ (سورۂ یونس آیت ۳)

۳۔ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا ○ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش (اقتدار) کی طرف متوجہ ہوا وہ رحمن ہے اس کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھو۔ (فرقان آیت ۵۹)

۴۔ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰہُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ○ کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین باہم جڑے ہوئے تھے تو ہم نے انہیں جدا جدا کر دیا اور ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر بھی یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ (انبیاء آیت ۳۰)

۵۔ ہُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰہُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّہُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کیں پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو سات آسمان بنا دیئے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۹)

۶۔ قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَہٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِکَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَجَعَلَ فِیْہَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِہَا وَبٰرَکَ فِیْہَا وَقَدَّرَ فِیْہَآ اَقْوَاتَہَا فِیْٓ اَرْبَعَۃِ اَیَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَہِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَہَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْہًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ○ فَقَضٰہُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَہَا وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ (اے رسولؐ!) کہہ دیجئے کہ کیا تم اس کا انکار کرتے ہو جس نے زمین دو یوم میں پیدا کی اور (بتوں کو) اس کا مثل قرار دیتے ہو حالانکہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے اور اسی نے اس زمین میں مضبوط پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے۔ اور زمین میں برکت رکھی۔ اور چار یوم میں سامان معیشت مقرر کیا جو تمام طلبگاروں کے لئے یکساں ہے۔ اس کے بعد وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو دھواں تھا۔ اسے اور زمین کو حکم دیا کہ خوشی سے یا ناخوشی سے ہماری طرف آؤ۔ دونوں نے کہا ہم خوشی سے آتے ہیں۔ پھر دو یوم میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان کو نظام تقدیر کا پابند بنایا۔ اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ خدائے غالب و علیم کی مقرر کی ہوئی تقدیر ہے۔
(سورۂ حم السجدہ آیت ۹ تا ۱۲)

۷۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَہُنَّ خدا وہی ہے جس نے سات آسمان بنائے اور ویسی ہی زمین بنائی۔ (سورۂ طلاق آیت ۱۲)

۸۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰہَا ○ رَفَعَ سَمْکَہَا فَسَوّٰہَا ○ وَاَغْطَشَ لَیْلَہَا وَاَخْرَجَ ضُحٰہَا ○ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰہَا ○ اَخْرَجَ مِنْہَا مَآءَہَا وَمَرْعٰہَا ○ وَالْجِبَالَ اَرْسٰہَا ○ مَتَاعًا لَّکُمْ

ولانعامکم ○ بھلا تمہارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا بنانا؟ اسی نے آسمان کو بنایا۔ اس کی چھت کو اونچا کیا پھر اسے برابر کر دیا۔ اور اسی نے رات کو اندھیری اور دن کو چمکیلا بنایا۔ اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔ اس میں سے پانی نکالا اور چارہ اگایا۔ اور اس پر پہاڑوں کو گاڑ دیا۔ یہ سب کچھ ہم نے تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے کیا۔ (سورۂ نازعات آیت ۲۷تا۳۳)

۹۔ والسماء وما بناها ○ والارض وما طحاها ○ قسم ہے آسمان کی اور جس نے اسے مستحکم بنایا۔ قسم ہے زمین کی اور جس نے اسے بچھایا۔ (سورہ شمس آیت ۵و۶)

۱۰۔ والارض مددناها والقينا فيها رواسي وانبتنا فيها من كل شيء موزون ○ وجعلنا لكم فيها معايش ومن لستم له برازقين ○ ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے اور اس میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے ہیں اور ہر موزوں چیز کو اس میں سے اگا دیا ہے اور اسی میں تمہارے لئے اسباب معیشت قرار دیئے ہیں اور ان کے لئے بھی جن کے تم رازق نہیں ہو۔ (سورہ حجر آیت ۱۹۔۲۰)

۱۱۔ الذي جعل لكم الارض مهدا وسلك لكم فيها سبلا وانزل من السماء ماء فاخرجنا به ازواجا من نبات شتى ○ كلوا وارعوا انعامكم ان في ذلك لايات لاولي النهى ○ منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى ○ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارا بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے۔ اور اسی نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے انواع و اقسام کے نباتات کے جوڑے اگائے کہ تم بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔ بے شک اس میں عقلمند لوگوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تمہیں نکالیں گے۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۳تا۵۵)

۱۲۔ الذي جعل لكم الارض فراشا والسماء بناء وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لكم فلا تجعلوا لله اندادا وانتم تعلمون ○ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا۔ پھر آسمان سے مینہ برسا کر تمہارے کھانے کے لئے زمین سے پھل اگائے۔ لہٰذا تم سب جان بوجھ کر کسی کو ہمسر نہ بناؤ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۲)

۱۳۔ الم تروا كيف خلق الله سبع سماوات طباقا ○ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے کس طرح تہ بہ تہ سات آسمان بنائے ہیں۔ (سورۂ نوح آیت ۱۵)

والله جعل لكم الارض بساطا ○ لتسلكوا منها سبلا فجاجا ○ اللہ ہی نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا ہے تاکہ تم اس میں مختلف کشادہ راستوں پر چلو۔ (سورۂ نوح آیت ۱۹و۲۰)

۴۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت ○ والی السماء کیف رفعت ○ والی الجبال کیف نصبت ○ والی الارض کیف سطحت ○ "یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے ہیں اور آسمان کی طرف کہ کیسا بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں۔ اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔" (سورہ غاشیہ آیت ۱۷ تا ۲۰)

۵ امن خلق السموات والارض وانزل لکم من السماء ماء فانبتنا به حدائق ذات بهجة ما کان لکم ان تنبتوا شجرها ء اله مع الله بل هم قوم یعدلون ○ امن جعل الارض قرارا وجعل خلالها انهارا وجعل لها رواسی وجعل بین البحرین حاجزا ء اله مع الله بل اکثرهم لا یعلمون ○ "بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور کس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اس سے سرسبز باغ اگائے۔ تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگاتے۔ تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں)، بلکہ یہ لوگ خود اپنی طرف سے دوسروں کو خدا کا ہمسر بناتے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے بیچ نہریں جاری کیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے بیچ اوٹ بنائی۔ (یہ سب کچھ خدا نے بنایا) تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ ان میں اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ (سورہ نمل آیت ۶۰، ۶۱)

۹ وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بهم وجعلنا فیها فجاجا سبلا لعلهم یهتدون ○ وجعلنا السماء سقفا محفوظا وهم عن آیاتها معرضون ○ اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ لوگوں (کے بوجھ) سے ہلنے (اور جھکنے) نہ لگے۔ اور اس میں کشادہ راستے بنائے تاکہ لوگ ان پر چلیں۔ اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔ (سورہ انبیاء آیت ۳۱، ۳۲)

۱۰۔ الم نجعل الارض کفاتا ○ احیاء وامواتا ○ وجعلنا فیها رواسی شامخات ○ کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟ جس میں زندہ و مردہ سب سمٹے رہتے ہیں اور اس میں اونچے اونچے مضبوط پہاڑ گاڑ دیے۔ (سورہ مرسلات آیت ۲۵ تا ۲۷)

۱۹۔ هو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نورا وقدره منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ما خلق الله ذلک الا بالحق یفصل الآیات لقوم یعلمون ○ ان فی اختلاف اللیل والنهار وما خلق الله فی السموات والارض لآیات لقوم یتقون۔ وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور کاموں کا حساب معلوم کرو۔ یہ سب کچھ خدا نے (مبنی عدم) سے پیدا کیا ہے۔ سمجھنے والوں کے لیے وہ اپنی آیتیں تفصیل سے بیان [illegible]

کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں اور جو چیزیں خدا نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہیں ان سب میں اہل تقویٰ کے لئے نشانیاں ہیں۔ (سورۂ یونس، آیت ۶)

لغوی تشریح

یوم: طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک کے وقت کو یوم کہا جاتا ہے۔ کسی واقعے سے مربوط زمانہ اور دور بھی یوم کہلاتا ہے۔ جنگ جاری رہنے کے سارے عرصے کو بھی یوم کہا جاتا ہے مثلاً یومِ خندق، یومِ صفین

۲۔ ثُمَّ: یہ لفظ ما بعد کے ما قبل سے تاخر کو ظاہر کرتا ہے خواہ تاخر از روئے مرتبہ ہو یا زمان و مکان۔

تاخرِ مرتبہ کی مثال: ایک شخص رسولِ کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا مَنْ اَبَرُّ؟ میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا اُمَّکَ تیری ماں۔ اس نے پوچھا ثُمَّ مَنْ؟ پھر کون؟ حضورؐ نے فرمایا اُمَّکَ تیری ماں۔ اس نے پوچھا ثُمَّ مَنْ؟ پھر کون؟ حضورؐ نے فرمایا اَبَاکَ تیرا باپ۔

تاخرِ زمانی کی مثال: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ۝ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو (رسول بنا کر) بھیجا اور دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب (کے سلسلے) کو (جاری) رکھا پھر ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر اور پیغمبر بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰؑ بن مریمؑ کو بھیجا (سورۂ حدید، آیت ۲۶ و ۲۷)

تاخرِ مکانی کی مثال: ذَهَبْتُ مِنْ بَغْدَادَ اِلٰی كَرْبَلَاءَ ثُمَّ النَّجَفَ میں بغداد سے کربلا پھر نجف گیا

۳۔ دُخان: آگ کے شعلوں سے اٹھنے والا دھواں۔ بخارات اور گیسوں کو بھی دخان کہا جاتا ہے۔

۴۔ استویٰ: جب استویٰ کا صلہ علیٰ سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مسلط ہونا مثلاً استویٰ علیہ وہ اس پر مسلط ہوا اور جب اس کا صلہ الیٰ سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں قصد کرنا۔ مثلاً استویٰ الیہ یعنی وہ اس کے پاس پہنچ گیا یا وہ اس تک پہنچ گیا۔

رحمٰن، عرش اور استواء کی بحث کے ضمن میں اس لفظ کی تفصیل پیش کی جائے گی۔

۵۔ الرَّتْق: متصل ہونا، جڑا ہوا ہونا۔

۶۔ جَعَلَ: بنانا یا پیدا کرنا مثلاً

اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء پیدا کئے (مائدہ، آیت ۲۰) وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ اس نے تمہارے لئے کپڑے پیدا کئے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں (سورۂ نحل، آیت ۸۱) جعل، صَیَّرَ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا

بے شک الذی جعل لکم الارض فراشاً جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا۔ (بقرہ آیت ۲۲)
جعل کے معنی مقرر کرنا بھی ہے مثلاً لکلٍ جعلنا منکم شرعۃً ومنھاجاً ہم نے تم میں سے ہر
جماعت کے لیے شریعت اور طریقہ مقرر کیا (مائدہ ۴۸) جعل ہدایت تسخیری کے معنی میں بھی استعمال
ہوتا ہے مثلاً وجعلنا الانھار تجری من تحتھم ہم نے دریاؤں کو ایسا بنایا ہے کہ وہ ان کے
(حکم کے) تحت بہتے ہیں (انعام آیت ۶)

۷۔ الرواسی راسی کی جمع مضبوط پہاڑ۔ ارساھا اس نے قائم کیا اور اس کی جگہ پر سے مضبوط کیا۔
۸۔ فقضاھن: یہاں تکمیل تخلیق مراد ہے۔
۹۔ واوحی فی کل سماءٍ امرھا ملائکہ کو یہ امور سکھائے اور ہر آسمان کی مخلوق کو نظام قدرت کا پابند بنایا۔
۱۰۔ بناھا بنی البیت اس نے گھر بنایا۔ آیت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسے خوب مستحکم کیا۔
۱۱۔ السمک چھت۔ نیچے سے اوپر تک کا فاصلہ۔ اور اوپر سے نیچے کے فاصلے کو عمق کہا جاتا ہے
۱۲۔ سوّی سوّاہ جس مقصد کے لئے کسی چیز کو بنایا اس میں اس کی استعداد پیدا کی۔
۱۳۔ اغطش اندھیرا اور تاریک بنایا۔
۱۴۔ الضحیٰ دن چڑھے کا وقت۔ جب سورج کی روشنی پھیل جائے (چاشت) اخرج ضحاھا یعنی اس نے دن کو روشن کیا۔
۱۵۔ دحاہ دحا الشیء اس نے ایک چیز کو موقع سے دور کیا، بچھایا، پھیلایا۔ والارض دحاھا یعنی زمین کو اس طرز سے بچھایا کہ اس پر رہائش ممکن ہو سکے۔
۱۶۔ مددناھا مدّ۔ اس نے طول و اتصال میں پھیلایا آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم نے زمین کو پھیلایا اور اسے گہوارے کی طرح رہنے کے قابل بنایا۔
۱۷۔ موزون وزن۔ کسی چیز کو اس طرح تولنا کہ اس کے مقابلے میں ثقل چیز برابر دکھائی دے۔ وزن ثقل تک ہی محدود نہیں ہوتا بلکہ طول، عرض، حرارت، ٹھنڈک اور بارش وغیرہ کے بھی اوزان ہوتے ہیں۔
وزن الشیءَ۔ ایک چیز کو اس کے برابر کی چیز سے تولا۔ جو چیز برابر تل جائے وہ موزوں ہوتی ہے۔ مثلاً خدا فرماتا ہے وانبتنا فیھا من کل شیءٍ موزون ہم نے زمین سے مختلف چیزوں کو ان کی ضرورت، مقصد اور ماحول کی مناسبت سے اتنا ہی موزوں پیدا کیا جتنا کہ حکمت کا تقاضا تھا۔

تفسیر آیات

مذکورہ آیات کے ظاہری الفاظ کا مفہوم کچھ یوں ہے
"آسمانوں اور زمین کی خلقت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی پیدا کیا جس کی حقیقت کو وہ خود ہی جانتا

ہے۔ ان کا عرش خداوند پانی پر تھا یعنی کارکنان قضا و قدر فرشتے بھی اسی پانی پر رہتے تھے اور جب خداوند عالم نے اپنی مشیت سے دوسری چیز بنانے کا ارادہ کیا تو اس نے اس پانی سے زمین کو بنایا اور زمین آسمان سے پہلے تھی۔ پھر زمین کے بخارات اور تپش سے اس نے آسمانوں کو پیدا کیا۔ زمین کے بخارات اور دھواں زمین سے اوپر معلوم ہوا اور یوں اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین سے جدا کیا۔ واللہ اعلم۔ اس سے پہلے زمین اور آسمان باہم جڑے ہوئے تھے پھر دھوئیں اور زمین کے بخارات نے آسمان کی شکل اختیار کی۔ پھر ایک آسمان سے اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کیے۔

امیر المومنین فرماتے ہیں: من ماء البحر الزاخر ... يبساً جامداً، ثم فطر منه أطباقاً ففتقها سبع سماوات بعد ارتتاقها یعنی اس نے ایک تھاہ سمندر کے پانی سے جس کی سطحیں تہہ بہ تہہ موجیں تھپیڑے مارتی تھیں ایک خشک اور ساکن زمین کو پیدا کیا۔ پھر اس نے پانی (کے بخارات) کی تہوں پر تہیں چڑھا دیں جو آپس میں جڑی ہوئی تھیں الگ الگ کر کے سات آسمان بنائے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا حسب ذیل چھ مراحل میں بنائی ہے۔ الحمد للہ ولہ الشکر

(۱) زمین

(۲) آسمان

(۳) کواکب، بروج، شہاب

(۴) حیوان، چرند، پرند

(۵) جن، شیاطین

(۶) انسان

(۱) زمین

خداوند عالم نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں اور چار دن میں آسمانی فضا میں سورج کو پیدا کیا اور سطح زمین پر پانی جاری کیا۔ پھر اس نے تمام پودوں کی غذا مقرر کی۔ مقصد یہ ہے کہ اس نے ہر جاندار کی فطرت میں یہ بات رکھ دی کہ وہ پانی سے جنم لے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا یعنی اس نے زمین کے بعد آسمان بنایا۔ آسمان دھوئیں اور بخارات کی شکل میں تھا۔ وہ بخارات سطح زمین سے بلند ہوئے یا یہ کہ آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے شعلے بلند ہوئے اور خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمان کو زمین سے جدا کر دیا جبکہ اس سے قبل وہ دونوں آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ خدا نے آسمان کو

(۱) شرح نہج البلاغہ، خطبہ ۹۰۔ سیوطی، درمنثور، ج ۱، ص ۳۳۳۔ علامہ مجلسی بحار الانوار، ج ۱۰۳، ص ۵۸۔

زمین سے اوپر بلند کیا (اور اسے ہموار کیا)۔ پھر اس نے آسمان اور زمین سے پوچھا کہ تم خوشی سے [illegible] آئے خواہ ناخوشی سے۔ دونوں نے جواب دیا۔ ہم خوشی سے آتے ہیں۔" پھر اس نے آسمان میں ستارے [illegible] جس کی [illegible] محسوس ہوتی ہے۔ پھر اس نے زمین و آسمان کی قدرت سے [illegible] پھر [illegible] دریا [illegible] چوپائے اور جانور پیدا کئے۔ پھر جس آسمان کو دھوئیں سے پیدا کیا تھا اس سے [illegible] میں سات آسمان بنائے اور ہر ایک آسمان میں اس کی گردش کا نظام جاری کیا تاکہ اس کی بقا کا سلسلہ [illegible] رہے اور آسمان [illegible] ستاروں کی مخلوقات قندیلوں سے زینت بخشی۔ پھر ایسے ستارے بنائے جو شیاطین سے رجم کا ذریعہ ہیں اور شہاب ثاقب شیاطین کو آسمانوں میں ہونے والی گفتگو سننے سے روکتے ہیں۔

خدا نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا۔ چاند کی منزلیں طے کر دیں۔ چاند رات [illegible] سے [illegible] اور پھر آہستہ آہستہ [illegible] سے چھٹا ہوتا ہے اور یوں اس کی حرکات سے تاریخ اور مہینے تشکیل پاتے ہیں اور مہینے سے سال بنتے ہیں۔ چاند کے گھٹنے بڑھنے سے انسان سالوں کا حساب لگا سکتا ہے۔

خدا نے زمین میں موجود قسم قسم کی سبزیاں اور بوٹیاں اگائیں اور زمین کو انسان کے لئے [illegible] کر دیا تاکہ انسان زندہ اور مردہ دونوں حالت میں زمین سے استفادہ کرتا ہے اور مرنے کے بعد اسی زمین سے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

ان آیات سے ہم یہ مستنبط کر سکتے ہیں کہ زمین، آسمان سے پہلے بنی ہے اور [illegible] آسمان سے کہیں زیادہ ہے علاوہ ازیں خدا نے آسمان اور زمین کی تمام چیزیں انسان کے فائدے کے لئے پیدا کی ہیں [illegible] میں خدا نے تمہارے [illegible] قرآن مجید فرماتا ہے:

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔ (سورۂ لقمان آیت ۲۰)

وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو خدا نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔ (سورۂ جاثیہ آیت ۱۳)

ان آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ انسانی ضرورت کی چیزیں مثلاً پانی، گوشت، نباتات وغیرہ [illegible] اس سے پہلے پیدا کی گئی ہیں۔

علاوہ ازیں جنوں اور فرشتوں کو بھی انسان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے:

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون والجان خلقناہ من قبل من نار السموم واذ قال ربک للملائکۃ انی خالق بشرا من صلصال ہم نے انسان کو کھنکھناتی سیاہی مائل مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اور جنات کو اس سے بھی پہلے اس آگ سے بنایا ہے جو سیاہی سے مخلوط تھی۔ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھناتی سیاہی مائل مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں (سورۂ حجر آیت ۲۶ تا ۲۸)

(۴) کواکب

جدید علم سے بہت سے ستاروں اور شہابیوں سے متعلق [illegible] ہیں

۱۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۝ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ۝ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ۝ [illegible] شیطان [illegible] چھپ [illegible] شعلہ [illegible] پیچھے لپکتا ہے۔ (سورہ حجر آیت ۱۶ تا ۱۸)

۲۔ إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ بے شک ہم نے [illegible] شیطان [illegible] (اگر وہ ایسی کوشش کریں گے تو) [illegible] نکال دینے [illegible] پیچھے لپکتا ہے۔ (سورہ صافات آیت ۶ تا ۱۰)

۳۔ تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ۝ [illegible] (سورہ فرقان آیت ۶۱)

۴۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم [illegible] تعداد اور [illegible] حساب دریافت کرو (سورہ یونس آیت ۵)

۵۔ وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ اور اسی نے [illegible] چاند [illegible] اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے (سورہ نوح آیت ۱۶)

۶۔ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ بے شک خدا کے ہاں مہینوں کی تعداد [illegible] آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا [illegible] چار مہینے [illegible] اپنے [illegible] ظلم نہ کرو [illegible] اور جان رکھو کہ خدا صاحبانِ تقویٰ کے ساتھ ہے (سورہ توبہ آیت ۳۶)

۷۔ وعلامات ط و بالنجم هم یهتدون ○ اور (راستوں میں) علامات بنا دیں اور لوگ ستاروں سے بھی رستے معلوم کرتے ہیں۔ (سورۂ نحل، آیت ۱۶)

۸۔ وهو الذی جعل لکم النجوم لتهتدوا بها فی ظلمات البر والبحر اسی نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم خشکی اور تری کے اندھیروں میں ان سے راستا معلوم کرسکو۔ (سورۂ انعام، آیت ۹۸)

لغوی تشریح

۱۔ بُرُوج برج کی جمع ہے۔ زمین پر محل اور قلعہ کو برج کہا جاتا ہے (مختار برج العرب ...) اور آسمان میں ان ستاروں کے جھرمٹ کو برج کہا جاتا ہے جن سے چاند، سورج، ستارے اور ... گزرتے ہیں۔ ان میں ستاروں کا وہ جھرمٹ بھی شامل ہے کہ اگر ہم کاغذ پر اس کی کارگاہی تصویر بنائیں تو وہ عقرب کی شکل میں دکھائی دیتی ہے اور یہی چاند کی منزلیں ہیں۔

نجومیوں کی اصطلاح میں چاند کے بارہ برج ہیں۔ انشاء اللہ ہم بحث کے آخر میں قرآن سے اس حساب کے متعلق روشنی ڈالیں گے جو لوگوں کو اپنی آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں

۲۔ رجیم بمعنی مرجوم ہے۔ یعنی جسے پتھروں سے یا عالم بالا سے دور کر دیا گیا ہو۔ ملعون

۳۔ شہابٌ فضا میں دہکتا ہوا شعلہ۔ اس کی جمع شہب ہے۔

۴۔ مارِدٌ جن و انس کے سرکش شیطان کو مارد اور مرید کہا جاتا ہے۔ وہ سرکش جو بھلائیوں سے دور ہو اور گناہوں میں حد سے بڑھنے والا ہو۔

۵۔ دُحُورًا دحرہ دحرا و دحورا۔ اس نے دور کیا، دھتکار دیا اور نکال دیا۔

۶۔ النُّجُومُ وہ اجرام فلکی جو روشن ہوں۔ خدا کا فرمان ہے جعل الشمس ضیاء اس نے سورج کو روشن بنایا۔ وجعل الشمس سراجا اس نے سورج کو (روشن) چراغ بنایا۔

۷۔ واصبٌ مسلسل جاری رہنے والا سدائی۔

۸۔ خطف خطف الشیء خطفا تیزی سے کسی چیز کا اچک لینا۔ خطفة بروزن ضربة کم دی سے معنی میں ہے یعنی کسی شیطان کی طرف سے ایک مرتبہ فرشتوں کی گفتگو کا اچک لینا۔

۹۔ الثَّاقِبُ ثقب الشیءَ ثقبا کسی چیز میں سوراخ کرنا۔ الثاقب سوراخ کرنے والا۔ شہاب کو ثاقب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تاریکیوں کو چیرتے ہوئے گزرتا ہے۔

تفسیر آیات

کائنات اور کواکب کی بحث میں بیان کی گئی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کواکب، نجوم اور دیگر روشن اجرام فلکی آسمان دنیا سے نیچے واقع ہیں۔ اس کے بعد دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا علی ہذا القیاس۔ ساتوں آسمان ایک دوسرے کے اوپر واقع ہیں۔ [illegible] کی بلندی مکانی ہے جبکہ عرش کی بلندی معنوی ہے۔
البتہ ہمارے بیان کردہ مفہوم پر دو سوالات کیے جا سکتے ہیں

(۱) خدا نے ستاروں کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وجعل لکم النجوم لتهتدوا [illegible] ستارے اس لئے بنائے ہیں تاکہ تمہیں راستہ مل سکے۔ ستاروں کے اس فائدے سے تمام لوگ واقف ہیں۔ آخر خدا نے ستاروں کے ان آثار اور اوصاف کے متعلق لوگوں کو کیوں کچھ نہیں بتایا جن کا ہیئت دانوں نے بعد میں انکشاف کیا ہے؟

(۲) خدا نے سورۂ صافات میں فرمایا ہے کہ انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے سجایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کواکب و نجوم آسمان دنیا کے نیچے ہیں جبکہ قدیم ہیئت دان سمجھتے تھے کہ کچھ ستارے آسمان دنیا کے اوپر واقع ہیں۔ معاصر ہیئت دان اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب نمبرا

خدا نے حضرت خاتم الانبیاءؐ کو اس لئے مبعوث فرمایا تھا کہ آپ لوگوں کو خدائی احکام بتائیں

قل یا ایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہوں۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۵۸)

واوحی الیّ هذا القرآن لانذرکم به ومن بلغ اور یہ قرآن میری طرف اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جہاں تک یہ پیغام پہنچے سب کو خبردار کروں۔ (سورۂ انعام آیت ۱۹)

حضرت خاتم الانبیاءؐ کے مخاطب تمام بنی نوع انسان تھے اسی لئے آپ یا ایها الناس کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے اور یہ بات واضح ہے کہ آنحضرتؐ صرف علم الافلاک کے معلم نہیں تھے اور آپ کے مخاطبین علم الافلاک کے طالب علم نہیں تھے۔ آپ کو تبلیغ کے لئے ایسی گفتگو کی ضرورت تھی جسے تمام لوگ سن اور سمجھ سکیں۔

اسی لئے خدا نے توحید الوہیت کے دلائل [illegible] سادہ زبان میں اور آسان مثالوں سے بیان کئے ہیں۔ مثلاً

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت ۝ والی السماء کیف رفعت ۝ والی الجبال کیف نصبت ۝ والی الارض کیف سطحت ۝ فذکر انما انت مذکر ۝ لست علیهم بمصیطر ۝ کیا یہ لوگ

اونٹوں کو نہیں دیکھتے ہیں کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے ہیں اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں۔ اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔ تو نصیحت کرتے رہو کہ تم نصیحت کرنے والے ہو۔ تم ان پر نگران نہیں ہو۔ (سورۃ غاشیہ آیت ۱۷ تا ۲۲)

اسی طرح توحید کے دلائل دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ○ أَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ○ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ○ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ○ بھلا دیکھو تو کہ جو پانی تم پیتے ہو؟ کیا تم نے اسے بادلوں سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھاری بنا دیں۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اپنے عظیم رب کے نام کی پاکیزگی بیان کرو۔ (سورۃ واقعہ آیت ۶۸ تا ۷۰، ۷۴)

اب کچھ دیر کے لیے فرض کیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ہزاروں لاکھوں کہکشاؤں کی گزرگاہوں کا تذکرہ کرتا یا انسانی جسم میں خلیے کا ذکر کرتا اور اس کے لاکھوں خلیوں کے بارے میں بتاتا۔ انسانی خون کے بارے میں بتاتا کہ اس میں سرخ اور سفید ذرات ہیں یا انسانی دماغ کے متعلق بتاتا کہ اس میں لاکھوں خلیے ہیں تو آخر ان باتوں کا نتیجہ کیا نکلتا۔ جبکہ میرے کچھ دوستوں کا کہنا ہے کہ اللہ نے ایسا نہ کر کے کتاب الٰہی میں نقص پیدا کیا ہے۔ (معاذ اللہ) حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اگر خدا خوردبین اور دوربین اور جدید لیبارٹری آلات کی دریافت سے پہلے یہ چیزیں بیان فرما دیتا تو انہیں اس وقت کون سمجھ سکتا تھا؟

اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی مدنظر رکھیں کہ لوگ اپنے نبی کو دیوانہ تک کہا کرتے تھے۔ اگر ایسے میں انبیائے کرام اپنی قوم سے بالفرض کچھ اس طرح کہتے

اے لوگو! آپ اور ہم جس زمین پر رہ رہے ہیں ہماری یہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے اور زمین سے سورج کا فاصلہ ۹۳ ملین میل ہے اور زمین جس گزرگاہ میں واقع ہے اسی گزرگاہ میں تمام ستارے بھی موجود ہیں اور ان ستاروں کے علاوہ اس گزرگاہ میں لاکھوں اور کروڑوں سیارے بھی واقع ہیں ـــ تو خود اندازہ کیجئے کہ اپنے انبیاء کی باتوں کو وہ کہاں درست مان لیتے جبکہ ان کی ذہنی پستی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ وہ توحید کے سیدھے سے منطقی مسئلے کو بھی ماننے پر تیار نہیں تھے اور اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بے جان بتوں کو معبود ماننے پر اصرار کرتے تھے۔ انبیائے کرام نے انہیں سیدھی سی یہ بات کہی تو وہ انہیں مجنون، دیوانہ اور پاگل تک کہنے سے نہیں چوکتے تھے۔ ان کی ذہنی پستی کی انتہا یہ تھی کہ وہ سیدھا راستہ دکھانے والوں کو پاگل کہتے تھے جیسا کہ خدا نے کلام مجید میں بتایا ہے

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ ○ ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی ان کی تکذیب کی تھی تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ پاگل ہے۔ (سورۃ قمر آیت ۹)

تمام امتوں نے سچے انبیاء کے متعلق جو تصور قائم کیا اس کی ترجمانی کرتے ہوئے خدا فرماتا ہے کذٰلک ما اتی الذین من قبلھم من رسول الا قالوا ساحر او مجنون ۝ اسی طرح ان سے پہلے کسی قوم کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر یہ کہ ان لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ (سورۂ ذاریات آیت ۵۲)

حضرت خاتم الانبیاءؐ کو بھی تو لوگوں نے کہا تھا کہ آپ دیوانے ہیں۔ (سورۂ قلم آیت ۵۱)

جو لوگ توحید جیسا مسئلہ سن کر نبیوں کو دیوانہ کہتے تھے اگر ان کے سامنے یہ علمی مسائل بیان کیے جاتے تو ان کا ردعمل کیا ہوتا؟ اور کیا اس حالت میں کسی کے ایمان لانے کی توقع کی جا سکتی تھی؟

انبیائے کرام کی تبلیغ کا دور ہر لحاظ سے جہالت کا دور تھا۔ اس دور میں جو علمی سائنسی انکشافات نہیں ہوئے تھے اور سائنسی آلات نہیں بنے تھے اور باریک بین قسم کے ٹیلیسکوپ یا موجود نہیں تھے۔ اسی لئے انبیائے کرام نے ان مباحث کو پیش کرنا مناسب ہی نہیں سمجھا۔

ویسے بھی اصولی طور پر خدا نے قرآن مجید کو کتاب ہدایت بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کیوں اور کیسے کرنی چاہیے اور اس کے اوامر و نواہی کی اطاعت کا انداز کیا ہونا چاہیے۔ جبکہ اس کائنات کی اشیاء سے استفادہ کا صحیح طریقہ کیا ہے اور معاشرے میں لوگوں کا ایک دوسرے سے برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔ قرآن مجید اس لئے نازل نہیں ہوا کہ لوگوں کو ہوا، پانی اور زمین کے کیمیائی خواص بتائے۔ یہ کام خدا نے انسان پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ غور کرے اور اس کارگاہ ہست و بود کے سربستہ راز فاش کرے۔

خدا نے انسانوں کو عقل کی دولت عطا فرما دی ہے اس کے بعد یہ اس کی ذمہ داری نہیں کہ وہ اپنی کتاب میں بیان کرے کہ ایٹم کو توڑنے کا کیا طریقہ ہے۔ یہ ہرگز اس کی ذمے داری نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو بجلی بنانے کا فارمولا بتائے۔ ہاں! اس نے انسان کو یہ ضرور بتایا ہے کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر انسانیت کی خدمت کرے اور عقل و ہنر کو استعمال کر کے خلق خدا کی بربادی کا سامان نہ کرے۔

البتہ قرآن مجید میں مخلوق کی مختلف انواع و اقسام کے تذکرے کا پایا جانا اور کچھ سائنسی حقائق کی طرف اشارہ کرنا خلاف مصلحت نہیں تھا۔ اسی لئے قرآن مجید میں کچھ ایسی آیات موجود ہیں جن میں بعض ایسے حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کہ عصر نزول میں معلوم نہیں تھے۔ خدا نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ آنے والے زمانوں میں یہ آیات قرآن کی ابدی صداقت کی مؤید بن سکیں۔ اسی لئے امیر المومنین امام علیؑ نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں ولا تفنی عجائبہ قرآن کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کا یہ اعجاز ہی تو ہے کہ قرآن نے ایک بھی ایسی چیز بیان نہیں کی جس کی صدیوں بعد سائنس نے تردید کی ہو۔

جواب نمبر ۲

ماضی میں کچھ علماء سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے قرآنی حقائق کو بطلیموسی نظریات سے مطابقت دینے کی کوشش کی چونکہ اس دور کے علماء یہ سمجھتے تھے کہ بطلیموس[1] کے نظریات ثابت شدہ علمی حقائق ہیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآنی آیات کی تاویل[2] کر کے خواہ مخواہ انہیں بطلیموسی نظریے کا مؤید قرار دیا۔ قرآن میں سات آسمانوں کا جو ذکر آیا ہے ہمارے علماء نے اس کی تاویل کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس سے مراد سات [illegible]

---

1. [illegible] مشہور ہیئت دان اور جغرافیہ دان Claudius Ptolemaeus Ptolemy (۹۰ء ۔ ۱۶۸ء) [illegible] اپنی کتاب The Almagest (المجسطی) میں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ زمین کائنات کا مرکز ہے [illegible] ثابت [illegible] جس میں [illegible] ہے۔ کئی صدیوں بعد پولینڈ کے نکولس کوپرنیکس (۱۴۷۳ء ۔ ۱۵۴۳ء) نے [illegible] نظریہ [illegible] ثابت [illegible] کہ سورج کائنات کا مرکز ہے اور تمام سیارے بشمول زمین سورج کے گرد گھومتے ہیں [illegible] اس خوف سے کہ یہ انکشاف [illegible] کے ماننے والوں کے عقائد میں کھلبلی پیدا کر دے گا [illegible] اس نے نظریے کی [illegible] چاہے [illegible] کتاب De revolutionibus orbium coelestium اس کی موت کے کچھ عرصے بعد شائع ہوئی۔ اس کے بعد گلیلیو Galileo (۱۵۶۴ء ۔ ۱۶۴۲ء) نے جب ۱۶۳۲ء میں اپنی کتاب Dialogue on the Two Chief Systems of the World شائع کی تو اس پر مقدمہ [illegible] [illegible] تحقیق [illegible] مقدمہ چلایا گیا اور [illegible] [illegible]

اسلام کے ابتدائی دور میں بعض اہل سنت کا یہ عام عقیدہ تھا کہ کافی [illegible] قرآنی [illegible] [illegible] کے [illegible] تاویل کہا جاتا تھا کہ اسلام میں تاویل [illegible] معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔

کئی علماء کی کتابوں اور مختلف مذاہب کے ماننے والے ان مباحثوں سے جو تقریباً موجود ہیں پتا چلتا ہے [illegible] مخصوص نظریہ [illegible] کی کتب کے علماء کے اجماع [illegible] ذریعے سے قائم ہوا اور کسی قرآنی آیت سے ظاہراً [illegible] "تاویل" کر کے اس کے معنی ظاہری معنی کے برعکس بیان کئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات [illegible] [illegible] متضاد [illegible] اپنی [illegible] میں قرآن مجید سے استدلال کرتی ہیں [illegible] [illegible] کی اصل آیت کی تاویل کرتا ہے۔

یہ طریقہ کسی حد تک شیعوں میں بھی در آیا ہے اور بعض شیعی کتابوں میں اس کی جھلک نظر آتی ہے۔

تاہم اگر قرآنی آیات اور احادیث کی روایات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن [illegible] اور اسلوب بیان فصیح ہے۔ وہ ہر مضمون کی مناسبت سے وہاں استعمال کرتا ہے اور وہیں کو [illegible] [illegible] معنی میں قرآن کی تاویل کہا جاتا ہے اس کا تعلق لفظی اشارات سے نہیں بلکہ ان حقائق و معارف سے ہے جو [illegible] اس کے [illegible] وہ حقائق و معارف ہیں جن سے اصول دین اور قرآن کے عملی احکام کے سوتے پھوٹتے ہیں۔

پورے قرآن کی تاویل اور باطنی معنی کا حامل ہے جس کو درست سمجھنے سے انسانی [illegible] [illegible] بیان کی کوشش [illegible] ان معنی کو سمجھتے ہیں [illegible] قرآن کی تاویل [illegible]

جیسا بطلیموس نے بیان کیا تھا: "آسمان اور زمین ایک دوسرے کے اوپر واقع ہیں جیسے کہ پیاز کی تہیں Layers ایک دوسرے کے اوپر ہوتی ہیں اور ان سب کا مرکز زمین ہے" جس کا 3/4 پانی سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس کے اوپر ہوا کا کرہ ہے اس کے اوپر آگ کا کرہ ہے اور مٹی، پانی، آگ اور ہوا عناصر اربعہ ہیں۔ ان کے اوپر فلک قمر ہے، اس سے اوپر فلک عطارد ہے، اس کے اوپر فلک زہرہ ہے اس کے اوپر فلک شمس ہے، اس سے اوپر فلک مریخ ہے اس سے اوپر فلک مشتری ہے اس سے اوپر فلک زحل ہے اور ان ساتوں کو سات آسمان بھی کہا جاتا ہے۔ آٹھواں فلک، فلک البروج ثابت کواکب کا فلک ہے۔ نواں فلک، فلک اطلس ہے جس میں کوئی ستارہ نہیں ہے۔ سات آسمان وہی سات افلاک ہیں جن میں سیارے موجود ہیں۔ فلک البروج کو کرسی اور فلک اطلس کو عرش کہا جاتا ہے۔"[1]

اسی لئے بعض علماء قدیم نے قرآن و حدیث کے مضامین کو فلسفی اور فلکی نظریات کے تحت سمجھنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت زیادہ تاویل سے کام لیا۔ چونکہ بطلیموسی نظریہ "ظواہر قرآن" کے مطابق نہیں اس لئے ان علماء کو تاویل آیت میں بھی بہت سر کھپانا پڑا جیسا کہ علامہ مجلسی نے بحار میں لکھا ہے۔

علامہ مجلسی فرماتے ہیں: "جان لیجئے کہ یہاں کئی مشہور اشکالات ہیں۔ ہیئت دان اس بات پر متفق ہیں کہ فلک اول میں قمر کے سوا کوئی جرم موجود نہیں ہے۔ باقی تمام سیارے اپنے اپنے فلک میں واقع ہیں اور ثابت ستارے (Fixed Stars) آٹھویں فلک میں ہیں جبکہ آیت کریمہ بتاتی ہے کہ سب کے سب ستارے آسمان دنیا میں واقع ہیں۔ اس کے کئی جوابات دیئے گئے ہیں۔"[2]

علامہ مجلسی نے وہ جوابات نقل کئے ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر ان بے فائدہ جوابات کو چھوڑتے ہیں اور صرف اپنے وقت کے عظیم فلسفی میر باقر داماد کا جواب یہاں نقل کرتے ہیں۔

جناب میر داماد کی تاویل علیل: میر داماد (رح) من لا یحضرہ الفقیہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

"عرش فلک اعظم ہے اور ائمہ معصومین نے عرش کو عرش کہنے کی وجہ یہ ہے کہ فلک میں حرکت کی وجہ

۱۔ اس سے ان تشبیہات کی وجہ سمجھی جا سکتی ہے کہ جو ہم سوال و الفاظ بیان کرتے ہیں۔ بولنے پر مجبور کرتی ہے وہ اس کی معاشرتی اور ضروریات سے ... محدود نہیں ہے۔ پس معاشرتی زندگی میں انسان اپنے خیالات، ارادے اور احساسات اپنے ہم جنسوں تک پہنچانے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے وہ بولنے اور سننے کی قوت میں استعمال کرتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنی آنکھ سے اشاروں سے بھی کام لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نابینا اور بہرا ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ پاتے کیونکہ جو بات نابینا زبان سے کہتا ہے وہ بہرا نہیں سن پاتا اور جو کچھ بہرا اشاروں سے کہتا ہے وہ نابینا دیکھ نہیں پاتا۔ چونکہ دینی حقائق کی وضاحت مشکل تھی اس لئے ان معارف کو سمجھانے کے لئے قرآن مجید کی آیات میں ایک طرح سے مختلف مثالوں اور تعبیروں Symbols سے کام لیا گیا ہیں۔

(ملخص شیعہ در اسلام از علامہ طباطبائی اردو ترجمہ بنام اسلام میں شیعہ ص ۱۲۸-۱۲۹، مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان)

۲۔ بحار الانوار، ج ۵۸، ص ۵

سے ایک محور اور دو قطب (شمالی اور جنوبی) متعین ہوتے ہیں اور ہر عظیم دائرہ کرے کو دو حصوں ایک روشن اور دوسرا تاریک میں تقسیم کرتا ہے اور فلک اپنے مرکز میں حرکت اور قطبین کے درمیان گزرنے والے دائرے کی وجہ سے مربع شکل بنا لیتا ہے۔ "عرش" اور "کرسی" دونوں اس معنے کے متقارب اور بعض کے مرادف ہیں اور چاروں کناروں سے درمیان گزرنے والے دائرہ (Sphere) کی وجہ سے مربع بن جاتا ہے جو بلند فلک کی سطح پر افقی دائرہ بن جاتا ہے اور مشرق و مغرب کے درمیان اس چکر کی وجہ سے مربع شکل اختیار کر لیتا ہے جو ان چاروں کونوں کے درمیان وقوع پذیر ہوتا ہے اور اسی سے چار سمتیں مشرق، مغرب، شمال اور جنوب متعین ہوتی ہیں۔ ہیئت دانوں نے فلک کو اس انسان سے تشبیہ دی ہے جو چت لیٹا ہوا ہو اور جس کا سر شمال اور پاؤں جنوب کی جانب ہوں۔ دایاں حصہ مغرب اور بایاں حصہ مشرق کی جانب ہو۔ مربع اور مسدس ایک دائرے کی پہلی شکلیں ہیں جو سطح پر ظاہر ہوتی ہیں کیونکہ مربع کی شکل برابر کے دو متوازن خطوں سے حاصل ہوتی ہے اور مسدس کی شکل نصف قطر سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ دائرے کا چھٹا حصہ نصف قطر کے مساوی ہے اور مربع دائرہ مکمل قوس کے برابر ہے جو چوتھے حصے سے کم ہو تو اس کو چار تک مکمل کرنے والا اس کا تمام کہلاتا ہے۔ علاوہ ازیں فلک اقصیٰ مادہ اور صورت رکھتا ہے اور عقل جو عقل اول ہے سے عقل کل بھی کہا جاتا ہے اور نفس جو کہ پہلا نفس ہے اور جسے نفس کل کہا جاتا ہے وہ مربع ہے اور وہ نظام وجود میں سب سے پہلا مربع ہے۔ کچھ اور وجوہات بھی ہیں جن کی تشریح کا یہ مقام نہیں ہے۔

البتہ یہ نظریات شریعت کے قوانین اور اہل شریعت کی اصطلاحات سے مطابقت نہیں رکھتے[1]

یہاں تک علامہ مجلسی نے جو quote کیا تھا وہ ختم ہوا۔

ستم ظریفی یہ ہوئی کہ بعض علماء نے اسرائیلی روایت سے اور بعض علماء نے ائمہ سے منسوب جھوٹی روایت سے قرآنی آیت کی تفسیر کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اس بات سے کوئی غرض نہ کی کہ حدیث صحیح ہے یا غلط۔ اس روش کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اور حدیث کے طالب علموں کے لئے قرآن مجید، اسلامی اصطلاحات اور عربی الفاظ کو سمجھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگیا۔ اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب القرآن فی عصر الرسول (ص) وما بعدہ میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

خلاصۂ بحث

لغت میں ہر اس چیز کو سماء کہا جاتا ہے جو کسی چیز پر سایہ فگن ہو اور سماء کل شیء کا مطلب ہے ہر چیز کا اوپری حصہ۔ لفظ سماء بصورت واحد قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے جس سے زمین کے گرد فضا مراد ہے جیسے

---

[1] بحارالانوار ج ۵۸، ص ۵ اور ۶۔

کہ ان دو آیات سے مستفاد ہوتا ہے

الطّیر مسخرٰت فی جوّ السّماء پرندے آسمانی فضا میں مسخر ہیں۔

وانزل من السّماء ماءً اور اس نے آسمان سے پانی برسایا۔

مذکورہ دونوں آیات میں سماء آسمانی فضا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ علاوہ ازیں سماء سے سات آسمان بھی مراد لئے گئے ہیں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے

ثمّ استوٰی الی السّماء فسوّٰھنّ سبع سمٰوٰت اس کے بعد وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور سات آسمان بنائے۔ سماء کی جمع سماوات بھی کئی جگہ قرآن مجید میں آیا ہے جس سے سات آسمان مراد ہیں۔

خالق دو عالم نے خبر دی ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے اس نے پانی کو خلق کیا۔ آیات قرآنی سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس نے اسی پانی سے زمین☆ اور اسی پانی کے بخارات سے آسمانوں کو بنایا پھر اس نے زمین و آسمان کی وہ تمام چیزیں چھ مراحل میں مکمل کیں جن کی انسان کو اس کی زندگی میں ضرورت ہو سکتی تھی۔ اور اس نے تمام ستاروں کو ان کے ضیائی اجسام کے ساتھ آسمان دنیا کے نیچے بنایا۔

خدا نے تخلیق کائنات کے بس اتنے ہی رموز وحی کے ذریعے آشکار کئے ہیں جتنے ہدایت بشر کے لئے ضروری تھے۔ جو اسرار و مسائل عقل کی برداشت سے زیادہ تھے وہ وحی کے ذریعے نہیں بتائے گئے۔

کچھ علماء نے لفظ سماوات اور کواکب کی تاویل کر کے انہیں خود کو بطلیموسی نظریات سے تطبیق دینے کی کوشش کی تھی کیونکہ ان کے زمانے میں بطلیموسی نظریہ سائنسی حقیقت سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح سے بعض علماء نے قرآن کی تفسیر کے لئے اسرائیلی روایات کا سہارا لیا جس کی وجہ سے تفاسیر قرآن میں آسمانوں، کواکب اور دوسری اصناف خلق کے متعلق مسلمانوں میں غلط نظریات نے رواج پایا۔

قرآن مجید بتاتا ہے کہ

واللّٰہ خلق کلّ دآبّۃٍ من مّاءٍ فمنھم من یّمشی علی بطنہ و منھم من یّمشی علی رجلین و منھم من یّمشی علی اربعٍ یخلق اللّٰہ ما یشاء انّ اللّٰہ علی کلّ شیءٍ قدیرٌ○ خدا نے زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے بعض تو پیٹ کے بل رینگتے ہیں اور بعض دو پاؤں پر اور بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بیشک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۂ نور آیت ۴۵)

☆ کرۂ ارض کا 90% سے زائد حصہ oxygen، silicon، magnesium اور iron پر مشتمل ہے۔ یہ عناصر عام طور پر مرکب صورت میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً پانی دو گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے اور اس کا کیمیائی فارمولا H_2O ہے جو بتاتا ہے کہ پانی کے سالمے (اقل ترین حصے) میں ہائیڈروجن کے دو اور آکسیجن کا ایک ایٹم پایا جاتا ہے۔

۲۔ وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من شیء ثم الی ربہم یحشرون ○ زمین پر رینگنے والا یا دو پروں سے اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں جو تمہاری طرح سے جماعت نہ رکھتا ہو۔ ہم نے کتاب میں کسی شے کے بیان میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔ پھر سب اپنے رب کے حضور پیش کئے جائیں گے۔ (سورۂ انعام آیت ۳۸)

۳۔ وللہ یسجد ما فی السموات وما فی الارض من دابۃ آسمانوں میں اور زمین پر چلنے والے سب کے سب خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔ (سورہ نحل آیت ۴۹)

تفسیر آیات

زمین پر چلنے والے، پانی میں رہنے والے یا فضا میں اڑنے والے جتنے بھی جاندار ہیں وہ سب کے سب اپنی جگہ ایک امت ہیں۔ چیونٹیاں ایک امت ہیں اور ان کا بھی ایک نظام زندگی ہے۔ مچھلیاں بھی ایک جماعت ہیں اور ان میں بھی ایک نظام حیات ہے۔ غرض زمین پر رینگنے والے تمام جانور اور کیڑے مکوڑے علیحدہ علیحدہ امت ہیں اور ان میں سے ہر نوع کا اپنا اپنا نظام حیات ہے جیسے کہ انسانوں کا اپنا نظام حیات ہے۔ ان کے نظام حیات کے متعلق "خلق کے لئے رب العالمین کی ہدایت" کے تحت صفحہ ۵۰ دیکھیں۔

جنات

جن یجن جنا یعنی چھپ گیا اور چھپتا ہے۔ اسی طرح سے جن الشیء و علی الشیء (اس نے اسے چھپا لیا) کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے فلما جن علیہ اللیل یعنی جب رات نے اسے چھپا لیا۔ اسی لفظ سے خدا کی ایک مخلوق — جن ☆ کا نام مشتق ہے یعنی غیر مرئی مخلوق۔

۱۔ خدا نے ان کے مادہ تخلیق کے متعلق فرمایا ہے وخلق الجان من مارج من نار ○ اور اس نے جنات کو آگ کے شعلوں سے پیدا کیا۔ (سورہ رحمن آیت ۱۵)

والجان خلقناہ من قبل من نار السموم ○ اور جنات کو اس سے پہلے زہریلی آگ سے پیدا کیا ہے۔ (سورہ حجر آیت ۲۷)

☆ سورۂ زمخشری میں ہے۔ جن ایک حیاتی مخلوق ہے۔ مسلمانوں کی دیومالائی داستانوں کے مطابق پوشیدہ صلاحیتوں کی حامل یہ مافوق الفطرت مخلوق انسانوں اور حیوانوں کی صورت میں ظاہر ہونے کی قابلیت رکھتی ہے (ابن زمخشری کے مرتبین نے ان کی خاصی ... جیسا کہ "جن" ہے جو عربی قصوں کی مشہور کتاب الف لیلہ کا شہرۂ آفاق کردار ہے۔

۲۔ جنات میں بھی انسانوں کی طرح امتیں پائی جاتی ہیں۔

فی امم قد خلت من قبلھم من الجن والانس ۔ جنات اور انسانوں کی امتیں جو ان سے پہلے گزر چکیں۔ (سورہ حم السجدہ آیت ۲۵)

۳۔ جنات حضرت سلیمانؑ کی خدمت کرتے تھے۔

ومن الجن من یعمل بین یدیه باذن ربه ومن یزغ منھم عن امرنا نذقه من عذاب السعیر ○ یعملون له ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات ۔ اور جنوں میں سے بھی تھے جو ان کے رب کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے اور جو ان میں سے ہمارے حکم سے سرتابی کرے گا اس کو ہم جہنم کا مزہ چکھائیں گے۔ یہ ان (سلیمانؑ) کے لئے جو وہ چاہتے قلعے اور مجسمے اور تالاب جیسے پیالے اور زمین میں گڑی ہوئی بڑی بڑی دیگیں بنایا کرتے تھے (سورہ سبا آیت ۱۲، ۱۳)

۴۔ جنوں میں ایک ایسا جن بھی تھا جس میں اتنی قوت تھی کہ وہ دربار برخاست ہونے سے پہلے ملکہ سبا کا تخت شہر سبا سے فلسطین میں حضرت سلیمانؑ کے سامنے پیش کرے۔

قال عفریت من الجن انا آتیک به قبل ان تقوم من مقامک وانی علیه لقوی امین ۔ جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس حاضر کر دیتا ہوں اور مجھے اس پر قدرت بھی حاصل ہے اور میں امانت دار بھی ہوں۔ (سورہ نمل آیت ۳۹)

۵۔ جنات علم غیب نہیں جانتے۔

فلما قضینا علیه الموت ما دلھم علی موته الا دابة الارض تاکل منساته فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین ۔ جب ہم نے سلیمانؑ کی موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر دیمک سے جو ان کی لاٹھی کو کھاتی رہی۔ جب لاٹھی گر پڑی تب جنات کو معلوم ہوا (کہ سلیمانؑ مر گئے ہیں۔ اور وہ کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے (اور سلیمانؑ کی موت سے بھی) واقف ہوتے تو ذلت کی حالت کا عذاب نہ سہتے۔ (سورہ سبا آیت ۱۴)

رسول اکرمؐ کی بعثت سے قبل جنات کے شب و روز کے متعلق ارشاد اقدس الٰہی ہے

وانه کان یقول سفیھنا علی الله شططا ○ ہم میں کا احمق خدا کی بابت بے سروپا باتیں بناتا تھا۔ وانه کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقا ○ وانھم ظنوا کما ظننتم ان لن یبعث الله احدا ○ بعض انسان بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے (جس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔ تمہاری طرح وہ بھی یہی گمان کرتے تھے کہ خدا کسی کو نہیں جلائے گا۔ (سورہ جن آیت ۴، ۶، ۷)

۶۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد جنات کے لئے عالم بالا کی گفتگو سننے پر پابندی لگا دی گئی۔

وانا لمسنا السماء فوجدناھا ملئت حرسا شدیدا وشھبا ○ وانا کنا نقعد منھا مقاعد للسمع فمن

یَسْتَمِعِ الْآنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ○ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو مضبوط نگہبانوں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بہت سے مقامات میں (خبریں) سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے لیکن اب جو کوئی سننا چاہے گا وہ شعلوں کو اپنی گھات میں پائے گا۔ (سورہ جن آیت ۸و۹)

۳۔ جن کے اسلام و کفر کی خبر قرآن نے یوں دی ہے

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ○ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے ہمارے مختلف مذہب ہیں۔ (سورۂ جن آیت ۱۱) وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ○ ہم میں سے بعض اسلام لائے اور بعض نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اور جو اسلام لائے وہ رشد و ہدایت کے راستے پر چلے۔ (سورۂ جن آیت ۱۴)

شیاطین

ہر سرکش اور نافرمان کو شیطان کہتے ہیں خواہ اس کا تعلق انسانوں سے ہو، جنوں سے یا حیوانوں سے

۱۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ○ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ○ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ ○ ہم ہی نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو سجا دیا اور ہر شیطان مردود سے اسے محفوظ کر دیا۔ ہاں اگر کوئی شیطان چوری چھپے وہاں کی بات سننا چاہے تو بھڑکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لپکتا ہے۔ (سورۂ حجر آیت ۱۶تا۱۸)

۲۔ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ الْكَوَاكِبِ ○ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ○ لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ○ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ○ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ○ بے شک ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے سجایا اور ہر سرکش شیطان سے اس کی حفاظت کی کہ اب وہ عالم بالا کی باتیں سن نہیں سکتے (اگر وہ ایسی کوشش کریں گے تو) ہر طرف سے مارے جائیں گے۔ (یعنی وہاں سے) نکال دینے کو اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔ ہاں جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) اچک لے تو دہکتا ہوا شعلہ تاریکیوں کو چیرتا ہوا اس کے پیچھے لپکتا ہے۔ (سورۂ صافات آیت ۶تا۱۰)

۳۔ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ○ ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے سجایا ہے اور انہیں شیاطین کو سنگسار کرنے کا ذریعہ بنایا ہے اور ان کے لئے ہم نے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (سورۂ ملک آیت ۵)

۴۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ○ وَلِتَصْغٰٓی اِلَیْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِیَرْضَوْهُ وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ○ اور اسی طرح ہم نے شیطان (صفت) انسانوں اور جنوں

و جن کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع باتیں ڈالتے رہتے تھے اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ اور آپ ان کو اور جو کچھ یہ افترا کرتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔ اور (وہ ایسے کام) اس لئے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل ان کی باتوں پر مائل ہوں اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔ (سورہ انعام آیت ۱۱۳)

۵۔ انا جعلنا الشیطین اولیاء للذین لا یؤمنون ○ بے شک ہم نے شیاطین کو بے ایمان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے۔ (سورۂ اعراف آیت ۲۷)

۶۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین وکان الشیطان لربه کفورا ○ بے شک فضول خرچ شیاطین کے بھائی ہیں۔ اور شیطان تو (نعمت) پروردگار کا کفران کرنے والا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۷)

۷۔ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین ○ انما یامرکم بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی الله ما لا تعلمون ○ شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تمہیں بدی اور بے حیائی (کے کاموں) کا حکم دیتا ہے اور اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ خدا کے خلاف جاہلانہ باتیں کرتے رہو۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۶۸ و ۱۶۹)

الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء والله یعدکم مغفرة منه وفضلا والله واسع علیم ○ شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور تمہیں برائیوں کا حکم دیتا ہے جبکہ اللہ تم سے اپنی مغفرت اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے۔ خدا بڑی کشائش والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۶۸)

۸۔ ومن یتخذ الشیطان ولیا فقد خسر خسرانا مبینا ○ یعدهم ویمنیهم وما یعدهم الشیطان الا غرورا ○ اور جس نے خدا کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا ولی بنایا وہ صریح نقصان اٹھائے گا۔ شیطان ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔ (سورۂ نساء آیت ۱۱۹ و ۱۲۰)

۹۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر الله وعن الصلاة فهل انتم منتهون ○ شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کر دے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم رک جاؤ گے؟ (سورۂ مائدہ آیت ۹۱)

۱۰۔ یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنة ینزع عنهما لباسهما لیریهما سوآتهما انه یراکم هو وقبیله من حیث لا ترونهم اے اولاد آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا اور ان سے ان کے کپڑے اتروا دیے تاکہ ان کے ستر ان کو کھول کر دکھا دے۔ وہ اور اس کی جماعت تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ (سورۂ اعراف آیت ۲۷)

ابلیس — قرآن میں

ابلس یبلس فهو مبلس یعنی غمگین ہوا، حیرت زدہ، مایوس ہو اور غم کی وجہ سے چپ ہو، دلیل پیش کرنے میں ناکام رہا۔ قرآن میں یبلس اسی مفہوم میں آیا ہے ویوم تقوم الساعة یبلس المجرمون جس دن قیامت برپا ہوگی تو مجرم اپنی دلیل پیش کرنے میں ناکام رہیں گے۔ (سورہ روم آیت ۱۲)

ابلیس اس شیطان کا اسم علم ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں لفظ شیطان مفرد اور الف لام کے ساتھ آیا ہے تو اس سے مراد ابلیس ملعون ہی ہے۔

وإذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا إلا إبليس كان من الجن ففسق عن أمر ربه أفتتخذونه وذريته أولياء من دوني وهم لكم عدو بئس للظالمين بدلا ٥ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ وہ جنات میں سے تھا۔ اس نے اپنے رب کے حکم سے نافرمانی کی تو کیا تم لوگ مجھے چھوڑ کر شیطان اور اس کی اولاد کو اپنا دوست بناتے ہو جبکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت برا بدلہ ہے۔ (سورہ کہف آیت ۵۰)

☆ کہا گیا ہے کہ فرشتوں نے حضرت آدم کو جو سجدہ کیا تھا وہ معروف اور عام معنوں میں نہیں بلکہ فروتنی کا سجدہ تھا لیکن علامہ خوئی علیہ الرحمہ کے مطابق یہ نظریہ درست نہیں ہے بالخصوص (فروتنی) لفظ سجدہ کے ظاہری معنوں کے برخلاف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سجدے میں حضرت آدم کو قبلہ قرار دیا گیا تھا چنانچہ خدا نے حضرت آدم کی تعظیم کی خاطر فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی طرف رخ کرکے مجھے سجدہ کریں ... یہ تاویل بھی غلط ہے کیونکہ شیطان نے خود کو افضل جان کر حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا ... یہ نظریہ درست ہے کہ حضرت آدم کو سجدہ کیا جانا چونکہ خدا کے حکم سے تھا ... اس لئے وہ عبادت خدا ہی کے لئے تھا۔ سجدہ چونکہ فروتنی کی انتہا اور بندگی کی آخری حد ہے اس لئے خدا کے سوا کسی اور کے لئے سجدہ جائز نہیں ہے خواہ معبودیت کی نیت سے نہ بھی کیا جائے ... اس کا حکم مانے اور اس کی مرضی پر چلے اور کسی معاملے میں اپنے آپ کو آزاد نہ سمجھے ... چونکہ شیطان نے اپنے آقا کی حکم عدولی کی تھی اس لئے وہ سزا کا مستحق ٹھہرا تھا۔ (البیان فی تفسیر القرآن)

حضرت علیؑ نے خطبہ قاصعہ میں فرمایا ہے: "ابلیس نے تکبر ... کی طرف سے طویل کوششوں اور عبادتوں پر پانی پھیر دیا ... چھ ہزار سال عبادت کی ... یہ معلوم نہیں کہ وہ دنیا کے سال تھے یا آخرت کے ... اس کی ساری زندگی کی عبادت پر پانی پھیر دیا ... کیونکہ اس نے تکبر و سرکشی کا جامہ پہن لیا تھا ... پھینک دی تھی۔"

ابلیس یہ نکتہ نہ سمجھ سکا کہ بندگی کی شان ہمیشہ فروتنی چاہتی ہے۔ جو فروتنی خدا کے اولیاء کے لئے ... جو درحقیقت وہ اسی کی بندگی کا اظہار ہوتی ہے۔ شفاعت، توسل اور خاصان خدا کے مزارات کی زیارت ... اس تمہید سے یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے ... جو خاصان خدا کے مزارات کی زیارت کرنے ... ان کا احترام کرنے ... مخلوق کو ... نے خاصان خدا کو وسیلہ بناتے ہوئے اپنا شفیع ٹھہرا ...

۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ اور ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا۔ مومنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ سب اس کے پیچھے چل پڑے۔ اور اس کا ان پر کچھ زور نہ چلا (سورۂ سبا، آیت ۲۰، ۲۱)

حضرت آدم کی داستان میں اسے لفظ شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے: فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْآتِهِمَا ○ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَن تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُل لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ ○ پھر شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کے ستر جو ان سے پوشیدہ تھے کھول دے ... تب ان سے ان کے رب نے پکار کر فرمایا کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور کیا میں نے تم دونوں کو جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے (سورۂ اعراف آیت ۲۰ اور ۲۲)

۲۔ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ○ اے اولاد آدم کیا میں نے تمہیں یہ حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کے بندے نہ بننا۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (سورۂ یٰس آیت ۶۰)

۳۔ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ○ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسے دشمن سمجھو۔ وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ جہنمیوں میں شامل ہو جائیں۔ (سورۂ فاطر آیت ۶)

لغوی تشریح

۱۔ مَرِج: مخلوط ہونا۔ مارج یعنی آگ کا وہ شعلہ جو دھوئیں سے مخلوط ہو۔

۲۔ سَمُوم: گرم ہوا۔ لو۔ اسے سموم اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جسم میں داخل ہو کر زہر کا سا اثر کرتی ہے۔

۳۔ یزیغ: زاغ الانسان یزیغ وہ شخص جو راہِ اعتدال، جادۂ حق اور فرمانِ الٰہی سے ہٹ جائے۔

۴۔ محاریب: محراب کی جمع۔ صدرِ مجلس، وہ افضل ترین جگہ۔
وہ مقام جہاں بیٹھ کر بادشاہ لوگوں سے ممتاز دکھائی دے اور ان سے دور نظر آئے۔
وہ کمرہ جو کسی عبادت گاہ کے اگلے سرے پر واقع ہو۔
وہ مساجد جن میں عبادت کی جائے۔

۵۔ جفان: جفنہ کی جمع۔ جفنہ بروزن قصعۃ ہے اور دونوں کا معنی بھی ایک ہے لیکن جفنہ کھانے کے برتن کے لئے مخصوص ہے۔

۶۔ الجواب: حوض کی طرح بڑے بڑے پیالے۔

۷۔ راسیات: راسیہ کی جمع۔ مضبوط بنیاد والی چیزیں۔

۸۔ عفریت: قوی ہیکل اور شریر جن۔

۹۔ رَصَدًا: رصدہ یرصدہ رصدًا و رصدًا گھات لگا کر راستے میں بیٹھنا۔ رصد جماعت۔ آیت میں رصد کا لفظ اسم فاعل یا راصد کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی گھات لگا کر بیٹھنے والا۔

۱۰۔ طرائق: طریقہ کی جمع۔ اچھی یا بری حالت و سیرت۔

۱۱۔ قِدَدًا: قِدَّۃٌ مختلف الآراء جماعت۔ قددٌ جمع ہے۔ طرائق قددًا مختلف مذہب رکھنے والی جماعتیں

۱۲۔ الْقٰسِطُوْنَ: قسط فھو قاسطٌ حق سے ہٹ گیا۔ قاسط ظالم "قاسط جمع قاسطون" وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اقسط اس نے عدل کیا

۱۳۔ رشدًا: سرکشی اور گمراہی سے محفوظ راہ ہدایت۔

۱۴۔ السَّفِیْهُ: دین کی سمجھ بوجھ نہ رکھنے والا، معمولی عقل رکھنے والا۔ احمق۔

۱۵۔ شَطَطًا: شطّ دور ہوا اور بہت ہی دور ہوا۔ شطّ علیہ اس پر ظلم کیا۔ شططٌ زیادہ دور ہونا اور حد سے گزرنا۔ قلنا علی اللہ شططا ہم نے خدا کے متعلق بے سروپا باتیں کیں اور حق سے زیادہ دور ہوئے

۱۶۔ یَعُوْذُوْنَ: یعوذ بہ وہ اس کی پناہ پکڑتا ہے اور اس سے الحاق کرتا ہے۔

۱۷۔ رَهَقًا: رھق رھقًا اس نے حماقت اور سرکشی کی رھقہ المکروہ ناپسندیدہ حالات نے اسے آ دبوچا یا رھقتہ الذلۃ اس پر ذلت چھا گئی۔ زادوھم رھقا ان کی سرکشی اور ذلت بڑھ گئی۔

۱۸۔ دَآبَّةُ الْاَرْضِ: دبّ دبًّا و دبیبًا آہستہ آہستہ چلا۔ دابۃ ہر جاندار، خواہ مذکر ہو یا مؤنث، عاقل ہو یا غیر عاقل۔ البتہ عام طور پر یہ لفظ غیر عاقل کے لئے بولا جاتا ہے۔

۱۹۔ مِنْسَاَتَهٗ: نسأ الدابۃ اس نے جانور کو ہنکایا۔ چونکہ جانوروں کو لاٹھی سے ہانکتے ہیں اس لئے اسے منسأۃ کہا جاتا ہے۔

۲۰۔ الْغَیْبُ: حواس جس چیز کا ادراک نہ کر سکتے ہوں یا جو چیز حواس سے ماورا ہو وہ غیب ہے۔ مثلاً انسان اپنے معبود، خالق اور مربی کو عقل سے تو پہچان سکتا ہے مگر حواس سے نہیں۔ انسان کا کام سبب اور مسبب میں غور کرنا ہے۔ اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات اور حیات بعد الموت جس کے متعلق انبیائے کرام نے خبر دی ہے غیب ہے۔ مستقبل میں رونما ہونے والے یا حال میں پیش آنے والے واقعات جو انبیائے کرام کی وساطت سے معلوم ہوں یا دور کے لوگوں کو وقوع پر موجود [illegible] ربانی جو اطلاعات ہیں وہ سب غیب ہیں۔

۲۱۔ رُجُوْمًا: اس کی واحد رجمۃ اور رُجُم ہے۔ آلہ رجم یعنی پتھر جس سے کسی کو سنگسار کیا جائے۔

۲۲۔ زُخْرُفَ: زخرف القول یعنی اس نے گفتگو میں جھوٹ پر ملمع چڑھایا۔ مہمل اور فضول باتیں۔

۲۳۔ یُوْحِیْ: الایحاء یعنی وسوسہ۔

۲۴۔ غُرُوْر: غَرَّہٗ غُرُوْرًا یعنی اس نے دھوکا دیا اور غلط امید دی۔

۲۵۔ یَقْتَرِفُ و مُقْتَرِفُوْن: یقترف الحسنۃ او السیئۃ یعنی وہ اچھائی یا برائی کرتا ہے۔ مقترف یعنی اچھا یا برا کام کرنے والا۔

۲۶۔ مُبَذِّرِیْن: بذّر المال تبذیرًا۔ اس نے مال کو ضائع کیا اور فضول خرچی میں اڑا دیا یعنی وہاں خرچ کیا جہاں خرچ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ایسے شخص کو مبذر کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع مبذرین ہے۔

۲۷۔ خُطُوٰتُ الشَّیْطٰن: خطا الی الشیء۔ وہ ایک چیز کی طرف چلا خُطْوَۃ دو قدموں کا درمیانی فاصلہ۔ ولا تتبعوا خطوات الشیطان یعنی شیطان کی پیروی نہ کرو اور اس کے پیدا کردہ وسوسوں پر عمل نہ کرو۔

۲۸۔ الفحشاء: یعنی بے حیائی کے کام۔ وہ اقوال و افعال جن کی قباحت بہت زیادہ ہو۔ شرعی اصطلاح میں یہ لفظ کبھی کبھی بدترین گناہوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

۲۹۔ المیسر: جوا۔ دور جاہلیت میں (۱) ازلام اور (۲) قداح کے ذریعے سے جوا کھیلا جاتا تھا۔
ازلام، زلم کی جمع ہے۔ عرب لکڑی کے تین تیروں سے فال☆ نکالا کرتے تھے۔ ایک پر امرنی ربی اور دوسرے پر نہانی ربی لکھا ہوتا تھا جبکہ تیسرا خالی ہوتا تھا یعنی اس پر کچھ نہیں لکھا ہوتا تھا۔ اگر امر نکلتا تو اس کام کو کرتے اور اگر نہی نکلتی تو نہ کرتے اور اگر خالی نکلتا تو پھر پھینکتے تھے۔ یہ تیر قریش نے کعبہ میں رکھے ہوئے تھے اور کعبہ کے متولی لوگوں سے نذرانہ لے کر فال نکالا کرتے تھے۔
قداح، قدح کی جمع۔ وہ لکڑی کے تین پانسے ہوتے تھے جن میں سے ایک پر ہاں اور دوسرے پر نہیں لکھا ہوتا تھا اور تیسرا خالی ہوتا تھا۔ ان کے ذریعے سے عرب فال نکالتے اور جوا کھیلتے تھے۔

۳۰۔ سوآتھما: ان دونوں کی شرمگاہیں۔ ان دونوں کے ستر۔

۳۱۔ القبیل: بمعانی صنف، گروہ، جماعت اور مددگار۔

۳۲۔ فسق: (۱) عربی زبان کا محاورہ ہے فسقت الرطبۃ من قشرھا کھجور اپنے چھلکے سے باہر نکل آئی۔ فسق فلانٌ مالہٗ فلاں نے اپنا مال اڑا دیا۔ شرعی اصطلاح میں حد کی طاعت اور شریعت سے نکل جانے کو فسق کہا جاتا ہے۔ کفر، نفاق اور گمراہی کو فسق کہا گیا ہے مثلاً وما یکفر بھا الا الفاسقون ○ فاسقوں کے سوا ان کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ (سورۃ بقرہ آیت ۹۹) ان المنافقین ھم الفاسقون ○ بے شک منافق ہی فاسق ہیں۔ (سورۃ توبہ آیت ۶۷) فمنھم مھتد و کثیر منھم فاسقون ○ ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ (سورۃ حدید آیت ۲۶)

☆ آج مسلمان کا حال یہ ہے کہ فال گیروں کے پاس جا کر فالناموں سے، طوطوں سے حتی کہ قہوہ کی پیالیوں سے فال نکلواتا ہے۔ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ کذبت عاد۔ کذبت ثمود۔ کذبت قوم لوط۔ ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔ عاد نے بھی تکذیب کی تھی۔ ثمود نے بھی تکذیب کی تھی قوم لوط نے بھی تکذیب کی تھی۔ (سورۃ قمر آیت ۱۷-۳۳)

لفظ فسق ایمان کے متضاد کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ
ان میں کچھ مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۱۰)

جن — قرآن میں

حافظ جلال الدین سیوطی نے سورۂ جن کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ سے لے کر حضرت محمدؐ کی بعثت تک کے درمیانی عرصے میں (زمانۂ فترت میں) جنات کے لئے آسمانوں تک جانے اور وہاں کی باتیں سننے کی کوئی ممانعت نہیں تھی لیکن آنحضرتؐ کی بعثت ہوئی تو آسمان ہی کی حفاظت کا سخت انتظام کیا گیا اور جنات پر شہابیوں کی بارش کی گئی۔ سارے جنات ابلیس کے پاس حاضر ہوئے تو ابلیس نے ان سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے زمین پر کوئی عظیم واقعہ رونما ہوا ہے تم جا کر اس کا پتا چلاؤ۔ یہ سن کر جنات کے گروہ مختلف سمتوں میں روانہ ہوگئے۔ ان کی ایک جماعت حالات کا جائزہ لینے کے لئے تہامہ اور یمن پہنچی تو انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے ایک درخت کے پاس نماز صبح میں قرآن کریم پڑھ رہے ہیں۔ آپ کی تلاوت سن کر سارے جنات ٹھٹھک گئے اور ایک دوسرے سے بولے کہ خاموشی سے یہ کلام سنو۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ اپنی قوم کے پاس خبر لے کر گئے اور اس طرح انہیں دولت اسلام نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے سے اس واقعے کی اطلاع یوں دی ہے

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ (ترجمہ) کہہ دیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ (سورۂ جن، آیت ۱)

بیان کیا جاتا ہے کہ جنات کا وہ گروہ سات افراد پر مشتمل تھا اور وہ نصیبین* کے رہنے والے تھے۔ ائمہ اہلبیتؑ سے مروی اس سلسلے کی بعض روایات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت سلیمانؑ کی وفات

امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت سلیمانؑ نے اپنے درباریوں سے فرمایا کہ خدا نے جیسا عظیم ملک مجھے عطا فرمایا ہے ویسا میرے بعد کسی اور کو عطا نہیں فرمائے گا۔ خدا نے ہوا کو میرے تابع بنا دیا ہے، اس نے مجھے انسانوں، جنوں، حیوانوں اور پرندوں پر حکومت بخشی ہے اور پرندوں کی بولیاں بھی سکھائی ہیں

* شام و عراق کا ایک چھوٹا سا دریا ہرماس ہے جو شاں سے بہتا ہوا آتا ہے اور دریائے فرات میں مل جاتا ہے۔ اس دریا کی جداول پر نصیبین واقع ہے۔

جس میں چاہتا ہوں کہ کل پورا دن خلوت میں گزاروں اور اپنے محل کی چھت پر سے "ملک عظیم" کا جائزہ لوں۔ اس بعد تم کسی وجہ سے پاس نہ آنے دینا تاکہ میں کل کا دن مسرت اور شادمانی میں گزار سکوں۔

اگلے دن آپ لاٹھی کے سہارے محل کی چھت پر سے "ملک عظیم" کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ اچانک ایک خوبصورت جوان نمودار ہوا۔ حضرت سلیمان نے جیسے ہی اس سے پوچھا آج میری خلوت کا دن تھا۔ تم کس کی اجازت سے یہاں آئے ہو؟

جوان نے کہا میں اس محل کے رب کی اجازت سے آیا ہوں۔

حضرت سلیمانؑ نے کہا بے شک اس محل کے رب کا حق مجھ سے فائق ہے۔ پھر آپ نے پوچھا تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو؟

جوان نے کہا میں ملک الموت ہوں اور آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں

حضرت سلیمانؑ نے کہا تم اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرو۔ میں آج خوشی منانا چاہتا تھا مگر میرے رب کا ارادہ ہے کہ میں اپنی خوشی کی تکمیل اس کی ملاقات سے کروں۔ حضرت سلیمانؑ لاٹھی کا سہارا لئے ہوئے کھڑے تھے کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ موت کے بعد کچھ عرصے تک آپ لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے۔ لوگ دور سے آپ کو کھڑا دیکھ کر کہتے تھے کہ سلیمانؑ زندہ ہیں۔ پھر کچھ دنوں کے بعد لوگوں میں آپ کے متعلق اختلاف ہو گیا۔

ایک گروہ نے کہا کہ کافی عرصے سے سلیمانؑ لاٹھی کے سہارے کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ نہ تو کچھ کھاتے ہیں اور نہ پیتے ہیں اور نہ ہی سوتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے رب ہیں اور ہمیں ان کی عبادت کرنی چاہئے۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ سلیمانؑ جادوگر ہیں اور انہوں نے ہماری نظر بندی کر رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیں لاٹھی کے سہارے کھڑے دکھائی دیتے ہیں جو شعبدہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ مومنین نے کہا کہ سلیمانؑ خدا کے بندے اور نبی ہیں۔ خدا جیسے چاہے گا ان کے معاملات کی تدبیر کرے گا۔

جب لوگوں میں اختلاف بڑھا تو خدا نے دیمک کو حضرت سلیمانؑ کی لاٹھی پر مسلط کر دیا جو اس کو اندر سے کھاتی رہی یہاں تک کہ وہ کمزور ہو کر ٹوٹ گئی اور حضرت سلیمانؑ منہ کے بل گر پڑے

اس واقعے کو خدا نے قرآن میں یوں بیان فرمایا ہے **فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ** ○ جب لاٹھی گر پڑی تب جنات کو معلوم ہوا (کہ سلیمانؑ مر گئے ہیں۔ اور وہ کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب (مرگ سلیمانؑ کے بارے میں) جانتے ہوتے تو رسوا کن عذاب

کا علم آپ نہ سمجھتے۔ (سورہ سبا آیت ۱۴) [۱]

امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو ماں باپ کے بغیر اور حضرت عیسیٰؑ کو باپ کے بغیر اور باقی انسانوں کو ماں باپ سے کیوں پیدا کیا؟

آپ نے فرمایا تاکہ لوگ خدا کی قدرت کا مشاہدہ کر سکیں اور یہ جان لیں کہ وہ انسان کو باپ کے بغیر بھی اور ماں باپ کے بغیر بھی پیدا کر سکتا ہے۔ خدا نے یہ اس لئے کیا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ [۲]

قصص الانبیاء میں ہے کہ جب خدا نے ابلیس کو حضرت آدمؑ کے سجدے کا حکم دیا تو اس نے کہا اے میرے رب اگر تو مجھے اس سجدے سے معاف رکھے تو تیری عزت کی قسم! میں وعدہ کرتا ہوں کہ تیری ایسی عبادت کروں گا کہ آج تک کسی نے نہیں کی ہوگی۔ خدا نے فرمایا کہ میں وہ عبادت چاہتا ہوں جو میری مرضی کے مطابق ہو نہ کہ تیری مرضی کے مطابق۔ [۳]

امام صادقؑ سے پوچھا گیا کہ ابلیس فرشتہ تھا یا جن؟ آپ نے فرمایا فرشتے سمجھتے تھے کہ وہ فرشتہ ہے جبکہ خدا جانتا تھا کہ وہ فرشتہ نہیں (بلکہ فرشتوں کا ہم نشیں) ہے۔ جب خدا نے سجدے کا حکم دیا تو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔ [۴] امام سے جنت آدمؑ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا حضرت آدمؑ کو دنیا کے ایک باغ میں رکھا گیا تھا جس پر چاند سورج طلوع ہوا کرتے تھے۔ اگر آدمؑ خلد بریں میں ہوتے تو وہاں سے کبھی نہ نکالے جاتے۔ [۵]

آپ نے فبدت لهما سوآتهما کے متعلق فرمایا ان کے ستر پہلے دکھائی نہ دیتے تھے بعد میں دکھائی دینے لگے۔ [۶]

ایک زندیق نے صادق آل محمدؑ سے پوچھا کہ کہانت کہاں سے چلی اور لوگوں کو آنے والے واقعات کا علم کیونکر ہو جاتا ہے تو آپ نے فرمایا ایام جاہلیت میں بھی جب انبیاء کا سلسلہ موقوف تھا اور دوسرے بیوں کے زمانہ فترت میں بھی (تیز طرار) کاہن ہی قاضی ہوا کرتے تھے۔ وہ تیزی طبع، تیزی نگاہ، تیزی فہم اور دل میں گزرنے والے خیالات کے سبب (لوگوں کے باطن میں جھانک لیتے اور معاملے کو بھانپ لیتے تھے اور یوں) لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے۔ شیطان کو مستقبل کی جو خبریں معلوم ہوتی تھیں وہ کاہن کو بتا تا تھا اور یوں کاہن لوگوں کو اطراف واکناف اور گھروں کے حالات کی خبر دیتے تھے۔

آسمانی خبروں کا ذریعہ یہ تھا کہ شیاطین پہلے آسمانوں تک جاتے تھے جہاں بیٹھ کر وہ عالم بالا کی گفتگو

۱۔ بحار الانوار مجلسی، مطبوعہ تہران، ج ۳، ص ۳۹، بحوالہ علل الشرائع، ص ۳۹ اور عیون اخبار الرضا، ص ۱۳۶۔

۲۔ بحار الانوار علامہ مجلسی ج، ص ۱۰۸۔

۳،۴،۵۔ بحار الانوار، علامہ مجلسی، ج، ص ۱۴۳۔۱۴۵۔

سنا کرتے تھے۔ اس وقت ان کے آسمان پر جانے پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی اور نہ ہی انہیں شہابوں سے مار بھگایا جاتا تھا۔ جب وہ فاران سے نورِ نبوت محمدؐ جلوہ گر ہوا تو آسمانوں پر جنات کی آمد و رفت روک دی گئی تاکہ وحی الٰہی میں کسی طرح کا شک پیدا نہ ہو اور زمین کے رہنے والوں پر خدا کی حجت تمام ہو اور وہ کسی طرح کے شک و شبہ میں نہ رہیں۔ شیطان آسمان کی خبروں میں سے ایک جملہ سن کر زمین پر آتا اور کاہن کو بتا جاتا۔ بعد میں کاہن اس جملے کے ساتھ زیب داستان کے لئے اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیتا تھا اور یوں حق و باطل مخلوط ہو جاتے تھے۔ لہٰذا کاہن کی جو بات سچی ثابت ہوتی وہ آسمانی خبر ہوتی تھی اور جو بات جھوٹی ثابت ہوتی وہ کاہن کی گھڑت ہوتی تھی۔ جس دن سے شیاطین پر پابندی عائد کی گئی اسی دن سے کہانت بھی ختم ہو گئی۔

آج معاملہ یہ ہے کہ شیاطین لوگوں کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں سن کر وہی باتیں کاہنوں کو بتا دیتے ہیں مثلاً کسی چوری، قتل یا گمشدگی کی واردات کے متعلق ادھر اُدھر لوگوں سے جو کچھ سنتے ہیں وہ کاہنوں کو بتا دیتے ہیں اور کاہن وہی بات "سائل" کو بتا دیتے ہیں۔ چونکہ لوگوں کی بیان کردہ بات کبھی سچ اور کبھی جھوٹ ہوتی ہے اس لئے کاہنوں کی اطلاع بھی کبھی سچی اور کبھی جھوٹی ثابت ہو جاتی ہے۔

اس زندیق نے مزید پوچھا: شیاطین آسمان تک کیسے پہنچتے تھے جبکہ ان کا جسم بھی انسانوں کی طرح کثیف ہے اور وہ حضرت سلیمانؑ کے لئے ایسی چیزیں بناتے تھے جن سے دوسرے لوگ عاجز ہوتے تھے؟

امامؑ نے فرمایا: وہ لطیف جسم رکھتے ہیں البتہ حضرت سلیمانؑ کے لئے انہیں کثیف جسم دیا گیا تھا جبکہ وہ حضرت سلیمانؑ کے تابع کئے گئے تھے۔ شیاطین لطیف مخلوق ہیں۔ ان کی غذا نسیم ہے اور ان کے لطیف جسم رکھنے کی دلیل یہ ہے کہ وہ آسمانی خبروں کو سننے کے لئے آسمان تک جاتے تھے جبکہ کثیف جسم سیڑھی یا دوسرے کسی ذریعے کے بغیر آسمان تک نہیں جا سکتا۔[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

الآباء ثلاثة: آدم، ولد مؤمناً، والجانّ ولد كافراً، وإبليس ولد كافراً وليس فيهم نتاج إنما يبيض ويفرخ وولده ذكور ليس فيهم اناث[2] یعنی باپ تین ہیں (جن سے نسلیں چلیں)۔

(۱) آدمؑ۔ وہ مومن پیدا ہوئے تھے۔

(۲) جانّ۔ وہ کافر پیدا ہوا تھا۔ جنات کے بچے نر و مادہ کے ملاپ سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۳) ابلیس۔ وہ کافر پیدا ہوا تھا۔ اس کی نسل نر و مادہ کے ملاپ سے پیدا نہیں ہوتی۔ وہ انڈے دیتا ہے اور ان سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا سارا کنبہ نر افراد پر مشتمل ہے۔ اس کے قبیلے میں مادہ نہیں ہوتی۔

۱۔ بحارالانوار، ج ۶۳، ص ۷۵، بحوالہ الاحتجاج، ص ۱۸۵۔

۲۔ خصال صدوق، ج ۱، ص ۱۵۲۔

آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ابلیس فرشتہ تھا اور کیا وہ کسی آسمانی امر کا ناظم تھا؟
امام نے فرمایا وہ فرشتوں میں سے نہیں تھا اور نہ ہی کسی آسمانی امر کا ناظم تھا۔ وہ جن تھا مگر فرشتوں کا ہم نشین تھا۔ فرشتے اسے اپنی ہی جنس سے خیال کرتے تھے لیکن خدا جانتا تھا کہ وہ ان کی جنس سے نہیں تھا۔ جب خدا نے حضرت آدمؑ کے سجدے کا حکم دیا تو جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔[1]

خلاصۂ بحث

جن: جنّ الشیء و جنّ عنہ یعنی کسی چیز کو چھپا لیا۔ اور الجنّ والجانّ یعنی غیر مرئی مخلوق۔ قرآن میں ہے کہ خدا نے جنات کو آگ کے اس شعلے سے پیدا کیا ہے جو سیاہی سے مخلوط تھا۔

۲۔ شیطان: ہر سرکش متمرد انسان، جن اور حیوان۔ اور اس بحث میں جناتی شیاطین مراد ہیں۔

۳۔ ابلیس: ابلس یعنی غمگین ہوا، حیران ہوا، غم کی وجہ سے خاموش ہوا اور دلیل پیش کرنے میں ناکام ہوا۔ اس بحث میں ابلیس سے مراد وہ جن ہے جس نے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا۔

خدا نے جنوں کو حضرت سلیمانؑ کے تابع کر دیا تھا۔ وہ ان کے لئے محرابیں، مجسمے، اور حوض جیسے بڑے پیالے اور بڑی بڑی دیگیں بنایا کرتے تھے۔ جنوں میں سے ایک بہت قوی ہیکل جن بھی تھا جس نے حضرت سلیمانؑ سے کہا تھا کہ وہ ان کا دربار برخاست ہونے سے پہلے آپ کی یمن میں ملکہ بلقیس کا تخت شہر سبا سے اٹھا کر فلسطین میں ان کے روبرو پیش کر سکتا ہے۔

جب حضرت سلیمانؑ کی وفات ہوئی اور وہ کافی عرصے تک لاٹھی پر ٹیک لگائے کھڑے رہے تو اس پورے عرصے میں جنات یہی سمجھتے رہے کہ حضرت سلیمانؑ زندہ ہیں لیکن جب دیمک نے ان کی لاٹھی کو چاٹ کر ختم کر دیا اور آپ گر پڑے تب جنات کو پتا چلا کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات غیب کا علم نہیں رکھتے۔ اگر ان کے پاس علم غیب ہوتا تو وہ اتنے طویل عرصے تک (بڑے بڑے مشکل کام کرنے کی) ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔ خدا نے بتایا ہے کہ شیاطین بھی جنات میں سے ہیں۔ رسول اکرمؐ کی بعثت سے پہلے وہ آسمان تک جاتے تھے اور وہاں بیٹھ کر عالم بالا کی باتیں سنا کرتے تھے۔ پھر جب رسول اکرمؐ مبعوث ہوئے تو آسمان میں ان کا داخلہ بند کر دیا گیا اور اگر کوئی وہاں کی باتیں سننے کی کوشش کرتا تو فرشتے شہاب ثاقب سے اس پر حملہ کر کے انہیں مار بھگاتے۔

خدا نے ابلیس کے متعلق بتایا ہے کہ اس نے حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ دونوں کے دل میں وسوسہ ڈال کر انہیں جنت ارضی سے باہر نکلوا دیا تھا۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۱۹۔

انسان

خداوند عالم نے انسان کی خلقت کے متعلق فرمایا ہے:

۱۔ انا خلقناهم من طین لازب ○ ہم نے انسان کو گندھی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (سورہ صافات آیت ۱۱)

۲۔ ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حمإ مسنون ○ اور ہم نے انسان کو ایسی مٹی سے پیدا کیا ہے جو سوکھ کر کھنکھنانے لگتی تھی (سورہ حجر آیت ۲۶)

۳۔ خلق الانسان من صلصال کالفخار ○ اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے بنایا (سورہ رحمٰن آیت ۱۴)

۴۔ الذی احسن کل شیء خلقه و بدأ خلق الانسان من طین ○ ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهین ○ ثم سواه و نفخ فیه من روحه و جعل لکم السمع والابصار والافئدة قلیلا ما تشکرون ○ جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا اور انسان کی خلقت کا آغاز مٹی سے کیا۔ پھر اس کی نسل حقیر پانی سے پیدا کی۔ پھر اس کو درست کر کے اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے مگر تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ (سورہ سجدہ آیت ۷ تا ۹)

۵۔ یا ایها الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة و غیر مخلقة لنبین لکم و نقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم و منکم من یتوفی و منکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا ○ اے لوگو! اگر تم کو دوبارہ جی اٹھنے میں کچھ شک ہو تو ہم نے تم کو (پہلی بار بھی تو) مٹی سے پیدا کیا تھا۔ پھر اس سے نطفہ بنا کر، پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر، پھر اس گوشت کے لوتھڑے سے جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے ناقص بھی ہوتی ہے تاکہ تم پر (اپنی خلاقیت) ظاہر کر دیں اور ہم جس چیز کو چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر تم کو بچہ بنا کر باہر نکالتے ہیں۔ پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو اور تم میں سے بعض (زندگی کی بہاریں دیکھنے سے پہلے) مر جاتے ہیں اور بعض (بڑھاپے میں) رذیل عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ زندگی میں بہت کچھ جان لینے کے بعد ہر چیز بھول جاتے ہیں (سورہ حج آیت ۵)

۶۔ ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ○ ثم جعلناه نطفة فی قرار مکین ○ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشاناه خلقا آخر فتبارک الله احسن الخالقین ○ ثم انکم بعد ذلک لمیتون ○ ثم انکم یوم القیامة تبعثون ○ اور ہم نے انسان کو گیلی مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اسے ایک محفوظ جگہ پر نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ سے لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے سے مضغہ بنایا۔ پھر مضغہ سے ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر اس کو ایک نئی

صورت بخشی۔ بڑا بابرکت ہے خدا جو سب سے بہتر خلق کرنے والا ہے۔ آخر تم سب مرجاؤ گے، پھر قیامت کے دن جلائے جاؤ گے (سورہ مومنون آیت۱۲ تا ۱۶)

۷ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ مِن قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ وہی تو ہے جس نے تم کو (پہلے پہل) مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر تم کو بچہ بنا کر (ماں کے پیٹ سے) باہر نکالتا ہے، پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو پھر بوڑھے ہوجاتے ہو اور کوئی تم میں سے (زندگی کی بہاریں دیکھنے سے) پہلے ہی مرجاتا ہے اور تم موت کے مقررہ دن تک پہنچ جاتے ہو اور (اس لئے پیدا کیا گیا ہے) کہ تم سوچو سمجھو۔ (سورۂ مومن آیت ۶۷)

۸ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ انسان کو سوچنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔ وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا ہے جو کمر اور سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے۔ (سورۂ طارق: آیت۵تا۷)

۹— خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا ۝ اسی نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔ پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا (سورۂ زمر آیت۶)

۱۰ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۝ وہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا۔ پھر (تمہارے لئے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی۔ (سورۂ انعام آیت۹۸)

آدم علیہ السلام اور ابلیس

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ قرآن مجید میں بار بار بیان ہوا ہے مثلاً

— وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ ۝ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ ۝ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ ۝ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ۝ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ۝ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۝ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ۝ —

اس سے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اسے) بھول گئے اور ہم نے ان میں عزم و ہمت نہ پایا۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ تم آدم کے آگے سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کیا۔ تب ہم نے کہا کہ اے آدم دیکھو یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں جنت میں تم کو یہ (آسائش و آرام) ہے کہ نہ بھوکے رہو گے نہ ننگے۔ اور یہ کہ نہ پیاسے رہو گے نہ دھوپ کھاؤ گے۔ پھر ابلیس نے آدم کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا کہ بھلا میں تم کو ایسا درخت بتاؤں جو ہمیشہ کی زندگی اور لازوال سلطنت کا ثمرہ دے۔ (یہ سن کر) دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو ان پر ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں۔ چنانچہ وہ دونوں جنت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔ چونکہ آدم نے اپنے رب کے حکم سے خلاف ورزی کی سو اس کا آرام ختم ہو گیا۔ پھر ان کے رب نے (آدم اور ان کی اولاد کو پیغمبری کے لیے) چن لیا اور ان پر مہربانی کی اور (بخشش کیلئے طریقہ توبہ کی طرف) رہنمائی فرمائی۔ (پھر خدا نے) کہا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ۔ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ پھر جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ پریشان۔ اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت میں ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ (سورہ طہٰ آیت ۱۱۵ تا ۱۲۴)

ولقد خلقناکم ثم صورناکم ثم قلنا للملائکة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس لم یکن من الساجدین ۝ قال ما منعک الا تسجد اذ امرتک قال انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین ۝ قال فاهبط منها فما یکون لک ان تتکبر فیها فاخرج انک من الصاغرین ۝ قال انظرنی الی یوم یبعثون ۝ قال انک من المنظرین ۝ قال فبما اغویتنی لاقعدن لهم صراطک المستقیم ۝ ثم لآتینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وعن شمائلهم ولا تجد اکثرهم شاکرین ۝ قال اخرج منها مذءوما مدحورا لمن تبعک منهم لاملئن جهنم منکم اجمعین ۝ ویا آدم اسکن انت وزوجک الجنة فکلا من حیث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتکونا من الظالمین ۝ فوسوس لهما الشیطان لیبدی لهما ما وری عنهما من سوآتهما وقال ما نهاکما ربکما عن هذه الشجرة الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین ۝ وقاسمهما انی لکما لمن الناصحین ۝ فدلاهما بغرور فلما ذاقا الشجرة بدت لهما سوآتهما وطفقا یخصفان علیهما من ورق الجنة وناداهما ربهما الم انهکما عن تلکما الشجرة واقل لکما ان الشیطان لکما عدو مبین ۝ قالا ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین ۝ قال اهبطوا بعضکم لبعض عدو ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین ۝ قال فیها تحیون وفیها تموتون ومنها تخرجون ۝ (ہم ہی نے تم کو ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا صرف ابلیس نے

انکار کردیا اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (خدا نے) فرمایا جب میں نے تجھ کو حکم دیا تھا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ فرمایا کہ تو یہاں سے اتر جا تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے۔ پس نکل جا تو ذلیل ہے۔ اس نے کہا مجھے قیامت تک کی مہلت دیدے۔ فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ شیطان نے کہا تو نے تو مجھے گمراہ کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے راستے پر (ان کو گمراہ کرنے کے لئے) بیٹھ جاؤں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ فرمایا کہ تو راندۂ بارگاہ ہے۔ میں تجھ سے اور ان سب سے جو تیری پیروی کریں گے جہنم بھردوں گا۔ اور ہم نے آدم سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو (اور جو چاہو) کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ ظلم کرنے والے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کی شرمگاہیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھل جائیں اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تمہیں اس درخت (کا پھل کھانے) سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ نہ جیتے رہو۔ اور اس نے ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض اس (مردود) نے ان دونوں کو دھوکے کے ذریعے درخت کی طرف جھکا دیا۔ جب انہوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو ان کی شرمگاہیں کھلنے لگیں اور انہوں نے درخت کے پتے جوڑ کر ان کو چھپانا شروع کر دیا۔ تب ان کے رب نے آواز دی کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت (کا پھل کھانے) سے منع نہیں کیا تھا اور کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ دونوں عرض کرنے لگے اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اب اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں فرمائے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔ ارشاد ہوا کہ تم سب زمین میں اتر جاؤ اور تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ اور زمین میں تمہارے لئے ایک خاص مدت تک رہائش اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔ فرمایا کہ تمہیں وہیں جینا اور وہیں مرنا ہے۔ پھر تم کو زمین سے نکالے جاؤ گے۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۲ تا ۲۵)

۳۔ قَالَ ءَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ○ قَالَ أَرَءَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ○ قَالَ اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا ○ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ○ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ○ اس نے کہا کہ بھلا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے۔ (اور) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھے قیامت تک کی مہلت دے تو میں چند افراد کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔ خدا نے فرمایا یہاں سے چلا جا۔ اب جو بھی تیری پیروی کرے گا تو تم سب

ان سب کی جزا جہنم ہے اور وہ پوری سزا ہے۔ جا جن پر بھی تیرا بس چلے اپنی آواز سے ان کو بہکا اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر اور ان کے اموال و اولاد میں شریک ہو جا اور ان سے خوب وعدے وعید کر اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ بے شک جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تجھے تسلط حاصل نہیں ہوگا اور (اے رسولؐ) آپ کا رب نگہبانی کے لئے کافی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۶۳ تا ۶۵)

۳۔ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ○ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ○ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ○ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ○ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ○ اس نے کہا کہ پروردگار! جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں سے جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو چلنا مشکل ہے)۔ ارشاد ہوا کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔ جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قابو نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں بد راہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے اور ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔ (سورۂ حجر آیت ۳۹ تا ۴۳)

لغوی تشریح

۱۔ لازب لزب الطِّينُ گندھی ہوئی مٹی۔ اس سے اسم فاعل لازب ہے۔

۲۔ صَلْصَالٌ صلصل الشَّيْءُ پکارنے کی آواز۔ صلصل اللجمُ اور صلصل الرَّعْدُ اسی سے ماخوذ ہیں یعنی گھنٹی بجی اور رعد کی کڑک ہوئی۔ صلصال یعنی وہ مٹی جو آگ سے پکے بغیر کھنکھنائے۔

۳۔ حمأ بدبودار سیاہ مٹی۔

۴۔ مسنون سن الشَّيْءُ کسی چیز کی بو کا بدل جانا۔ مسنون یعنی تالاب میں ڈال جانے والی مٹی۔

۵۔ مخلقة خلق العود یعنی اس نے لکڑی کو سیدھا کیا۔ عُودٌ مخلقٌ یعنی سیدھی ہونے والی لکڑی۔ یہاں آیت میں مُخلقة سے کامل خلقت اور غيرُ مخلقة سے ناقص الخلقت جسم مراد ہیں۔

۶۔ الصُّلْبُ والترائب صلب الرجل یعنی مرد کی کمر کی ہڈی اور ترائب المرأة یعنی عورت کے سینے کی ہڈی۔ سائنس بھی سالہا سال کے تجربات کے بعد اسی نتیجے پر پہنچی ہے اور علامہ مجلسی نے بھی بحار الانوار میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔[۱]

۷۔ وسواس و سوسة مخفی خیال۔ کسی مخفی آواز کے حکم پر کوئی کام کرنا۔ دل میں کھٹکنے والی بات۔ شیطان کا انسان کو گمراہ کرنا جیسے کہ ارشاد قدرت ہے

۱۔ سید قطب کی تفسیر میں سورۂ طارق ملاحظہ کریں۔ بحار الانوار، ج ۶۰ ص ۳۸۶۔

وزین لھم الشیطان ما کانوا یعملون ○ اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کر دیا۔ (سورہ انعام آیت ۴۳) زین لھم الشیطان اعمالھم شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا (سورہ انفال آیت ۴۸ سورہ نحل آیت ۶۳۔ سورہ نمل آیت ۲۴ سورہ عنکبوت آیت ۳۸)

۸۔ السَّوْءَةُ وہ چیز جس کا چھپانا اچھا اور نہ چھپانا برا ہو۔ یہاں سوات سے مراد انسانی شرمگاہ ہے۔

۹۔ عزمًا صبر۔ ما بی عنک عزم میں تیرے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔ محنت کرنا یا عزم صمیم کرنا بھی صبر ہے

۱۰۔ الجنۃ ایسا باغ جس کے درختوں نے زمین کو ڈھانک رکھا ہو جیسے کہ ارشاد قدرت ہے

وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا ○ او تکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانھار خلالھا تفجیرا ○ او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا اور ان لوگوں نے کہا کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری نہ کر دو۔ یا تمہارے پاس کھجور اور انگور کے باغ ہوں جن کے درمیان تم نہریں جاری کر دو۔ یا ہمارے اوپر اپنے خیال کے مطابق آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دو (سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۰ تا ۹۲)

لقد کان لسبا فی مسکنھم آیۃ جنتان عن یمین وشمال کلوا من رزق ربکم واشکروا لہ بلدۃ طیبۃ ورب غفور ○ فاعرضوا فارسلنا علیھم سیل العرم وبدلنٰھم بجنتیھم جنتین ذواتی اکل خمط واثل وشیء من سدر قلیل ○ ذلک جزینٰھم بما کفروا وھل نجازی الا الکفور ○ (قوم) سبا کے لئے ان کے شہر میں ہماری ایک نشانی تھی (یعنی) دائیں اور بائیں دونوں طرف باغات تھے (ہم نے ان سے کہا تھا کہ) تم اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاک شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) خدائے بخشندہ۔ مگر انہوں نے (شکر گزاری سے) منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر (بند توڑ کر) زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور ان کے دونوں باغات کو ایسے دو باغات میں تبدیل کر دیا جن کے پھل بد مزہ تھے۔ ان میں جھاؤ کے (بہت) اور بیر کے تھوڑے سے درخت تھے۔ یہ ہم نے ان کو ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم سزا ناشکروں کو ہی دیا کرتے ہیں۔ (سورہ سبا آیت ۱۵ تا ۱۷)

۱۔ خمط وہ بوٹی جو کڑوی یا کسیلی ہو اور جسے کھانے کو دل نہ چاہے۔

۲۔ الاثل جھاؤ کا درخت جس کی لکڑی مضبوط اور ٹہنیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ اس کا پھل کھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ اس درخت سے ٹوکریاں بنائی جاتی ہیں۔

خدا ایمانداروں کو حساب کتاب کے بعد باغات میں جگہ عنایت فرمائے گا اور باغ کو جنت کہا جاتا ہے۔ دنیا کے باغ کو بھی جنت اور آخرت کے باغ کو بھی جنت کہا جاتا ہے۔ گرچہ ان میں بلحاظ اوصاف بہت زیادہ فرق ہے ان میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ وہاں جو خوش نصیب جنت میں جائے گا وہ ہمیشہ وہیں رہے گا اسے وہاں سے نکلنا نہیں پڑے گا اور نہ ہی موت اسے اس جگہ سے دور کر سکے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

قل اذالک خیرٌ ام جنۃ الخلد التی وُعد المتقون ○ لھم فیھا مایشآئون خالدین ○
آپ ان سے پوچھیں کہ کیا یہ بہتر ہے یا بہشت جاودانی جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہاں جو وہ چاہیں گے وہ ان کے لئے موجود ہوگا اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (سورۃ فرقان آیت ۱۵،۱۶)

والذین امنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰئک اصحاب الجنۃ ھم فیھا خالدون ○ اور جو ایمان لائیں گے اور نیک کام کریں گے وہ جنت میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (سورۃ بقرہ آیت ۸۲)

قرآن حکیم میں جنت دنیاوی اور اخروی دونوں باغ کے لئے مستعمل ہوا ہے۔ حضرت آدم کو جس باغ میں رہائش دی گئی تھی اور جس کا پھل کھانے کی وجہ سے انہیں نکال دیا گیا اسے بھی جنت کہا گیا ہے۔

۱۳۔ تضحی ضحی الرّجل آدمی شخص کو دھوپ لگی۔

۱۴۔ غوی اس کا ایک معنی یہ ہے کہ عیش و آرام ختم ہوگیا اور آیت میں یہی معنی مراد ہے۔

۱۵۔ طفق طفق یفعل کذا وہ ایسا کرنے لگ گیا۔

۱۶۔ یخصفان خصف الشیٔ علی الشیٔ ایک چیز کو دوسری چیز سے جوڑا۔

۱۷۔ ضنکا ضنک عیشہ اس کی زندگی تنگ ہوگئی۔

۱۸۔ وری واراہ فوراہ اس نے اسے چھپایا۔

۱۹۔ دلّٰھما دلّ الشیٔ فی المھواۃ کسی چیز کو گڑھے میں ڈالنا دلّاہ بغرور اسے دھوکے میں ڈالا۔

۲۰۔ لاحتنکنّ احتنک الفرس اس نے گھوڑے کو لگام ڈالی۔

۲۱۔ اھبطوا کسی چیز کو اوپر سے نیچے اتارا جائے تو نزول کا لفظ مستعمل ہوتا ہے مثلاً نزول وحی، نزول قرآن اور نزول باران۔ اور اگر کسی چیز کو حقارت سے نیچے اتارا جائے تو ہبوط کا لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً عربی زبان کا محاورہ ہے ھبط فی الشرّ وہ برائی میں گر گیا۔ ھبط فلانٌ فلاں شخص تنزلات میں گر گیا۔ ھبط من حال الغنٰی الٰی حال الفقر ثروت سے گر کر غربت میں جا پڑا۔ ھبط من منزلتہٖ اپنے مرتبے سے گر گیا۔

۲۲۔ استفزز استفزّہٗ کسی کو جلدی سے اٹھانا اور ساتھ لے جانا۔

۲۳۔ بصوتک صوّت فلانٌ بفلانٍ فلاں نے فلاں کو بدی کی طرف بلایا۔ مفہوم یہ ہے کہ اے ابلیس تو اولاد آدم میں سے جس کو چاہے اپنے ساتھ شامل کرسکتا ہے۔

۲۴۔ واجلب علیھم اجلاب کسی کو ہانکنے والے کا ہانکنا۔ جلبۃ آواز کی شدت۔

۲۵۔ بخیلک و رجلک اپنے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر۔ لفظ رجل، راجل سے جمع ہے۔ یعنی تو جتنا مکر و فریب کرسکتا ہے کرلے تجھے ہماری طرف سے اس کی کھلی اجازت ہے۔

۲۶۔ وشارکھم فی الاموال والاولاد ان کے مال حرام اور نسل حرام میں شریک ہوجا۔

۲۷ وعدھم ان سے جھوٹے وعدے کرنا۔ مثلاً تو کہتا رہ کہ قبروں سے دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔

۲۸ سلطان السلطۃ جبر و قہر کے ساتھ غلبہ حاصل کرنا۔ صاحب سلطان یعنی بادشاہ۔ سلطان کے دوسرے معنی دلیل کے بھی ہیں جیسا کہ ارشاد قدرت ہے اَتُجَادِلُونَنِی فِی اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْھَا اَنْتُمْ وَآبَاؤُکُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۰ کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں جن کی خدا نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ (سورہ اعراف آیت ۷۱) اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ یعنی میرے مخلص بندوں پر تیرا زور نہیں چلے گا۔

تفسیر آیات

مذکورہ آیات میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے "پہلے انسان" کو بدبودار سیاہ مٹی سے پیدا کیا جو خشک ہو کر کھنکھنانے لگی تھی۔ پھر خدا نے اس کی نسل کو منی سے چلایا جو مرد کی کمر اور عورت کے سینے کی ہڈی سے نکلتی ہے۔ پھر اس نطفہ کو جمے ہوئے خون میں تبدیل کیا اور جمے ہوئے خون کو لوتھڑے کی شکل دی اور لوتھڑے سے ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر سے نئی شکل وصورت عطا فرمائی اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اسے آنکھ، کان اور دل عطا فرمائے۔ وہ بابرکت ہے وہ ذات جو احسن الخالقین ہے۔

پھر اسے بچہ بنا کر ماں کے پیٹ سے باہر نکالا اور اس میں مذکر ومؤنث کی دو صنفیں مقرر کیں۔ بطور انسان دونوں ایک جیسے ہیں مگر حیات دنیا میں ان کے فرائض علیحدہ علیحدہ ہیں۔ کچھ انسان اوائل عمر میں یا جوانی میں مرجاتے ہیں۔ کچھ انسان ارذل عمر کو پہنچ کر (نسیان یعنی Global Amnesia میں مبتلا ہو جاتے ہیں) وہ زمین کی گود میں سو جاتے ہیں جہاں حشر تک سوتے رہیں گے۔ پھر قیامت کے دن انہیں اس زمین سے اٹھایا جائے گا اور ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

خدا نے تمام فرشتوں اور ابلیس کا امتحان لیتے ہوئے انہیں سجدۂ آدم کا حکم دیا تھا اور فرشتوں نے جو سوال کیا اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس سے پہلے زمینی مخلوق کی کارستانیاں دیکھ چکے تھے اسی لئے انہوں نے تخلیق آدم کے وقت کہا تھا کہ انسان زمین میں فساد مچائے گا اور خون بہائے گا۔ آدم سے پہلے بھی زمینی مخلوق نے زمین میں فساد مچایا تھا اور خدا نے فرشتوں کے ذریعے انہیں ہلاک کیا تھا جیسا کہ روایت میں آیا ہے۔ جب خدا نے فرشتوں کو علم آدم کا کمال دکھایا اور انہوں نے اپنی علمی کوتاہی اور آدم کی علمی برتری دیکھی تو آدم کے آگے سجدہ کیا۔ البتہ ابلیس نے تکبر کیا اور عدل الٰہی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آدم مٹی سے بنے ہیں جبکہ میں آگ سے بنا ہوں۔ یوں فرشتے امتحان میں کامیاب ہوئے اور ابلیس ناکام ہوا۔

خدا نے آدم کی تسکین کے لئے ان کی بیوی حوا کو پیدا کیا اور انہیں ایک ایسی جنت میں رکھا جو جاودانی نہیں تھی۔ اور ان سے کہا کہ جنت میں جو ان کا دل چاہے کھائیں لیکن ایک مخصوص درخت کے پاس نہ جائیں

ورنہ وہ ظالم قرار پائیں گے۔

خدا نے آدمؑ سے یہ کہہ دیا تھا کہ تمہیں جنت میں ہر طرح کا عیش و آرام میسر ہوگا۔ تمہیں بھوک پیاس ستائے گی اور نہ بے لباسی کی شامت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی خدا نے انہیں خبردار کر دیا تھا کہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے لہٰذا خیال رکھنا کہ کہیں وہ تمہیں جنت سے نکلوا نہ دے۔ اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو تمہیں بڑی سخت زندگی بسر کرنا پڑے گی۔

بہرحال شیطان آدمؑ و حوا کے پاس گیا اور حیلے سے انہیں ممنوعہ درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی۔ اس طرح وہ چاہتا تھا کہ ان کی شرمگاہیں جو کہ ابھی تک ان سے پوشیدہ تھیں ان پر ظاہر ہو جائیں۔ اس نے آدمؑ اور حوا کو یہ بتایا کہ اگر انہوں نے اس درخت کا پھل کھالیا تو وہ فرشتے بن جائیں گے یا پھر حیات جاودانی کے مالک ہو جائیں گے۔ اس نے خدا کی جھوٹی قسم کھا کر انہیں اعتماد دلایا کہ میں تمہارا خیرخواہ ہوں۔

آدمؑ اور حوا یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی خدا کی جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے اسی لئے انہوں نے ابلیس کی بات مان لی اور یوں وہ انہیں دھوکا دینے میں کامیاب ہوگیا۔ آدمؑ اور حوا نے جونہی ممنوعہ درخت کا پھل کھایا تو ان کے ستر کھل گئے اور انہیں اپنی برہنگی کا احساس ہوا۔ تب وہ اپنے ستر درختوں کے پتوں سے چھپانے لگے۔ اس وقت خدا نے فرمایا کیا میں نے تمہیں اس درخت کے قریب جانے سے منع نہیں کیا تھا اور یہ نہیں بتایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ آدمؑ اور حوا نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

جنت آدمؑ کہاں تھی؟

خدا نے قرآن میں بتایا ہے کہ اس نے بزم ملائکہ میں اعلان کیا تھا کہ وہ زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ اسی زمین کی مٹی سے آدمؑ کو بنایا گیا۔ اسی زمین پر ملائکہ کو سجدۂ آدمؑ کا حکم ہوا۔ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے تکبر کے سبب انکار کیا۔ پھر اسی زمین کی ایک جنت میں آدمؑ اور حوا کو رکھا گیا۔ آدمؑ و حوا کو کرہ ارض سے کسی دوسری جگہ منتقل نہیں کیا گیا۔ آدمؑ خلد بریں میں نہیں تھے جس کے متعلق ہمیشگی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اگر آدمؑ اس جنت میں ہوتے تو وہاں سے نکال کر زمین پر نہ بھیجے جاتے۔

ہمارے اس موقف کی ایک بنیاد قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ علاوہ ازیں بہت سی روایات بھی ہمارے موقف کی تائید کرتی ہیں۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مذکورہ جنت عراق میں تھی۔ قاموس کتاب مقدس کے مؤلف نے کئی علماء کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ جنت فرات میں تھی۔[1]

---

[1] قاموس کتاب مقدس، مادہ عدن۔

اس کی تائید توریت کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ جس جنت میں حضرت آدم بود و باش رکھتے تھے۔ اس جنت سے دجلہ، فرات، جیحون اور فیشون چار دریا نکلتے تھے۔[1]

قاموس کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ بعضوں کا خیال ہے کہ جیحون اور فیشون بابل میں تھے۔[2]

لفظ جیحون سے وہ دریائے جیحون مراد نہیں ہے جو خوارزم کے قریب سمندر میں گرتا ہے اور یاقوت حموی نے اس کا ذکر اپنی کتاب معجم البلدان میں بھی کیا ہے۔

جب آدم جنت سے نکالے گئے تو انہوں نے دریائے فرات کے قریب بابل میں رہائش اختیار کی۔ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کے فرزند شیث نے انہیں مکہ میں کوہ ابوقبیس[3] کی ایک غار میں دفن کیا تھا۔ طوفان کے وقت حضرت نوحؑ نے ان کی ہڈیاں ایک تابوت میں رکھ لی تھیں اور جب طوفان ختم ہوا تو انہوں نے حضرت آدمؑ کا تابوت نجف میں دفن کیا۔[4]

حضرت آدمؑ کو جنت ارضی سے نکالا گیا تو وہ وہیں قریب میں یعنی عراق میں بسنے لگے۔ وہ اپنے ساتھ جنت سے کچھ پودے اور کچھ پودوں کے بیج لے کر آئے تھے اور انہوں نے وہ پودے اور بیج کاشت کر دیے۔ ان کو کاشتکاری کی تعلیم خدا نے نہیں دی تھی جیسا کہ روایات میں اس کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔[5]

حضرت آدم کی عراق میں رہائش کے متعلق معجم البلدان کے مادہ بابلیون میں لکھا ہے کہ "اہل توریت کا بیان ہے کہ آدمؑ نے بابل میں رہائش اختیار کی۔" سرزمین بابل دجلہ و فرات کے درمیان واقع ہے۔

قاموس کتاب مقدس کے مادہ بابل کا خلاصہ یہ ہے:

دجلہ و فرات وہاں کی تمام زمین کو سیراب کرتے تھے اسی لئے وہاں کی زمین انتہائی زرخیز تھی اور وہاں بہت پھل اور اناج ہوتا تھا۔ اس سرزمین کا پرانا نام شنعار تھا۔ سفر تکوین آیت ۱۰ اور ۱۱ (ماخوذ از قاموس کتاب مقدس)۔

معجم البلدان میں مادہ بابل کے ذیل میں لکھا ہے کہ بعض کا یہ قول ہے:

بابل دراصل کوفہ ہے۔ جب حضرت نوحؑ کشتی سے اترے تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر گھر کی تلاش میں نکلے اور انہوں نے بابل میں رہائش اختیار کی جہاں ان کی نسل خوب پھیلی۔

مکتب خلفاء کی روایت میں ہے کہ حضرت نوحؑ نے حضرت آدمؑ کو بیت المقدس میں دفن کیا۔

مکتب اہلبیتؑ کی روایات میں ہے کہ حضرت نوحؑ نے حضرت آدمؑ کا تابوت نجف میں اس جگہ دفن کیا تھا جہاں سید الموحدین امیر المومنین علیہ السلام مدفون ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی وہیں مدفون ہیں۔

۱۔ توریت طبع رچرڈ واٹسن لندن ۱۸۳۹ء سفر تکوین، اصحاح دوم ۱۰-۱۴۔

۲۔ قاموس کتاب مقدس، مادہ جیحون و فیشون۔ استاد سامی البدری نے جنت آدمؑ کے متعلق اپنے ایک خط میں مجھے لکھا توریت میں جن دریاؤں کا ذکر ہے وہ چاروں فرات کی شاخیں ہیں اور یہی حقیقت سومری اور بابلی تحریروں سے ثابت ہوتی ہے۔

۳-۵۔ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۲۹۷۔ ۲۹۸۔

حضرت آدمؑ کی عراق میں رہائش کی تائید درج ذیل روایات سے ہوتی ہے:

(۱) حضرت آدمؑ نے مکہ مکرمہ میں حج کیا، مشعر میں وقوف کیا اور عرفہ میں ان کی توبہ قبول ہوئی۔ جدہ میں ان کی حواؑ سے ملاقات ہوئی۔ خدا نے انہیں خانہ کعبہ بنانے کا حکم دیا۔[۱]

حضرت آدمؑ کا حج کرنا مسلّم ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی رہائش ہندوستان جیسے کسی دور دراز ملک میں نہیں تھی۔ اگرچہ بعض روایات میں ان کا ہندوستان میں اترنے کا ذکر کیا گیا ہے☆ لیکن ہمارے نزدیک ان روایات کی صحت ثابت نہیں ہے۔[۲]

(۲) بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت آدمؑ نجف[۳] میں غری کے مقام پر دفن کئے گئے تھے۔ حضرت خاتم الانبیاءؐ سے مروی بعض روایت میں ہے کہ ہر نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن کیا جاتا ہے۔[۴]

مذکورہ بالا روایات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت آدمؑ کی جنت فرات کے قریب دجلہ میں ہی تھی اور جب انہیں وہاں سے نکالا گیا تو وہ وہیں کہیں رہائش پذیر ہوگئے۔ اس کے بعد خدا نے اس جنت کو اجاڑ دیا اور اس کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ حضرت آدمؑ نے مختلف پودوں اور درختوں سے اپنی نئی جنت بنائی تھی۔ واللہ اعلم۔

جب عزت، ذلت میں تبدیل ہوئی

ابلیس ملائکہ کے ساتھ مل کر خدا کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کیا کرتا تھا۔ وہ فرشتوں کی طرح آن واحد کے لئے خدا کی نافرمانی نہیں کرتا تھا۔ اتنے میں خدا نے خلافت آدمؑ کا اعلان کیا۔ فرشتوں نے خدا سے خلافت آدمؑ کی حکمت دریافت کی تو خدا نے انہیں اپنی حکمت سے آگاہ فرمایا۔ پھر انہیں حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ فرشتوں نے خدا کے حکم کی تعمیل کی لیکن ابلیس جو اب تک اطاعت کا پیکر بنا ہوا تھا، اچانک بگڑ گیا اور اس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے کو اپنی توہین جانا۔ اس نے اپنے نفس کی خواہش کو مقدم رکھا اور حکم پروردگار کی خلاف ورزی کی۔ وہ اپنے سوءِ تقدیر کی وجہ سے فرشتوں کی بزم سے نکالا گیا۔ فرشتوں کے سلسلے میں قرآن مجید بتاتا ہے: **لا یعصون اللہ ما امرھم وھم بامرہ یعملون** ۞ وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

☆ ہندوستان کے جنوب میں سری لنکا (سیلون، سراندیپ) کے کوہ کنڈیان پر واقع Adam's Peak کی طرف اشارہ ہے جہاں کی روایت کے مطابق حضرت آدمؑ کے نقش قدم موجود ہیں۔

۱۔ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۱۶۷۔

۲۔ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۱۸۰، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۱۱۔

۳۔ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۲۶۸۔ (غری کا بگڑا شدہ غروی کہلاتا ہے)

۴۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۷۱، سنن ترمذی کتاب الجنائز، باب ما جاء فی قتلی أحد ج ۳ ص ۳۳۵۔

جیسے اس عظیم درجے سے گر گیا اور اس طبقے کا فرد بنا جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور خدا کی نافرمانی کرتے ہیں۔ چنانچہ اسے اس کی نافرمانی کی یہ سزا ملی کہ خدا نے اسے بزم ملکوت سے نکال دیا اور فرمایا فاهبط منها فما یکون لک ان تتکبر فیها یہاں سے اتر جا۔ تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے۔ (سورہ اعراف آیت ۱۳)

جب خدا اس پر غضبناک ہوا تو وہ اپنی غلطی پر نادم نہیں ہوا اور توبہ کرنے کی بجائے بولا انظرنی الی یوم یبعثون ۝ قال انک من المنظرین ۝ مجھے قیامت تک کی مہلت دیدے۔ فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ (سورہ اعراف آیت ۱۴، ۱۵) اور جب وہ اپنے رب سے مہلت لے چکا تو اپنے ارادے کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ دیکھ بھلا جسے آج تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اس کا حال میں اس کی نسل سے یوں لوں گا کہ ان کے منہ میں لگام ڈال دوں گا اور ان کو آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے اور بائیں سے غرض ہر طرف سے بہکاؤں گا اور ان کے برے اعمال کو ان کے لئے مزین کر کے دکھاؤں گا پھر تو خود ہی دیکھ لینا کہ ان کی اکثریت تیری شکرگزار نہیں ہوگی۔

خدا نے اس سے کہا جا یہاں سے نکل جا۔ میں تجھے اور جو لوگ تیری پیروی کریں گے ان سب کو جہنم میں جھونک دوں گا۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۶۳)

یوں بزم فرشتگان میں رہنے والا اپنے اختیار سے خدا کے نافرمانوں میں شامل ہو گیا۔ اس نے درگاہ پر دستک دینے کو اپنی انا کے خلاف جانا اور اپنے اختیار کی وجہ سے مخلوق کو گمراہ کرنے کے پست ترین درجے میں جا گرا۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کی دانشمندی

خدا نے حضرت آدمؑ کی تخلیق مکمل کی اور ملائکہ سے ان کا سجدہ کروایا۔ پھر اس نے حوّا کو پیدا کیا۔ بعد ازاں دونوں کو جنت میں سکونت دی۔ اس جنت کا زمین پر ہونا ضروری تھا کیونکہ خدا نے حضرت آدمؑ کو اسی زمین کی مٹی سے پیدا کیا تھا اور اسی زمین پر اس کو خلیفہ بنایا تھا۔ کتاب و سنت میں ایسی کوئی نص نہیں ہے جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد انہیں کسی دوسرے سیارے میں منتقل کیا ہو اور بعد ازاں انہیں اس سیارے سے دوبارہ زمین پر منتقل کیا ہو۔

اس دلیل سے ہمارا یہ موقف ثابت ہوتا ہے کہ جنت آدم زمین پر تھی کیونکہ اس جنت کی خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ تم یہاں نہ بھوکے رہو گے اور نہ برہنہ۔ نہ تمہیں پیاس ستائے گی اور نہ دھوپ۔

خدا نے حضرت آدم اور حضرت حوّا سے کہا کہ اس جنت میں تم جہاں سے جو کھانا چاہو کھاؤ ہمارے

لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے البتہ اس ممنوعہ درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ حضرت آدم کو خدا نے یہ بتا دیا تھا کہ ابلیس ان کا اور ان کی بیوی کا دشمن ہے لہذا وہ اس سے ہوشیار رہیں [illegible] اس کے دھوکے میں نہ آئیں ورنہ وہ انہیں جنت سے نکلوا دے گا۔

اور جب ابلیس نے حضرت آدم کے سامنے خدا کی جھوٹی قسم کھا کر کہا کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے تو حضرت آدم اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے اور انہوں نے بے اختیار سے اس ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا جس کے نتیجے میں انہیں جنت کے عیش و آرام کو کھونا پڑا اور جنت کے آرام کی بجائے دنیا کی تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔ انہیں دنیا میں رہ کر جنت یا جہنم کا سامان فراہم کرنے کا مکلف ہونا پڑا۔

اس طرح سے ایک انسان نے اس بار امانت کو اٹھایا جس کا تذکرہ قرآن میں یوں ملتا ہے

انا عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال ... بے شک ہم نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کیا اور خوف ظاہر کیا مگر انسان نے اسے اٹھا لیا بلاشبہ وہ ظالم اور جاہل تھا۔ (یہ امانت اس لئے پیش کی گئی تھی) کہ خدا منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر مہربانی کرے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ احزاب، آیت ۷۲-۷۳)

یہاں امانت سے مراد وہ شرعی تکالیف ہیں جن سے نفس انسانی کو مزین ہونا چاہئے۔

آسمانوں اور زمین پر امانت پیش کرنے سے مراد ہے کہ خدا نے اس امانت کو غیر مکلف مخلوق کے سامنے پیش کیا۔ امانت کو پیش کرنا اور انسان کا قبول کرنا مخلص اور برگزیدہ افراد کے چناؤ کا مقدمہ تھا۔

حضرت آدم سے اس بار امانت کے نبھانے میں خطا ضرور ہوئی تھی جس کے [illegible] میں شیطان کے وسوسے سے متاثر ہونا شامل ہے اور حضرت آدم سے یہ خطا اس وقت [illegible] جنت میں تھی ہوئی تھی یعنی جب وہ جنت سے باہر آ کر دنیا میں آئے اور انہوں نے خلافت الہیہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو ان سے کوئی خطا اور گناہ نہیں ہوا کیونکہ انبیاء کے لئے عصمت شرط ہے۔ ثانیاً اس گناہ میں یہ [illegible] بھی پنہاں ہے کہ اگر حضرت آدم یہ گناہ (ترک اولیٰ) نہ کرتے تو جس خلافت کا خدا نے انہیں تاج پہنانا تھا [illegible] وہ اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو پاتے اس لئے ممکن ہے کہ حضرت آدم کا گناہ خدا کے اعلان کو عملی جامہ پہنانے کا ذریعہ بنا ہو۔

آغاز خلقت کی کہانی، معصومینؑ کی زبانی

(۱) حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے احمد، ابن سعد، ابوداؤد، ترمذی نے بیہقی نے یہ روایت کی ہے کہ خدا نے آدمؑ کو ایک مٹھی خاک سے پیدا کیا تھا جو تمام روئے زمین سے لی گئی تھی باعث ہے کہ زمین کے اثر سے فرزندان آدمؑ میں کوئی سرخ ہے، کوئی سفید ہے کوئی سیاہ ہے کوئی درمیانی رنگ (گندمی سانولا وغیرہ) کا ہے۔[۱]

ابن سعد نے حضرت رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ جب آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو ان کی شرمگاہ ان پر ظاہر ہوگئی۔ اس سے قبل آدمؑ نے اپنی شرمگاہ نہیں دیکھی تھی۔[۲]

شیخ صدوقؒ نے حضرت رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آدمؑ اور حواؑ جنت میں صرف سات گھنٹے رہے اور اسی دن خدا نے انہیں جنت سے باہر بھیج دیا۔[۳]

(۲) ۱۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنی ایک دعا میں فرماتے ہیں: خدایا! تو نے ملائکہ کو پیدا کیا اور انہیں اپنے آسمانوں میں جگہ دی۔ انہیں کسی طرح کی تھکاوٹ نہیں ستاتی۔ ان سے بھول چوک نہیں ہوتی۔ ان سے کوئی معصیت نہیں ہوتی۔ وہ سب مخلوق سے زیادہ تجھ کو جانتے ہیں۔ وہ سب مخلوق سے زیادہ تجھ سے ڈرتے ہیں۔ وہ سب مخلوق سے زیادہ تیرے قریب ہیں۔ وہ تیرے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ نیند سے ان کی آنکھیں بوجھل نہیں ہوتیں۔ ان کی عقلیں نہیں چوکتیں۔ ان کے بدن نہیں تھکتے۔ وہ صلبوں اور شکموں میں نہیں ٹھہرے۔ تو نے انہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا۔ تو نے انہیں خلق کر کے اپنے آسمانوں میں رہائش اور قرب بخشا۔ تو نے انہیں اپنی وحی کا امین بنایا۔ تو نے انہیں آفتوں اور بلاؤں سے بچایا۔ تو نے انہیں گناہوں سے پاک رکھا۔ اگر تو انہیں قوت فراہم نہ کرتا تو وہ طاقتور نہ ہوتے۔ اگر تو انہیں ثابت قدم نہ رکھتا تو وہ ثابت قدم نہ رہ سکتے۔ اگر تیری رحمت نہ ہوتی تو وہ اطاعت نہ کرتے۔ اگر تو نہ ہوتا تو وہ نہ ہوتے۔

مگر وہ تیری اطاعت، تیرے قرب، تیرے ہاں قدر و منزلت رکھنے اور تیرے امر سے غافل نہ رہنے کے باوجود بھی اگر وہ ان چیزوں کو دیکھتے جو تو نے ان سے مخفی رکھی ہیں تو وہ اپنے اعمال کو حقیر جانتے۔

۱۔ سنن ترمذی، ج ۱۲، حدیث ۱، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب القدر، حدیث ۴۶۹۳، ج ۴، ص ۲۲۲۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۴۰۰۔ طبقات ابن سعد مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی، ج ۱، ص ۴۵۔ یہاں ہم نے ترمذی کی روایت کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔

۲۔ طبقات ابن سعد طبع یورپ، ج ۱، ص ۱۰۔

۳۔ بحار الانوار مجلسی، ج ۱۱، ص ۱۴۲ بحوالہ خصال صدوق۔

[illegible] کا [illegible] خالق [illegible] مخلوق [illegible]

۲۔ تخلیق کائنات سے متعلق [illegible] شدہ [illegible] میں [illegible] طوفانی [illegible] بحر زخار کی موجیں تہ بہ تہ [illegible] پانی کے خیمے [illegible] پانی [illegible] سے [illegible] چکنا [illegible] ہوئی [illegible] صورت میں [illegible] پھر اس نے آسمان [illegible] کی پہنائیوں [illegible] میں [illegible] جو [illegible] چکر [illegible] میں [illegible] جو سیدھے [illegible] بندھے ہوئے ہیں جو [illegible] سے نہیں ہٹتے۔ کچھ [illegible] کی [illegible] کرنے والے ہیں [illegible] نہیں تھکتے [illegible] عقلوں میں [illegible] پیدا ہوتی ہے [illegible] جلال میں [illegible] کی عظمت طاری ہوتی ہے۔

[illegible] کی [illegible] کی طرف [illegible] سے [illegible] ہیں [illegible] پاس ہیں۔ [illegible] تہ میں جمے ہوئے ہیں [illegible] تصور نہیں کرتے [illegible] مخلوق [illegible] ہیں۔ [illegible]

۳۔ تخلیق انسان سے متعلق [illegible] اور [illegible] میں [illegible] پانی [illegible] اتنا [illegible] کہ وہ [illegible] کہ اس میں [illegible] ہوگئی [illegible] صورت بنائی [illegible] اور جوڑ [illegible] اور مختلف حصے ہیں۔ [illegible] وقت معین اور مدت معلوم تک [illegible] ان مختلف اجزا کا [illegible] جس سے انسان کی پیدائش ہوئی [illegible] مختلف [illegible] خیر و شر [illegible] پیدا ہوئی [illegible] یہ بتایا ہے کہ مٹی خشک [illegible] تھی [illegible] وقت [illegible] گئی تھی۔ [illegible] یہ مفہوم بھی ممکن ہے کہ [illegible] صورت [illegible] قیامت تک کے لئے اسے محفوظ [illegible] گا [illegible] پھونکی تو [illegible] صورت میں [illegible]

[illegible] ج۵۹، ص۵، [illegible] ص۵۹۳۔

ہوگئی جو قوتِ ذہن کو حرکت دینے والا، فکری حرکات سے تصرف کرنے والا، اعضا و جوارح سے خدمت لینے اور ہاتھ پیروں کو چلانے والا ہے۔ ایسی شناخت کا مالک ہے جس سے حق و باطل میں تمیز کر لیتا ہے۔ مختلف ذائقوں، بوؤں، رنگوں اور جسموں میں فرق کرتا ہے۔ رنگ برنگی شکل اور طرح طرح کی اشیا اور مخالف ضدوں اور متفرق خلطوں سے اس کا خمیر ہوا ہے یعنی گرمی، سردی، تری اور خشکی کا پیکر ہے۔"[1]

۴۔ جنات اور شیطان کے بارے میں بحار میں حضرت امیرؑ کا یہ قول ملتا ہے کہ جنات اور نسناس[2] کی تخلیق کو سات ہزار سال گزر چکے تھے جب خدا نے ارادہ کیا کہ وہ ایک مخلوق کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کرے تو اس نے آسمانی طبقات کے پردے ہٹا کر فرشتوں سے کہا کہ زمین پر بسنے والے جنات اور نسناس کو دیکھو۔ جب فرشتوں نے انہیں زمین پر نافرمانی اور ناحق خونریزی کرتے ہوئے دیکھا تو ان میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے کہا اے ہمارے رب! تو غالب، قادر، جبار، قاہر اور عظمت شان کا مالک ہے۔ یہ تیرے کمزور اور حقیر بندے تیرا رزق کھا کر جی رہے ہیں، تیری زمین پر تیرے اختیار سے چل رہے ہیں اور تیری دی ہوئی پناہ میں زندگی گزار رہے ہیں پھر بھی بدترین گناہ کر رہے ہیں مگر تو ان پر عذاب نازل نہیں کر رہا جبکہ تو سب کچھ دیکھ رہا ہے اور سن رہا ہے۔ ہمارے لئے ان کے عمل ناقابل برداشت ہیں۔

خدا نے فرشتوں کی یہ گفتگو سنی تو فرمایا **اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ○** میں زمین میں اپنا جانشین بنا رہا ہوں جو میری زمین پر میری مخلوق پر میری حجت ہوگا۔ یہ سن کر فرشتوں نے عرض کیا **اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ○** کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے جبکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا اے ہمارے رب! تو ہم میں سے خلیفہ مقرر فرما کیونکہ ہم فساد نہیں کرتے اور خون نہیں بہاتے۔

خدا نے ان سے فرمایا **اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○** جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ میں اپنے دستِ قدرت سے ایک بشر بنا رہا ہوں جس کی نسل سے انبیائے مرسلین، عباد صالحین اور ہدایت یافتہ ائمہ پیدا ہوں گے۔ میں انہیں زمین پر اپنی حجت بناؤں گا۔ وہ لوگوں کو نافرمانی سے منع کریں گے اور انہیں میرے عذاب سے ڈرائیں گے۔ وہ انہیں میری اطاعت کی طرف رہنمائی کریں گے اور میرے سیدھے راستے پر چلائیں گے۔ میں انہیں لوگوں کا عذر ختم کرنے اور تبلیغ کے لئے اپنی حجت قرار دوں گا۔ میں زمین سے نسناس کو ختم کردوں گا اور سرکش جنات کو اپنی اس مخلوق سے جدا کردوں گا۔ میں انہیں ہوا اور زمین کے اطراف میں رہائش دوں گا۔ وہ میری اس مخلوق کے ساتھ زندگی بسر نہیں کریں گے اور ان کے ساتھ معاشرت نہیں رکھیں گے۔ میری اس مخلوق کی جو اولاد میری نافرمانی کرے گی میں اسے نافرمانوں کے مساکن میں ٹھہراؤں گا اور اسے ان کے مقامات پر اتاروں گا اور ان کی کوئی پروا نہیں کروں گا۔ یہ سن کر فرشتوں نے عرض کیا اے ہمارے رب! تو مالک و مختار ہے جو چاہے کرے۔ **لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○** ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو

۱۔ تفصیلی خطبہ ضمیمہ اصول ص ۳۱۰ پر دیکھئے۔ ۲۔ نسناس ایک مخلوق تھی جس کی حقیقت کا ہمیں علم نہیں ہے۔

سے ہمیں علم بخشا ہے۔ بے شک تو عالم اور دانا ہے۔[1]

۵۔ حضرت امیرؑ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیلؑ روح نہیں ہیں۔ وہ فرشتہ ہیں۔ روح ان سے علاوہ ہے۔ قرآن کہتا ہے: یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ ○ وہی فرشتوں کے ساتھ روح (پیغام) دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ روح اور فرشتے الگ الگ مخلوق ہیں۔ قرآن کہتا ہے: لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس شب میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں۔ (سورۂ قدر آیت ۳و۴) ایک اور جگہ ارشاد باری ہے: یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَةُ صَفًّا ○ جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ (سورۂ نبا آیت ۳۸)

جس وقت خدا اور فرشتوں کے مابین مکالمہ ہو رہا تھا اس وقت حضرت جبرئیلؑ بھی فرشتوں کی صف میں کھڑے ہوئے تھے: اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ میں گیلی مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔ جب میں اس کی نوک پلک درست کروں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ (سورۂ ص آیت ۷۱و۷۲) چنانچہ حضرت جبرئیلؑ نے فرشتوں کے ساتھ مل کر حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا۔

حضرت مریمؑ کے متعلق خدا فرماتا ہے: فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ○ ہم نے مریمؑ کی طرف اپنی روح کو بھیجا جو ان کے سامنے انسان کی صورت بن کر نمودار ہوا۔ (سورۂ مریم آیت ۱۷)

خدا نے اپنے حبیب پاکؐ سے فرمایا: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ○ عَلٰی قَلْبِکَ ○ اس کو روح الامین لے کر اترا ہے۔ (یعنی جبرئیلؑ نے) آپ کے دل پر القا کیا ہے۔ پھر خدا نے فرمایا: لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ○ تاکہ آپ (لوگوں کو عذاب آخرت سے) خبردار کر دیں۔ یہ (القا) فصیح عربی زبان میں کیا ہے۔ (سورۂ شعراء آیت ۱۹۳تا۱۹۵)

اصل روح ایک ہے مگر اس کی صورتیں مختلف ہیں۔[2]

اس ساری بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جو حضرت آدمؑ میں پھونکی گئی تھی وہ بھی روح تھی اور جسے حضرت مریمؑ کے پاس بھیجا گیا تھا وہ بھی روح تھی اور فرشتہ وحی جسے لے کر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ قدس میں شرفیاب ہوتا تھا وہ بھی روح تھی۔ اسی طرح خدا نے جس کے ذریعے حضرت عیسیٰؑ کی تائید کی تھی وہ بھی روح القدس تھی اور جو قیامت کے دن ملائکہ کے ساتھ صف بستہ کھڑی ہوگی وہ بھی روح ہوگی۔

مکہ معظمہ میں لوگوں نے رسول اللہؐ سے روح کے بارے میں پوچھا تو: وَیَسْـَٔلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ○ وہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے

۱۔ بحارالانوار جلد ۶۳ ص ۹۶ بحوالہ علل الشرائع ج ۱ ص ۹۸۔ ۲۔ المقارنات والتفسیر، ص ۱۰۷، طبع بیروت، ۱۳۹۵ھ۔

رب کے امر میں سے ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۵) واللہ اعلم۔

خدا ہمیں شیطان کی چالوں اور قلم کی لغزشوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔

۹۔ حضرت امیر فرماتے ہیں۔ فرشتوں نے حضرت آدم کو جو سجدہ کیا تھا وہ اطاعت کا سجدہ تھا اس سے حضرت آدم کی عبادت مقصود نہیں تھی۔ اس سجدے کا مقصد حضرت آدم کی فضیلت اور ان پر خدا کی خصوصی رحمت کا اعتراف کرنا تھا۔[1]

حضرت امیر ملائکہ کی مندرجہ ذیل چار اقسام بتاتے ہیں

(۱) عبادت گزار فرشتے۔ ان میں سے کچھ رکوع میں ہیں، کچھ سجود میں، کچھ صف بستہ کھڑے ہیں اور تسبیح پڑھ رہے ہیں

(۲) وحی کے امین فرشتے۔ یعنی وحی لانے والے، انبیاء کی بات پہنچانے والے اور خدا کے فیصلوں و احکام کو نافذ کرنے والے۔ خدا جس کام کا بھی فیصلہ کرتا ہے ان ہی کے ذریعے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔

(۳) بندوں کے محافظ فرشتے۔ ان کی حیثیت انسانی جسم کے دفاع میں موجود قوتوں کی سی ہے۔ خدا ان کے ذریعے بندوں کو آفتوں اور مصیبتوں سے بچاتا ہے۔ اگر یہ فرشتے نہ ہوتے تو بندوں کو عافیت بہت کم نصیب ہوتی اور تکلیفیں زیادہ اٹھانا پڑتیں۔ خدا کی رحمت کا شمار بھی ان فرشتوں میں ہوتا ہے۔

(۴) حاملین عرش فرشتے۔ یہ فرشتے دنیا کے انتظامی امور مثلاً بارش برسانے اور نباتات اگانے جیسے امور پر مامور ہیں۔ اس کے علاوہ عالم کی مخلوقات سے متعلق ایسے امور انجام دیتے ہیں جو لطف ربوبیت سے متعلق ہیں۔

(۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام **وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي** کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اس روح کو خدا نے پسند کیا، منتخب کیا، پیدا کیا اور اپنی طرف منسوب کیا اور تمام ارواح پر فضیلت بخشی۔"[2]

آپ ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں: خدا نے اس کی نسبت اپنی طرف اس لئے کی کہ خدا نے اسے دوسری ارواح سے چن لیا تھا۔ یہ نسبت اظہار شرف کے لئے ہے جیسا کہ خدا نے کعبہ کو چنا اور اسے اپنا گھر قرار دیا اور اپنے ایک رسول کو چنا اور خلیل کہا۔ ورنہ روح، کعبہ اور خلیل سب کے سب مخلوق، مصنوع، حادث، مربوب اور مدبر شدہ ہیں۔[3]

راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اس روح کے متعلق پوچھا جو حضرت آدم و حضرت عیسیٰ میں پھونکی گئی تھی تو امام نے فرمایا: وہ دونوں خدا کی پیدا کردہ روحیں تھیں جنہیں خدا نے پسند کیا تھا اور چن لیا تھا۔ آدم و عیسیٰ کی روحیں خدا کی پسندیدہ اور چنیدہ روحیں تھیں۔[4]

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام **فبدت لهما سوآتهما** کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ان کی شرمگاہیں

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۳۹۔
۲۔ بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۱۔
۳۔ بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۲، بحوالہ معانی الاخبار و توحید صدوق۔
۴۔ بحار الانوار، ج ۴، ص ۱۳۔

ان سے پہلے نکلی ہوئی تھیں یعنی مدور تھیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام روایت ہیں: جب حضرت آدم جنت سے نکالے گئے تو جبرائیل ان کے پاس آئے اور کہا: اے آدم! کیا خدا نے تمہیں اپنے دست قدرت سے نہیں بنایا تھا؟ کیا اس نے تم میں اپنی روح نہیں پھونکی تھی؟ کیا اس نے تمہارے لئے ملائکہ سے سجدہ نہیں کرایا تھا؟ کیا اس نے اپنی کنیز حوا سے تمہارا نکاح نہیں کیا تھا؟ کیا اس نے تمہیں جنت میں نہیں رکھا تھا؟ کیا اس نے تمہارے لئے تمام جنت کو مباح نہیں کیا تھا؟ کیا اس نے تم سے بالمشافہ یہ نہیں کہا تھا کہ اس درخت کا پھل مت کھانا؟ مگر اس کے باوجود تم نے اس کا پھل کھایا اور خدا کی نافرمانی کی۔ حضرت آدم نے کہا: اے جبرائیل! بات یہ ہے کہ ابلیس نے میرے سامنے خدا کی قسم کھائی تھی کہ وہ میرا خیر خواہ ہے اور میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی خدا کی جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے۔[1]

توبہ آدم کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب خدا نے حضرت آدم کی توبہ قبول کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے جبرائیل کو ان کے پاس بھیجا۔ جبرائیل نے ان سے کہا: سلام ہو آپ پر اے آدم! اے اپنی مصیبت پر صبر کرنے والے اور اپنے گناہ سے توبہ کرنے والے! خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں ان مناسک کی تعلیم دوں جن کی وجہ سے تمہاری توبہ قبول ہو سکے۔ پھر جبرائیل نے ان کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے چلے یہاں تک کہ بیت الحرام کے مقام پر پہنچے۔ اس وقت آسمان سے ایک بادل آیا۔ جبرائیل نے کہا کہ جس جگہ یہ بادل تم پر سایہ کرے اس جگہ پر اپنے پاؤں سے ایک خط کھینچو۔ پھر جبرائیل ان کو منیٰ لے گئے اور انہیں مسجد منیٰ کا مقام دکھایا۔ حضرت آدم نے وہاں خط کھینچا۔ پھر وہ انہیں عرفات لے گئے اور وہاں ان حدود پر خط کھینچا۔ پھر جبرائیل نے کہا: عرفات میں رہنے والوں نے ... کہ جب سورج ڈوب جائے تو سات مرتبہ اپنے گناہ کا اعتراف کرو۔ حضرت آدم نے ایسا ہی کیا۔[2]

(۵) امام علی رضا علیہ السلام نے خلقت بیدی کی یہ تفسیر فرمائی ہے کہ "میں نے تمہیں اپنی قدرت و قوت سے پیدا کیا ہے۔"[3]

ایک مرتبہ مامون نے آپ سے پوچھا: فرزند رسول! کیا آپ انبیاء کو معصوم مانتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: ہاں۔

مامون نے کہا: پھر **وعصی آدم ربہ فغوی** کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا:

جب خدا نے حضرت آدم کو جنت میں رہائش کی اجازت مرحمت فرمائی تھی تو فرمایا تھا: تم دونوں جنت میں رہو اور جہاں سے جو تمہارا جی چاہے کھاؤ مگر اس درخت کے قریب مت جانا۔

خدا نے گندم کے درخت کی طرف اشارہ کیا تھا اور کہا تھا ورنہ تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

۱۔ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۱۶۰ بحوالہ تفسیر قمی ص ۳۴۳۔ ۳۔ بحار الانوار ج ... ص ۲۴۳

۲۔ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۱۶۷۔ ۴۔ عیون اخبار الرضا ص ۱۰۸

خدا نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم اس درخت سے یا اس کی جنس کے کسی درخت سے بچنا۔ حضرت آدمؑ اور حوا اس مخصوص درخت کے قریب نہیں گئے تھے۔ انہوں نے اس کی جنس کے ایک اور درخت سے کھایا تھا۔ نیز یہ مغالطہ بھی اس لئے ہوا تھا کہ شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال کر کہا تھا کہ خدا نے تمہیں اس درخت سے نہیں روکا تھا بلکہ اس نے تو دوسرے درخت سے تمہیں روکا تھا۔ اس نے تمہیں اس درخت کے قریب جانے سے روکا تھا، اس کا پھل کھانے سے تو نہیں روکا تھا۔ اگر تم نے اس کا پھل کھایا تو تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ تم فرشتے بن جاؤ گے یا تمہیں زندگی جاوید مل جائے گی۔ اور اس نے ان دونوں کے سامنے خدا کی قسم کھائی تھی کہ وہ ان کا خیرخواہ ہے۔

چونکہ حضرت آدمؑ اور حوا نے پہلے کسی کو خدا کی جھوٹی قسم کھاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ دھوکے میں آ گئے۔ انہوں نے خدا کی قسم پر اعتماد کیا اور یہ واقعہ حضرت آدمؑ کی "نبوت سے پہلے" کا ہے۔[1]

خلاصۂ بحث

ہم نے خدا کی جس مخلوق کا تذکرہ کیا ہے بلحاظ ہدایت اس کی چار قسمیں ہیں

(۱) وہ مخلوق جس میں حیات، موت، ارادہ اور عقل و شعور موجود ہے لیکن نفس امارہ نہیں ہے یعنی فرشتے۔

(۲) وہ مخلوق جس میں حیات، موت، ارادہ، عقل و شعور اور نفس امارہ موجود ہے، اس کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) انسان — جو مٹی سے بنا ہے۔

(ب) جن — جو زہریلی آگ سے بنا ہے۔

(۳) وہ مخلوق جس میں حیات، موت اور ارادہ موجود ہے لیکن عقل و شعور نہیں ہے یعنی حیوان۔

(۴) وہ مخلوق جس میں حیات تو ہے لیکن حیوانی حیات، اور عقل و ارادہ نہیں ہے مثلاً نباتات، پانی، سورج، چاند ستارے اور دیگر اجرام فلکی۔

خداوند عالم نے اپنی حکمت سے ان تمام مخلوقات کے لئے ایک مستقل نظام مقرر کیا ہے جس کی وجہ سے ہر مخلوق اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ ذرا سوچئے کہ وہ کون ہے جس نے ہر نوع کا الگ الگ نظام تشکیل دیا ہے اور اس کا نام کیا ہے؟ ایسے ہی تمام مسائل پر ہم آگے ربوبیت کی بحث میں گفتگو کریں گے۔

۱۔ بحارالانوار، ج ۱۱، ص ۱۶۴۔ بحوالہ عیون اخبار الرضا، ص ۵۸۔

تصور ربوبیت

رب کی اصطلاح اسلام کی اہم اصطلاحات میں سے ایک ہے اور ہمارے عقیدہ صحیحہ کی تعمیر کیلئے اس مفہوم کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات، خدا، رسول، وحی، رسول و قیامت کی معرفت کا دارومدار اسی لفظ کے مفہوم پر منحصر ہے نیز موحد و مشرک کی پہچان کیلئے بھی اس لفظ کو سمجھنا ضروری ہے۔

رب کے لغوی معنی

ربّہ یربّہ اس نے اس کی تربیت کی اور اس کے امور کی تدبیر کی۔ رب، مربی کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ نیز یہ لفظ مالک اور مالک مکان کے معنی بھی دیتا ہے۔ مثلاً رب الضیعۃ کا مطلب ہے کھیتی کی تدبیر کرنے والا یا کھیتی کا مالک اور رب الفرس کا مطلب ہے گھوڑے کا مربی یا اس کا مالک

رب کے اصطلاحی معنی

رب اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے جس کا مطلب ہے مخلوق کا خالق اور مالک جو مخلوق کی زندگی کا انتظام تشکیل دیتا ہے، ہر حال میں اس کی تربیت کرتا ہے اور اس کو کمال تک پہنچاتا ہے[1]

لفظ رب قرآن مجید میں لغوی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی قرینہ ضرور موجود ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے لفظی اور لغوی معنی مراد ہے مثلاً حضرت یوسفؑ فرماتے ہیں ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ○ بھلا بتاؤ کہ جدا جدا مالک بنا لینا اچھا ہے یا ایک ہی خدائے قہار کا بندہ بننا" (سورہ یوسف، آیت ۳۹)

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّہٗ نَاجٍ مِّنْھُمَا اذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ ○ "دونوں آدمیوں میں سے جس کی نسبت (یوسف نے) سمجھا کہ وہ رہائی پائے گا اس سے کہا کہ اپنے مالک سے میرا ذکر بھی کرنا۔ (سورہ یوسف، آیت ۴۲) اور جب لفظ رب کسی اضافت کے بغیر مطلق بولا جائے تو اس سے صرف خداوند عالم کی ذات اقدس مراد ہو [illegible]

[1]. راغب نے لغوی اور اصطلاحی معنوں کا فرق بیان کیا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں رب اس مربی کو کہتے ہیں جو ہر چیز [illegible] اس کی طرف سے جائے۔ صاحب [?] نے رب کا صرف لغوی مفہوم بیان کیا ہے۔

سے جیسا کہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے

بلدۃ طیبۃ ورب غفور ۝ پاک شہر اور بخشنے والا رب۔ (سورۃ سبا آیت ۱۵)

لغت عرب اور اسلامی اصطلاح میں لفظ رب مالک اور مربی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں [illegible] موجودات کی [illegible] تربیت کر کے اسے منزل بمنزل کمال تک پہنچانے والے کو رب کہتے ہیں۔ اور یوں لفظ مربی اپنے کمالی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ [illegible] رب کے دو معنی [illegible] معنی کے دو اجزا ہیں۔

راغب اصفہانی القوہ کے مادہ میں لکھتے ہیں

جو لفظ دو معانی کے لئے وضع کیا گیا ہے اور دو معانی دیتا ہے۔ مثلاً مادہ کا مطلب [illegible] بھی ہے اور [illegible] موجود [illegible] بھی۔ [illegible] دونوں کو [illegible] کہا جاتا ہے۔

[illegible] دعائے کمیل میں بڑی خوبصورتی سے لفظ رب لغوی اور اصطلاحی دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے [illegible]

یا رب ارحم ضعف بدنی ورقۃ جلدی ودقۃ عظمی یا من بدء خلقی وذکری وتربیتی وبری وتغذیتی هبنی لابتداء کرمک وسالف برک بی یا الهی وسیدی وربی اتراک معذبی بنارک بعد توحیدک [illegible] بعد ما انطوی علیه قلبی من معرفتک [illegible] اے پروردگار میرے [illegible] جسم، میری نازک جلد اور میری نازک ہڈیوں پر رحم فرما [illegible] مجھے پیدا کیا [illegible] میری نشوونما اور بقا کا انتظام کیا [illegible] مجھے [illegible] جس طرح [illegible] سے پہلے مجھ پر [illegible] اور [illegible] کی [illegible] وہ چھوڑ [illegible] اے میرے معبود اے میرے مالک اے میرے پروردگار کیا تو مجھے اپنی آتش جہنم میں جلانے گا، جبکہ میں تیری توحید کا اقرار کرتا ہوں۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ [illegible] [illegible]

دعائے عرفہ میں جو [illegible] عصر کے وقت پڑھی جاتی ہے لفظ رب کی تشریح کرتے ہوئے [illegible]

اللهم انی ارغب الیک واشهد بالربوبیة لک مقرا بانک ربی وان الیک مردی ابتدأتنی بنعمتک قبل ان اکون شیئا مذکورا وخلقتنی من التراب ثم اسکنتنی الاصلاب [illegible] فابتدعت خلقی من منی یمنی واسکنتنی فی ظلمات ثلاث بین لحم ودم وجلد لم تشهدنی خلقی ولم تجعل الی شیئا من امری ثم اخرجتنی للذی سبق لی من الهدی الی الدنیا تاما سویا وحفظتنی فی المهد طفلا صبیا ورزقتنی من الغذاء لبنا مریا وعطفت علی قلوب الحواضن وکفلتنی الامهات الرواحم وکلاتنی من طوارق الجان وسلمتنی من الزیادة والنقصان فتعالیت یا رحیم یا رحمن حتی اذا استهللت ناطقا بالکلام اتممت علی سوابغ الانعام وربیتنی زائدا فی کل عام حتی اذا اکتملت فطرتی [illegible] وانا اشهد یا الهی بحقیقة ایمانی وعقد عزمات یقینی وخالص صریح توحیدی وباطن مکنون ضمیری وعلائق مجاری نور بصری واسارير صفحة جبينی وخرق مسارب نفسی وخذاریف مارن عرنینی ومسارب سماخ

اسی طرح سے عربی زبان میں رب کے معنی کبھی مالک اور کبھی مربی کے ہوتے ہیں۔ اردو کی اصطلاح میں یہ لفظ صرف مالک مربی کے معنی میں آتا ہے۔ کبھی یہ لفظ ... معنی کے لیے ... جو شخص کا مرتبہ حیثیت تعظیم ... اس کے لیے بھی بولا جاتا ہے مثلاً اتخذوا احبارهم و رهبانهم اربابا من دون الله ○ انہوں نے علماء ... و مشائخ کو اپنا رب بنا لیا ہے (سورۂ توبہ آیت ۳)

سمعي وما ضمت واطبقت عليه شفتاي وحركات لفظ لساني ومغرز حنك فمي وفكي ومنابت اضراسي ومساغ مطعمي ومشربي وحمالة ام راسي وبلوغ فارغ حبائل عنقي وما اشتمل عليه تامور صدري وحمائل حبل وتيني ونياط حجاب قلبي وافلاذ حواشي كبدي وما حوته شراسيف اضلاعي وحقاق مفاصلي وقبض عواملي واطراف انأملي ولحمي ودمي وشعري وبشري وعصبي وقصبي وعظامي ومخي وعروقي وجميع جوارحي وما انتسج على ذلك ايام رضاعي وما اقلت الارض مني ونومي ويقظتي وسكوني وحركات ركوعي وسجودي ان لو حاولت واجتهدت مدى الاعصار والاحقاب لو عمرتها ان اؤدي شكر واحدة من انعمك ما استطعت ذلك

میرے معبود! میں ... اس نیت سے ... پاس آیا ہوں ... تیری ربوبیت کی گواہی دیتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ تو ہی میرا رب ہے ... میری ... طرف ... پلٹنا ہے۔ تو نے مجھ پر اپنی نعمت کا آغاز اس وقت سے کیا جب میں کچھ بھی نہ تھا ... تو نے مجھے مٹی سے پیدا کیا ... پھر مجھے ... ٹھہرایا ... زمانے کے حوادث ... سے امان میں رکھا ... مجھ کو ... گوشت ... اور ... میں تین تاریک پردوں (شکم، رحم، بچہ دانی کی جھلی = مشیمہ) میں جگہ دی ... مجھے اپنی خلقت ... اور میرے معاملات کو اپنے ہاتھوں میں رکھا، پھر تو نے دنیا میں بھیجا تو ... ساتھ ... میری ... مجھے غذا بہم پہنچائی ... میں ... نعمت ... مہربان بنا دیا، میری پرورش کا ذمے دار بنایا، جنات کے آسیب ... سے بچائے ... یہاں تک کہ میں بولنے لگا ... تو نے مجھ پر اپنی بہترین نعمتیں پوری کیں ... سال ... جسم بڑھایا یہاں تک کہ میری جسمانی ساخت معتدل ہوگئی

... میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر میں ایمان کی حقیقت ... یقین ... خالص توحید، ضمیر کے پوشیدہ ... بینائی ... نقوش ... کی ... ناک کی ... پردوں ... بند ہونے ... ہونٹوں ... زبان کی حرکات ... تالو ... دانتوں ... جبڑوں ... کی جگہوں ... کھانے پینے کا ... دماغ کو سنبھالنے والی ہڈیوں ... گردن ... سینہ ... دل ... جگر ... ٹکڑوں ... پسلیوں ... جوڑوں کے حلقوں ... انگلی کے پوروں اور ... گوشت ... خون ... بال، جلد ... رگوں ... اور ... ہڈیوں، ... گودوں ... پر پڑنے والے ... بوجھ ... اپنی ... کی حرکات و سکنات پر تیرا شکر ادا کرنا چاہوں ... زندگی کوشش ... عمر بھی ... تب بھی میں ... نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا

ربُّ العالمین کون ہے؟

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ سبح اسم ربک الاعلی ○ الذی خلق فسوی ○ والذی قدر فھدی ○ والذی اخرج المرعی ○ فجعلہ غثاء احوی ○ بنام خدائے رحمن و رحیم۔ (اے پیغمبر) اپنے رب اعلیٰ کی تسبیح بیان کرو جو حواس و قیاس سے بالاتر ہے۔ جس نے (انسان کو) بنایا اور بالکل ٹھیک بنایا۔ اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا پھر (اس کو) سیدھا راستہ دکھایا۔ اور جس نے چارہ اگایا۔ پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا۔ (سورہ اعلیٰ آیت ۱تا۵)

۲۔ ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی ○ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو صحیح اندازے کے مطابق درست بنایا اور پھر اسے ہدایت دی۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۰)

۳۔ خلق کل شیء فقدرہ تقدیرا ○ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور صحیح اندازے کے مطابق درست بنایا۔ (سورہ فرقان آیت ۲)

۴۔ وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملائکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صدقین ○ قالوا سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم ○ اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔ پھر ان کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے۔ ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں علم بخشا ہے۔ بیشک تو علم اور حکمت والا ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۳۱تا۳۲)

۵۔ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم و موسی و عیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (اے پیغمبر) اس نے تمہارے دین کی وہی شریعت مقرر کی جس کا حکم نوح کو دیا تھا۔ اور جس کی (اے پیغمبر) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ (سورۂ شوریٰ آیت ۱۳)

۶۔ انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ و اوحینا الی ابرھیم و اسمعیل و اسحاق و یعقوب والاسباط و عیسی و ایوب و یونس و ھارون و سلیمان و اتینا داود زبورا ○

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ○ رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ (اے پیغمبرؐ) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی اور ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، اولاد یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی اور داؤدؑ کو ہم نے زبور بھی عطا کی تھی۔ کچھ رسولوں کے حالات ہم آپ کو بتا چکے ہیں اور کچھ رسولوں کے حالات ہم نے بیان نہیں کئے۔ اور موسیٰؑ سے تو خدا نے باتیں بھی کیں۔ سب رسولوں کو ہم نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجا تھا (سورہ نساء آیت ۱۶۳ تا ۱۶۵)۔

۷۔ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنْزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ ○ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِلنَّاسِ وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ (اے پیغمبرؐ) اس نے تم پر سچی کتاب اتاری ہے جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل اتاری۔ (یعنی) پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے (تورات اور انجیل اتاری) اور (پھر حق و باطل کو) الگ الگ کر دینے والا (قرآن) نازل کیا۔ (سورہ آل عمران آیت ۳،۴)

۸ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ (سورہ ذاریات آیت ۵۶)

۹ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ○ اے گروہ جن و انس! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آتے رہے جو ہماری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور آج کے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ (پروردگار) ہم خود اپنے خلاف گواہ ہیں۔ ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور اب یہ خود اپنے اوپر گواہ ہیں کہ وہ کفر کرتے تھے۔ (سورۂ انعام آیت ۱۳۱)

۱۰۔ وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ○ قَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ ○ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ○ وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءُ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ○ (اے پیغمبرؐ) ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ قرآن سنیں۔ پس جب وہ حاضر ہوئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ پھر جب (تلاوت قرآن) تمام ہوئی تو وہ سب پلٹ کر اپنی قوم کے پاس گئے تاکہ (ان کو) ڈرائیں۔ کہنے لگے کہ اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ کتاب پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور سچا (دین) اور سیدھا راستہ بتاتی ہے۔ اے قوم! خدا کی طرف

اے ہماری قوم! خدا کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ تاکہ خدا تمہارے گناہ بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے بچائے اور جو کوئی خدا کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہیں کرے گا وہ زمین میں خدا کو عاجز نہیں کر سکے گا اور خدا کے سوا اس کا کوئی حمایتی نہیں ہے۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں (سورہ احقاف آیت ۳۱،۳۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ○ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ○ وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ○ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ○ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن تَقُولَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ○ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ○ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ○ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ○ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَن يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا ○ وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ○ وَأَنَّا مِنَّا الصَّالِحُونَ وَمِنَّا دُونَ ذَٰلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قِدَدًا ○ وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا ○ وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ فَمَن يُؤْمِن بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ○ وَأَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ○ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ○ وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا ○ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ○ بنام خدائے رحمن ورحیم۔ (اے پیغمبر) کہہ دیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے اس نے نہ کوئی بیوی بنائی ہے نہ کوئی اولاد۔ اور یہ کہ ہم میں سے بعض بیوقوف خدا کے بارے میں حق سے دور کی باتیں کہتے تھے۔ اور ہمارا یہ خیال تھا کہ انسان اور جن خدا کی نسبت جھوٹ نہیں بولتے۔ اور یہ کہ بعض آدمی بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے (اس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔ اور یہ کہ ان کا بھی یہی عقیدہ تھا جس طرح تمہارا تھا کہ خدا کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بعض مقامات میں (خبریں) سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ اب کوئی سننا چاہے گا تو اپنے لئے انگارہ تیار پائے گا۔ اور یہ کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس سے اہل زمین کے حق میں برائی مقصود ہے یا ان کے رب نے ان کی بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ اور یہ کہ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے۔ ہمارے مختلف مذہب ہیں۔ اور یہ کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں خدا کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے ہدایت (کی کتاب) سنی تو اس پر ایمان لے آئے۔ تو جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے اس کو نہ نقصان کا خوف ہوگا اور نہ ظلم کا۔ اور یہ کہ ہم میں سے

بعض سلام دینے اور بعض نے سلام قبول نہیں کیا۔ اور جو سلام لائے وہ رشد و ہدایت کے رستے پر ہیں۔
[illegible] وہ دین کا [illegible] (اے محمد) [illegible]
[illegible]
[illegible] (سورۂ جن آیت [illegible])

۱۲۔ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۝
ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِن بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ
فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور (اونچی
اونچی) چھتریوں میں جو لوگ بناتے ہیں گھر بنا اور ہر قسم کے میوے کھا اور اپنے رب کے صاف رستوں
پر چلی جا۔ اس کے پیٹ سے جو شربت نکلتا ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں (کے کئی
امراض) کی شفا ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۶۸۔۶۹)

۱۳۔ إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي
اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ
اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر
عرش اقتدار پر مستوی ہوا وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اسی نے
سورج اور چاند ستاروں کو پیدا کیا سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں دیکھو سب مخلوق بھی اسی
کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے) وہ بہت ہی صاحب برکت ہے یعنی خدا رب العالمین بڑی برکت والا ہے
(سورۂ اعراف آیت ۵۴)

ربوبیت صرف خدا کو زیبا ہے

۱۔ إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ
مَا مِن شَفِيعٍ إِلَّا مِن بَعْدِ إِذْنِهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ
ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۝ تمہارا رب تو خدا ہی ہے جس نے
آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر وہ عرش اقتدار پر مستوی ہوا۔ وہی ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔ اس کی
اجازت کے بغیر (اس کے پاس) شفاعت نہیں کر سکتا۔ یہی خدا تمہارا رب ہے۔ تو تم اسی کی عبادت کرو۔
بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے۔ وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں
تاکہ تم برسوں کا شمار اور کاموں کا حساب معلوم کرو۔ (سورۂ یونس آیت ۳، ۵)

۲۔ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (اے پیغمبرؐ) ان سے کہئے کہ کیا تم اس کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو یوم میں بنایا اور (بتوں کو) اس کا شریک ٹھہرتے ہو حالانکہ وہی تو سارے جہان کا رب ہے اور اسی نے زمین پر مضبوط پہاڑ بنائے اور اس میں برکت رکھی اور اس نے چار یوم میں (سب) سامان معیشت مقرر کیا جو تمام طلبگاروں کے لئے یکساں ہے۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو بالکل دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے کہا کہ تم دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔ (سورۂ حم السجدہ آیت ۹ تا ۱۲)

لغوی تشریح

۱۔ سبّح: سبّح تسبیحًا یعنی پاکیزگی بیان کی یا سبحان اللہ کہا۔ علاوہ ازیں قول، فعل اور نیت کی مطلق عبادت کو بھی تسبیح کہا جاتا ہے۔

۲۔ اسم: لفظ اسم کے دو معنی ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں

(الف) کسی چیز کے ذاتی نام کو اسم کہا جاتا ہے۔ مثلاً مکہ اس شہر کا نام ہے جہاں مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ قرآن اس کتاب کا نام ہے جو خدا نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی۔

(ب) کسی چیز کی خاصیت اور حقیقت کو بیان کرنے والی صفت کو بھی اسم کہا جاتا ہے سورۂ اعلیٰ کی آیت میں بھی دوسرے معنی مراد ہیں۔

۳۔ ربّک: لفظ رب کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

۴۔ الاعلیٰ: وہ ذات جو حواس اور قیاس کی حدود سے دور ہو۔

۵۔ خلق: اس لفظ کی تفسیر ہمیں حضرت موسیٰؑ کے اس قول سے ملتی ہے جس میں انہوں نے فرعون سے فرمایا تھا۔ رَبُّنَا الَّذِیْۤ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝ یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو صحیح اندازے کے مطابق درست بنایا۔ اس نے جو چیز بنائی خوب بنائی۔

۶۔ سوّیٰ: سوّی الشیءَ اس چیز کو بالکل ٹھیک بنایا۔ اسے ایسا بنایا کہ اس میں کوئی کمی یا خرابی نہ رہی اور اسے مقصد تخلیق کے حصول کی استعداد عطا کی۔

سورۂ انفطار کہتی ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ

فعدلک ○ اے انسان! تجھ کو اپنے کرم گستر رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا۔ اسی نے تو تجھے پیدا کیا اور (تیرے اعضاء کو) ٹھیک کیا اور (تیرے ڈیل ڈول کو) معتدل رکھا۔ (آیت ۶، ۷)

اور یہاں دونوں معانی مراد ہیں۔ تسویۂ خلق کی حسب ذیل چار اقسام ہیں

(۱) انسانوں کا تسویہ (۲) حیوانوں کا تسویہ (۳) مسخرات کا تسویہ (۴) فرشتوں کا تسویہ

(۱) انسانوں کا تسویہ: ایک انسان نطفہ سے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد اور انسانی شکل سے جلد پیدا ہوتا ہے۔ خدا جل شانہ نے اسے کان، آنکھ اور دوسرے حواس عطا کرتا ہے جس سے وہ معلومات حاصل کرتا ہے۔ خدا انسانی دماغ میں خلیے پیدا کرتا ہے جن میں معلومات ذخیرہ ہوتی ہیں۔ خدا نے عقل سے نوازا ہے جس سے وہ اچھے برے اور صحیح و غلط اور حق و باطل میں تمیز کرتا ہے۔ معلومات کے تبادلے اور ابلاغ کے لئے خدا نے انسان کو زبان اور قلم کا وسیلہ عطا فرمایا ہے۔ خلق الانسان ○ علمه البیان ○ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بولنا سکھایا۔ (سورۂ رحمٰن آیت ۳،۴)

اقرأ باسم ربك الذي خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقرأ وربك الاكرم ○ الذي علم بالقلم ○ علم الانسان ما لم يعلم ○ (اے پیغمبرؐ) اپنے رب کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (سورۂ علق آیت ۱تا۵)

(۲) حیوانوں کا تسویہ: خدا نے حیوانوں کا تسویہ فرمایا اور ان میں ایسی قوتیں رکھیں جن کی وجہ سے وہ اپنی زندگی کو منظم کر سکتے ہیں اور اپنی فطرت کے تقاضوں کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔

(۳) مسخرات کا تسویہ: خدا نے اجرام فلکی کے متعلق فرمایا: وسخر الشمس والقمر كل يجري لاجل مسمى ذلكم الله ربكم ○ اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے۔ وہ سب ایک مقررہ وقت کے مطابق چل رہے ہیں۔ وہی خدا تمہارا رب ہے۔ (سورۂ فاطر آیت ۱۳)

والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الا له الخلق والامر تبارك الله رب العالمين ○ سورج اور چاند ستارے سب اسی کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے)۔ یہ خدائے رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔ (سورۂ اعراف آیت ۵۴)

(۴) فرشتوں کا تسویہ: فرشتوں کو خدا نے اس طرح بنایا ہے کہ وہ ہر گناہ سے پاک ہیں اور اس کے احکام کو بجا لانا ان کی فطرت میں داخل ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے لا يعصون الله ما امرهم ويفعلون ما يؤمرون وہ خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔ (سورۂ تحریم آیت ۶)

۷۔ قدر: قَدَّرَ اللّٰہُ لِشَیْءٍ تَقْدِیْرًا جس عقیدت کی ہم تفسیر کرنا چاہتے ہیں ان کے تحت قدر کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے ہر چیز کے نظام حیات کو اس کی فطرت کے عین مطابق بنایا ہے۔ اسی مفہوم کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے: وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ○ اس نے ہر چیز کو بنایا ہے اور ٹھیک اندازے کے مطابق درست بنایا ہے۔ (سورہ فرقان آیت ۲)

۸۔ ھدی: خدا کی طرف سے مخلوق کو چار قسم کی ہدایت کی گئی ہے

(۱) تعلیم (۲) ھدی الہام (۳) تسخیر (۴) نبی پر وحی نازل کرکے تبلیغ۔

قدر اور ھدی کی تفصیل تیسری آیت کے ذیل میں بیان کی جائے گی۔

۹۔ غُثَاءً: خشک گھاس جس کے تنکے ایک دوسرے سے جدا ہو کر کوڑا بن جائیں۔

۱۰۔ احوی: گہری سبز گھاس جو سیاہی مائل دکھائی دیتی ہے۔

۱۱۔ الوحی: وحی کے معنی کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے

وحی کے لغوی معنی: اوحی الیه وله اس کی طرف اشارہ کیا اور ایسی بات کی جو دوسروں سے مخفی تھی اس نے اسے حکم دیا، اس نے اسے الہام کیا۔ وحی فلان الکلام الی فلان، فلاں نے فلاں کو القا کیا۔

وحی کے اصطلاحی معنی: خدا کا وہ کلام جو فرشتے کے ذریعے سے انبیاء کی طرف القا کیا جاتا ہے اس طرح کہ رسول اس فرشتے کو دیکھتا ہے اور اس کا کلام سنتا ہے۔ حضرت جبرئیل، حضرت خاتم الانبیاء کے پاس آتے اور خدا کے احکام لاتے تھے۔ کبھی وحی میں نبی خدا کا کلام سنتا ہے لیکن درمیان میں فرشتہ نہیں ہوتا جیسے کہ حضرت موسیٰ کوہ طور پر سنا کرتے تھے۔ کبھی انبیاء کو خواب میں حکم دیا جاتا ہے چنانچہ انبیاء کا خواب وحی کا درجہ رکھتا ہے جیسا کہ قرآن میں حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل کا مکالمہ بیان ہوا ہے: اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ بیٹا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت اسماعیل نے فرمایا: یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے اسے بجا لایئے۔

قرآن مجید میں وحی کا لفظ لغوی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے مثلاً فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ○ پھر (زکریا) محراب عبادت سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے اشارہ سے کہا کہ صبح و شام اپنے رب کی تسبیح کیا کرو۔ (سورۂ مریم آیت ۱۱) اس آیت میں لفظ وحی اشارہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے

خدا کا فرمان ہے: اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ ○ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں برے خیالات ڈالتے رہتے ہیں۔ (سورۂ انعام: آیت ۱۲۱)

حضرت موسیٰ کی داستان میں ہے کہ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ اور ہم نے مادر موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلاؤ۔ (سورۂ قصص آیت ۷) یہاں وحی الہام کے معنی میں ہے۔

اسی طرح ارشاد قدرت ہے **واوحی ربک الی النحل** اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی۔ (سورہ نحل آیت ۶۸) مقصد یہ کہ خدا نے شہد کی مکھی کی جبلت میں یہ بات رکھ دی ہے کہ وہ اس طرح چلی جائے۔ یہ جبلی ہدایت صرف شہد کی مکھی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ پروردگار نے ہر چھوٹے بڑے جاندار کو اس ہدایت سے مالا مال کیا ہے۔

۱۲۔ استوی: جب استوی کا صلہ علیٰ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی مسلط ہونا ہوتا ہے۔ صفات رب کے ذیل میں اس کی تفصیل بیان ہوگی۔

۱۳۔ العرش: وہ چیز جس کی چھت ہو۔ اس کی جمع عروش ہے۔ بادشاہ کے تخت کو بھی عرش کہتے ہیں کیونکہ وہ بلند ہوتا ہے۔ نیز لفظ عرش، عزت، سلطنت اور حکومت کے لئے بطور کنایہ مستعمل ہوتا ہے عربی زبان کا محاورہ ہے **ثلّ اللّٰہ عرشھم** خدا نے ان کی حکومت کو منہدم کردیا۔ کسی کا شعر ہے

اذا ما بنو مروان ثلّت عُرُوْشُھُمْ

واَوْدتْ کما اَوْدتْ ایادٌ وَّحِمْیَرُ

جب بنی مروان کی حکومت ختم ہوئی تو وہ اسی طرح برباد ہوئے جس طرح ایاد و حمیر برباد ہوئے تھے[1]

۱۴۔ الضیاء: چمکدار اجسام سے نکلنے والی روشنی کو ضیاء کہا جاتا ہے۔ مثلاً **ضائت النار و اضائت** آگ سے روشنی پھیلائی۔

ضوء، نور سے زیادہ روشنی کیلئے بولا جاتا ہے۔ ضیاء اور نور میں فرق یہ ہے کہ جس کی روشنی ذاتی ہو اسے ضیاء اور جس کی روشنی کسی دوسرے کی مرہون منت ہو اسے نور کہتے ہیں۔ (اسی لئے خدا نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور کہا کیونکہ سورج کی روشنی ذاتی اور چاند کی روشنی سورج کی مرہون منت ہے)۔

۱۵۔ الامر: یعنی طلب فعل۔ نہی کا متضاد۔ (کیونکہ امر میں کسی کام کے کرنے اور نہی میں کسی کام کے نہ کرنے کا تقاضا کیا جاتا ہے) لفظ امر کام کے مفہوم میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور اس کی جمع امور ہوتی ہے۔ جب لفظ امر طلب فعل کے معنی میں ہو تو اس کی جمع اوامر ہوتی ہے۔

۱۶۔ سخر: **سخرہ یسخرہ فھو مسخرٌ** اس نے اسے جھکا دیا، تابع کردیا اور جبراً اسے معین غرض کی طرف چلایا۔ تابع ہونے والے کو مسخری کہا جاتا ہے۔

تفسیر آیات

اس مقام پر ہم **قلّٰہ** اور **ھدی** کی کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

مفردات راغب در لفظ عرش۔ [1] مصحف مجید نے یہ لفظ ... عرش۔ ۲ بحار الانوار ج ۵۸، ص ۷۔

۱۔ قدّر: قرآن مجید میں خداوند عالم خلاقیت کو اپنی طرف نسبت دینے کے بعد نظام کے تعین کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ "اور اس نے اس زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے۔ اور زمین میں برکت رکھی۔ اور چار یوم میں تمام سامان معیشت مقرر کیا" (سورۂ حم السجدہ آیت ۱۰)

پھر دو یوم میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان کو نظام تقدیر کا پابند بنایا۔ اور ہم نے آسمان دنیا کو جگمگاتی قندیلوں سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ خدائے غالب وعلیم کی مقرر کی ہوئی تقدیر ہے۔ (سورۂ حم السجدہ آیت ۹ تا ۱۲)

یہ بتاتے ہوئے کہ زمین و آسمان کو بقائے نظام کے لئے ان کے رب کا حکم کیسے پہنچا قرآن مجید فرماتا ہے: إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ "بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ یوم میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر مسلط ہوا۔ وہ تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔" (سورۂ یونس آیت ۳)

یہ آیت بتاتی ہے کہ خدا زمین و آسمان کے معاملات کی تدبیر کرتا رہتا ہے۔ وہ زمین و آسمان کو بنا کر لاتعلق نہیں ہو گیا (كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ) بلکہ وہ ان کی نشوونما اور بقا کی تدبیر میں مصروف ہے اور وہی تمہارا رب ہے پس تم اسی کی عبادت کرو۔ اس کے بعد خدا بعض امور کی تفصیلات بیان کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ "وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں۔" اس آیت میں قَدَّرَهُ تَقْدِيرًا سے یہ مفہوم واضح ہوتا ہے کہ خدا نے اس کا ایک خاص نظام وضع کیا ہے۔

۲۔ هدىٰ: سورۂ حم السجدہ اور سورۂ یونس میں زمین، آسمانوں، سورج اور چاند کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا جو ذکر ہے وہ رب کریم کی تربیت کا ہی ذکر ہے جبکہ سورۂ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کی اس تربیت کا ذکر کیا ہے جو خلق کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے یہاں فَهَدَىٰ فرمایا گیا ہے۔ یعنی جس رب نے خلق کو پیدا کیا ہے اس نے صرف پیدا کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ ان کا تسویہ بھی فرمایا۔ یعنی تمام مختلف خلق کی زندگی کا ایک خاص نظام مقرر کر کے ان میں ہدایت قبول کرنے کی استعداد ودیعت فرمائی۔ پھر اس نے اپنی مخلوقات کی زندگی کے ارتقاء و اختتام کو چراگاہ سے تمثیل دیتے ہوئے فرمایا: وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ اس نے چراگاہیں بنائیں۔ اس میں گھاس اگائی۔ پھر گھاس سرسبز کمال پر پہنچ کر سیاہی مائل سبز ہو گئی لیکن چند روز گزرنے کے بعد اسی سرسبز و شاداب گھاس خشک ہونے لگی اور آخرکار کوڑا بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی چاروں اصناف کے لئے بہت سی آیات میں اپنی ہدایت کی کیفیت بیان فرمائی جس کی تفصیل اگلی بحث میں آئے گی۔

خلق کیلئے ربّ العالمین کی ہدایت

مخلوقات کی ترتیب و تخلیق کو مدنظر رکھ کر ہم خلق کیلئے رب العالمین کی ہدایت کی قسمیں یہاں بیان کرتے ہیں۔(۱) خدا نے ملائکہ اور حاملین عرش کو جو ربوبیت اور خلق میں اس کا لشکر ہیں سب سے پہلے بنایا۔(۲) پھر خدا نے زمان، مکان، آسمان، زمین اور ان چیزوں کو بنایا جو مستقبل میں جانداروں کیلئے ضروری تھیں یعنی پانی اور نباتات وغیرہ۔(۳) پھر خدا نے جنوں اور حیوانوں کو پیدا کیا۔(۴) سب سے آخر میں خدا نے انسانوں کو پیدا کیا اور انسانوں کیلئے ضروری چیزوں کو ان سے پہلے پیدا کیا۔

ذیل میں ہم ہر صنف کی ہدایت کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

(۱) ملائکہ کی براہ راست تعلیم

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ○ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ○

(وہ وقت یاد کرو) جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں (تو) انہوں نے کہا کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خونریزی کرتا پھرے جبکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں (تو خدا کا) ارشاد ہوا جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے۔ پھر ان کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا تو پاک ہے۔ ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں علم بخشا ہے۔ بیشک تو علم اور حکمت والا ہے۔ تب خدا نے (آدم کو) حکم دیا کہ تم ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب آدم نے ان کو وہ نام بتائے تو خدا نے کہا کیا میں

سے کہا کہ میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی سب پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو سب مجھ کو معلوم ہے۔ اور جب ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس نے انکار کیا اور غرور کے سبب کافروں میں سے ہو گیا۔
(سورۃ بقرہ آیت ۳۰ تا ۳۴)

لغوی تشریح

۱۔ **الخلیفۃ۔ خلیفۃ اللّٰہ فی الأرض۔** لغت میں ہے **خلف، خلافۃ و خلیفۃ۔**

خلف زیدٌ عمرواً زید، عمرو کے بعد آیا۔ یا زید نے عمرو کے بعد اس کے امور سنبھالے

قرآن مجید کی حسب ذیل آیت سے یہی پہلے معنی یعنی بعد میں آنا مراد ہیں۔ **فخلف من بعدھم خلفٌ** ○ ان کے بعد ایک نسل ان کی جگہ آئی۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۶۹)

اور حسب ذیل آیت میں دوسرے معنی یعنی جانشین ہونا مراد ہیں

وقال موسٰی لاخیہ ھارون اخلفنی فی قومی و اصلح ○ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میرے بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو۔ ان کی اصلاح کرتے رہنا۔
(سورۃ اعراف آیت ۱۴۲)

۲۔ **خلافت** نائب ہونا، قائم مقام ہونا۔ کسی کی غیر موجودگی کی وجہ سے یا کسی کی موت کی وجہ سے یا کسی کی مجبوری کی وجہ سے یا قائم مقام کی عزت افزائی کی وجہ سے۔[2]

۳۔ **خلیفۃ** وہ شخص جو کسی کی موت، اس کی مجبوری اور غیر موجودگی یا غیب کی عزت کے طور پر نیابت کرے۔

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح ○ اور یاد کرو جب اس نے قوم نوح کے بعد تمہیں نائب بنایا (سورۃ اعراف آیت ۶۹) موت کے بعد نیابت کرنے کی مثال ہے۔

اور یہ آیت **یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الأرض** اے داؤد بے شک ہم نے تمہیں زمین میں نائب مقرر کیا۔ (سورۃ ص آیت ۲۶) دوسرے معنی کی مثال ہے۔

حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا **اللّٰھم ارحم خلفائی اللّٰھم ارحم خلفائی اللّٰھم ارحم خلفائی** خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما۔ خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما۔ خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما۔

---

[1] مادہ خلف۔ المعجم لالفاظ القرآن الکریم۔

[2] مادہ خلف مفردات القرآن راغب اصفہانی۔

پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: الذین یاتون من بعدی یروون حدیثی و سنتی۔ وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث اور سنت بیان کریں گے۔[1]

روایات کے مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ صبغۃ اللہ نبی ہوتا ہے یا نبی کا وہ وصی ہوتا ہے جسے خدا نے شریعت کی ہدایت پہنچائی ہے۔ اس پر مزید بحث "خدا کے مبلغ اور عوام کے معلم" کے زیر عنوان آئے گی۔

۳۔ سجد، یسجد، سجودًا: جھک گیا۔ مطیع ہو گیا۔ جب اس لفظ کی نسبت انسان کی طرف ہوتی ہے تو اس کے معنی پیشانی زمین پر رکھنا ہوتا ہے۔ قرآن کی اس آیت میں سجدہ اطاعت کرنے کے معنی میں آیا ہے:

وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ○

آسمانوں اور زمین میں رہنے والے سب کے سب خدا کو خوشی سے یا ناخوشی سے سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام سجدہ کرتے ہیں۔ (سورۂ رعد آیت ۱۵) اور اس آیت میں سجدہ پیشانی جھکانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے: سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ○ کثرت سجود سے تو ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ (سورۂ فتح آیت ۲۹)

تفسیر آیات

خدا، قیامت، صحیفوں اور نبیوں کی طرح فرشتوں پر ایمان رکھنا بھی فرض ہے۔ خدا نے ان کی دشمنی کو اپنی دشمنی قرار دیا ہے اور فرشتوں کے دشمن کو کافر کہا ہے۔

خدا نے واضح کیا ہے کہ فرشتے اس کے بندے ہیں، وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور اہل زمین کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ وہ خدا کا ہر حکم بے چون و چرا بجا لاتے ہیں۔

قرآن مجید نے یہ نہیں بتایا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو کس چیز سے خلق کیا ہے۔ البتہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ خدا نے ان کو نور سے پیدا کیا ہے۔[2]

خدا نے قرآن مجید میں ان کا مادہ تخلیق بیان کرنے کی بجائے ان کے پروں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس نے ان کے دو دو، تین تین اور چار چار پر بنائے ہیں اور جسے چاہتا ہے زیادہ پر عطا کرتا ہے۔

فرشتے انسانی صورت بھی دھار لیتے ہیں اور انسانی صورت میں خدا کا حکم پورا کرتے ہیں۔ ہم پرندوں کے پروں کو دیکھ کر ملائکہ کے پروں کا قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ وہ پرندوں کی طرح سے مادی جسم نہیں رکھتے اور ہم

۱۔ شیخ صدوق کی معانی الاخبار ص ۳۷۴ تا ۳۷۵۔ عیون الاخبار، شیخ صدوق، ج ۲، ص ۳۶۔ من لا یحضرہ الفقیہ تحقیق علی اکبر غفاری ج ۴، ص ۴۲۰۔ اور علامہ مجلسی کی بحار الانوار ج ۲، ص ۲۵، حدیث ۷۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب فی احادیث متفرقہ، ص ۲۲۹۴۔ مسند احمد، ج ۶، ص ۱۵۳، ۱۶۸۔

اپنے حواس خمسہ سے ان کا ادراک نہیں رکھتے۔ ان کی معرفت کا ذریعہ صرف انبیاء کی خبر ہے اور ہمارے پاس ان کے بارے میں کوئی عقلی قوت بھی نہیں ہے کیونکہ ہم نے بہت سے شہر نہیں دیکھے ہوتے تاہم لوگوں کی باتیں سن کر ہم انہیں مان لیتے ہیں۔ جب ہم لوگوں کے بتانے پر دور دراز کے شہروں کا وجود مان لیتے ہیں تو نبیوں کے بتانے پر فرشتوں کو کیوں نہیں مان سکتے۔ البتہ اس میں اتنا فرق ضرور ہے کہ ہم ان دیکھے شہروں کی باتیں سن کر ان کا قیاس اپنے دیکھے ہوئے شہروں پر کرتے ہیں جبکہ ہم انبیاء کی زبانی فرشتوں کا ذکر سن کر ان کا قیاس مادی اجسام پر نہیں کر سکتے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عالم غیب کی چیزوں کو عالم مادہ کی چیزوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

خدا نے قصہ آدمؑ میں ضمناً یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے فرشتوں کو اتنی تعلیم ضرور دی ہے جتنی ان کے فرائض منصبی کیلئے ضروری تھی اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے انہیں خلافت آدمؑ کی خبر کس طرح سے دی تھی۔

وہ انسان زمین پر خدا کا خلیفہ ہے جسے خدا نے لوگوں کی ہدایت پر مامور کیا ہو اور حضرت آدمؑ اس کی واضح مثال تھے۔

خلافت آدمؑ کا اعلان سن کر فرشتوں نے کہا تھا اَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ۝ کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے جبکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۳۰)

روایت میں ہے کہ فرشتوں نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ تخلیق آدمؑ سے قبل خدا نے زمین پر ایک مخلوق پیدا کی تھی جس نے زمین پر فساد مچایا تھا اور ناحق خون بہایا تھا۔ خدا نے ان کے مظالم کے سبب ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا تھا۔ اسی لئے فرشتوں نے نئی مخلوق آدمؑ کا قیاس سابقہ مخلوق پر کیا تھا۔

خدا نے فرشتوں سے فرمایا اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ "جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔"

پھر خدا نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور انہیں تمام اسما یعنی تمام چیزوں کے خواص و صفات بتائے۔ آیت میں لفظ اسما آیا ہے جو اسم کی جمع ہے۔ یہاں آیت میں اسم سے کسی چیز کا ذاتی نام مراد نہیں بلکہ وہ صفات مراد ہیں جو کسی چیز کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ہماری دلیل یہ ہے کہ خدا نے آسمانوں اور زمین کی چیزوں کو انسان کے فائدے کے لئے مسخر کیا ہے۔ اسی لئے پہلے انسان کے لئے ضروری تھا کہ اسے تمام چیزوں کے صفات و خواص کا علم ہو جائے۔ اس بحث کے اختتام پر اس نکتہ کی مزید وضاحت کی جائے گی۔

خدا نے کائنات کی جن چیزوں کو انسان کے لئے مسخر کیا ہے ان کے خواص سے حضرت آدمؑ کو مطلع کیا تاکہ وہ مسخر چیزوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کے برعکس فرشتوں کو اتنا ہی علم دیا ہے جتنا کہ ان کے فرائض

جس کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے۔ مثلاً جن فرشتوں کو خدا نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے انہیں تسبیح وتہلیل اور تکبیر کی تعلیم دی اور جن فرشتوں کو انسانوں کے اعمال محفوظ رکھنے پر مامور کیا ہے انہیں عمل محفوظ رکھنے کے طریقوں کی تعلیم دی اور قبض ارواح پر مامور فرشتوں کو روح قبض کرنے کی تعلیم دی۔ الغرض فرشتوں کو خدا نے جن کاموں کے لئے پیدا کیا ہے انہیں ان کی تعلیم دی۔

حضرت آدمؑ اور فرشتوں کے علم کی نوعیت مختلف تھی اور جب خدا نے فرشتوں سے اسماء یعنی چیزوں کے خواص وصفات پوچھے تو فرشتوں نے یہی کہا پروردگارا ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں علم بخشا ہے۔ پھر خدا نے حضرت آدمؑ سے فرمایا کہ وہ فرشتوں کو ان اسماء کی تعلیم دیں۔ اس مرحلے کے بعد خدا نے فرشتوں کو سجدہ آدمؑ کا حکم دیا اور ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا۔

خلاصۂ بحث

خدا نے اپنی اس مخلوق یعنی فرشتوں کو آسمانوں اور زمین میں رہائش عطا کی ہے۔ ان سب کے سب بھی حیات وموت کی پابندی ہے۔ خدا نے انہیں قوت ادراک عطا کی ہے اور وہ خواہشات نفس سے فطری طور پر آزاد ہیں۔ خدا نے انہیں ان کے مقصد تخلیق کے تقاضے پورا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔[1]

اور قصہ آدمؑ میں ان کے سوال کرنے کی وجہ بھی صرف یہی تھی کہ وہ تخلیق آدمؑ کی حکمت سے ناواقف تھے۔ جب حضرت آدمؑ نے انہیں اسماء کی تعلیم دی تو انہیں حکمت الٰہیہ معلوم ہوگئی اور انہوں نے کسی رد وکد کے بغیر حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا۔ البتہ ابلیس نے تکبر کے سبب انکار کیا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی۔ جب خدا نے فرشتوں کو ان کے مقصد تخلیق کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے براہ راست ہدایت فرمائی۔

(۲) مسخرات کی تسخیر

یہاں ہم کچھ ایسی آیات نقل کر رہے ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے ان مسخرات مثلاً چاند، سورج، ہوا، پانی وغیرہ کو انسانوں کے فائدے کے کاموں میں لگا دیا ہے۔[☆]

۱۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِنْهُ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ

۱۔ ہم نے اس صنف کی ہدایت کو اس لئے مقدم رکھا ہے کیونکہ یہ چیزیں انسان سے پہلے پیدا کی گئی ہیں۔

☆ انسان خود بھی ان مسخرات سے فائدہ اٹھانا سیکھ گیا ہے مثلاً آج وہ سورج سے شمسی توانائی حاصل کر رہا ہے جو دن سے نکل رہا ہے۔ چنانچہ پتھر یعنی سلیکون سے مائیکرو چپس بنا رہا ہے اور ہوا میں سفر کرنے والی لہروں مثلاً ریڈار، موبائل فون، ریڈیو اور ٹیلی وژن کی ریڈیائی لہروں نیز الیکٹرومیگنٹک لہروں کو جان گیا ہے مگر پھر بھی اپنے رب سے اسی طرح غافل ہے جس طرح دن بھر سورج سے استفادہ کرتا ہے لیکن کثرت ظہور کے سبب اس سے غافل رہتا ہے۔

یتفکرون ○ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اس نے اپنے حکم سے تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے اس میں (قدرت کی) نشانیاں ہیں (سورہ جاثیہ آیت ۱۳)

۲۔ اللہ الذی جعل لکم الارض قرارا و السماء بناء خدا ہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا۔ (سورہ مومن آیت ۶۴)

۳۔ الذی جعل لکم الارض مهادا وجعل لکم فیها سبلا لعلکم تهتدون وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ بنایا ہے اور اس میں تمہارے لئے رستے بنائے تاکہ تم راہ معلوم کرو۔ (سورہ زخرف آیت ۱۰)

۴۔ والارض وضعها للانام ○ فیها فاکهة والنخل ذات الاکمام ○ والحب ذو العصف والریحان ○ فبای آلاء ربکما تکذبان ○ اور اسی نے خلقت کے لئے زمین بچھائی۔ اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں۔ اور اناج (گندم، جو، چاول وغیرہ) جس کے ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول۔ تو (اے گروہ جن و انس) تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ (سورہ رحمٰن آیت ۱۰ تا ۱۳)

۵۔ هو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبها وکلوا من رزقه والیه النشور ○ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو نرم کیا تاکہ تم اس کے اطراف و اکناف میں چلو پھرو اور اس کا رزق کھاؤ اور تم کو اسی کے پاس (قبروں سے) نکل کر جانا ہے۔ (سورہ ملک آیت ۱۵)

۶۔ الم تر ان الله سخر لکم ما فی الارض کیا تم نہیں دیکھتے کہ جتنی چیزیں زمین میں ہیں سب خدا نے تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں۔ (سورہ حج آیت ۶۵)

۷۔ ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البر والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا ○ ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی دی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۰)

۸۔ الله الذی خلق السموات والارض وانزل من السماء ماء فاخرج به من الثمرات رزقا لکم وسخر لکم الفلک لتجری فی البحر بامره وسخر لکم الانهار ○ وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنهار ○ وآتاکم من کل ما سألتموه وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها ان الانسان لظلوم کفار ○ خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے اور کشتیوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں اور نہروں کو بھی تمہارے زیر فرمان کر دیا۔ اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) گردش کر رہے ہیں۔ اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تم کو عنایت کیا۔ اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہ سکو گے۔ بے شک انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔ (سورہ ابراہیم آیت ۳۲ تا ۳۴)

٩ وعلى الله قصد السبيل ومنها جائر ولو شاء لهداكم أجمعين ○ هو الذي أنزل من السماء
ماء لكم منه شراب ومنه شجر فيه تسيمون ○ ينبت لكم به الزرع والزيتون والنخيل والأعناب و
من كل الثمرات إن في ذلك لآية لقوم يتفكرون ○ وسخر لكم الليل والنهار والشمس و
القمر والنجوم مسخرات بأمره إن في ذلك لآيات لقوم يعقلون ○ وما ذرأ لكم في الأرض
مختلفا ألوانه إن في ذلك لآية لقوم يذكرون ○ وهو الذي سخر البحر لتأكلوا منه لحما طريا و
تستخرجوا منه حلية تلبسونها وترى الفلك مواخر فيه ولتبتغوا من فضله ولعلكم تشكرون ○
وألقى في الأرض رواسي أن تميد بكم وأنهارا وسبلا لعلكم تهتدون ○ وعلامات وبالنجم هم
يهتدون ○ اور سیدھا رستہ تو خدا تک جا پہنچتا ہے کیونکہ کچھ راستے ٹیڑھے ہیں (جو اس تک نہیں پہنچتے) اور اگر وہ
چاہتا تو تم سب کو سیدھے رستے پر چلا دیتا۔ وہی تو (خدا) ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے
ہو اور اس سے درخت بھی شاداب ہوتے ہیں جن میں تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ اسی پانی سے وہ تمہارے
لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر طرح کے پھل اگاتا ہے۔ غور کرنے والوں کے لئے اس میں (قدرت
خدا کی بڑی) نشانی ہے۔ اور اسی نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا اور اسی کے
حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ غور کرنے والوں کے لئے اس میں بھی (قدرت خدا کی بہت سی)
نشانیاں ہیں۔ اور جو رنگ برنگی چیزیں اس نے زمین میں پیدا کی ہیں (سب تمہارے زیر فرمان کر دی ہیں)
نصیحت پکڑنے والوں کے لئے اس میں بھی نشانی ہے۔ اور وہی تو ہے جس نے سمندر کو تمہارے اختیار میں
کیا تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے پہننے کے لئے زیور (موتی وغیرہ) نکالو
اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر میں پانی (کے سینے) کو چیرتی چلی جاتی ہیں اور اس لئے بھی (سمندر کو تمہارے
اختیار میں کیا) کہ تم خدا کے فضل سے (روزی) تلاش کرو اور اس کا شکر کرو۔ اور اسی نے زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ
دیئے تاکہ تم کو لے کر زمین جھک نہ جائے اور دریا اور راستے بنا دیئے تاکہ تم آسانی سے سفر کر سکو۔ اور رستوں
میں نشانات بنا دیئے اور لوگ ستاروں سے بھی رستے معلوم کرتے ہیں۔ (سورۂ نحل آیت ۹ تا ۱۶)

• ومن ثمرات النخيل والأعناب تتخذون منه سكرا ورزقا حسنا إن في ذلك لآية لقوم
يعقلون ○ کھجور اور انگور کے میووں سے تم شراب بناتے ہو اور بہترین غذا (کھاتے ہو)۔ بے شک عقلمندوں
کے لئے ان (چیزوں) میں (قدرت خدا کی) نشانی ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۶۷)

لغوی تشریح

- سخر سخره يسخره فهو مسخر اس نے اسے جھکایا۔ تابع کیا۔ زیر فرمان کیا۔ عقیدہ میں یہ
ایک خاص غرض کی طرف زبردستی چلایا۔ مسخر یعنی تابع ہونے والا۔

۲۔ الاکمام اس کی واحد کِمّ ہے۔ کِمّ یعنی پھل، درخت، کھجور یا اناج کے بیج کا غلاف۔

۳۔ حبٌ بیج۔ یہاں اس لفظ سے گندم، جو اور چاول مراد ہیں۔

۴۔ اَلعَصف: بھس اور خشک کھیت کا پتہ۔

۵ الرَّیحانُ۔ خوشبودار پھول۔

۶۔ الآءِ نعمات۔

۷۔ ذَلُولاً۔ ذلت الدابۃ بعد شماس ذلا فھی ذلول سرکش ہونے کے بعد جانور نرم پڑ گیا۔ زمین ذلول یعنی نرم ہے۔ انسان کیلئے ہر طرح سے قابل رہائش ہے جس پر چلنا پھرنا اور رہنا سہنا ممکن ہے۔

۸۔ مناکبھا اس کی واحد مَنکِبٌ ہے۔ مَنکِبٌ یعنی انسان اور حیوان کا کندھا۔ مناکب الارض یعنی پہاڑ۔ جنہیں اونٹ کے کندھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ زمین کے اطراف و اکناف کو بھی مناکب الارض کہا جاتا ہے۔

۹۔ دآئبَین داب س نے مسلسل کوشش کی۔ داب کام دآئبین اختتام دنیا تک مسلسل گردش کرنے والے

۰۔ تُسِیمُوْنَ اسام الابل یسیمھا اونٹوں کو چرنے کے لئے باہر نکالا۔

۱۔ ذرا ذر اللہ الخلق یذرأھم ذرئًا خدا نے کسی مثال کے بغیر بنایا، ان کو پھیلایا اور تعداد کو بڑھایا۔

۱۲۔ مواخر مخرت السفینۃ مخرًا و مخورًا یعنی کشتی نے اپنے سینے سے پانی کو چیرا اور پانی چیرنے کی آواز بلند ہوئی کشتی کو ماخرۃ کہا جاتا ہے اور اس کی جمع مواخر ہے۔

۱۳۔ لیمیدبکم ماد میدًا یعنی ہلنا جلنا۔ میدَ زمین جیسی کسی بڑی چیز کا ہلنا۔

خلاصہ بحث

خدا نے زمین اور سمندروں، دریاؤں، درختوں، پھلوں، نباتات، معدنیات اور سورج چاند، ستاروں کو انسان کے لئے مسخر کیا ہے۔ سورۂ جاثیہ میں ارشاد باری ہے سخر لکم ما فی السموات والارض جمیعا منہ ہم نے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں تمہارے فائدے کے لئے بنائی ہیں۔

خدا نے ان مخلوقات کو تسخیری ہدایت دی ہے۔ وہ قانون ربوبیت کی پابندی کرتے ہوئے مسلسل گردش کر رہے ہیں۔ قرآن مجید میں اس ہدایت کو کہیں سخر سے اور کہیں جعل سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً جعل الشمس ضیاءً و القمر نورًا یعنی اسی نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا۔

(۳) فطری الہام

۱ خدا فرماتا ہے والانعام خلقھا لکم فیھا دفء و منافع و منھا تاکلون ٥ و لکم فیھا جمال

حین تریحون و حین تسرحون ○ و تحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیه الا بشق الانفس ان ربکم لرءوف رحیم ○ والخیل والبغال والحمیر لترکبوها و زینة و یخلق ما لا تعلمون ○ ہم نے تمہارے لئے چوپائے بنائے۔ ان میں تمہارے لئے جڑاول اور دیگر بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض (کے گوشت) کو تم کھاتے ہو۔ اور جب تم انہیں صبح جنگل میں چرانے لے جاتے ہو اور شام کو لاتے ہو تو ان سے تمہاری عزت و شان ہے۔ یہ چوپائے (دشوار گزار) علاقوں میں جہاں تم مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تمہارا سامان ڈھوتے ہیں۔ بیشک تمہارا رب بڑا شفیق اور مہربان ہے اور (اسی نے) گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو۔ وہ تمہاری زینت بھی ہیں۔ وہ (اور چیزیں بھی) پیدا کرتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے۔ (سورۂ نحل۔ آیت ۵تا۸)

اور اسی سورۂ نحل میں ہے وان لکم فی الانعام لعبرة نسقیکم مما فی بطونه من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشاربین ○ اور تمہارے لئے جانوروں میں غور و عبرت کا سامان ہے۔ ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو کہ پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔ (آیت ۶۶)

و اوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا و من الشجر و مما یعرشون ○ ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس ان فی ذلک لآیة لقوم یتفکرون ○ اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور (اونچی اونچی) ٹٹیوں میں اپنے چھتے بنائے اور ہر قسم کے میوے کھائے اور تابعداری کے ساتھ اپنے رب کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے۔ اس کے پیٹ سے جو مشروب نکلتا ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے۔ بے شک اس میں غور کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۶۸۔۶۹)

۲ والله خلق کل دآبة من مآء فمنهم من یمشی علی بطنه و منهم من یمشی علی رجلین ومنهم من یمشی علی اربع یخلق الله ما یشآء ان الله علی کل شیء قدیر ○ خدا نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو پیٹ کے بل رینگ کر چلتے ہیں اور کچھ دو پاؤں پر چلتے ہیں اور کچھ چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (سورۂ نور آیت ۴۵)

۳ وما من دآبة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من شیء ثم الی ربهم یحشرون ○ زمین کے تمام جاندار اور دو پروں کے ساتھ پرواز کرنے والے تمام پرندے تمہاری طرح کی جماعتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں کسی طرح کی کمی نہیں چھوڑی۔ پھر سب اپنے رب کے حضور جمع کئے جائیں گے۔ (سورۂ انعام آیت ۳۸)

لغوی تشریح

۲۔ فَرْثٌ: انتڑیوں میں پایا جانے والا گوبر۔

خدا نے جانوروں کو فطری سامان دیا جس کی وجہ سے تمام جانور اپنا مقصدِ تخلیق پورا کر رہے ہیں۔ خدا نے ہر جانور کو ایسے افعال کا الہام کیا ہے جن سے اس کی زندگی وابستہ ہوتی ہے اور جانوروں کے اس طرح کے بعض صنف مسخر کے افعال کے قریب ہیں۔

۳۔ یعرشون: عرش الکرم انگور کی بیل ٹٹی پر چڑھانا، عرش البیت گھر پر چھت ڈالی۔

۴۔ ذُلُلاً: تابعدار بن کر، سرکش نہ بن کر۔

خلاصۂ بحث

خدا نے زمین، فضا اور آسمان بنائے جیسے تمام اجرام کے لئے اور ساری اپنی مخلوق کے لئے ایک طے شدہ ہدایت تشکیل دی ہے۔ ہر صنف کا نظامِ حیات اس کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ ہر صنف میں خدا نے ایسے اوصاف ودیعت فرمائے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے کے قابل ہو سکے۔

خدا نے فطری وحی کی مثال کے لئے شہد کی مکھی کو پیش کیا اور فرمایا "تمہارے رب نے مکھی کو الہام کیا کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور اونچی اونچی ٹٹیوں میں اپنے چھتے بنائے" شہد کی مکھی جو چھتا بناتی ہے وہ انجینئرنگ کا اعلیٰ ترین شاہکار ہے۔ ایک مکھی کی ذات میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ایسا شاندار چھتا بنائے۔ یہ سب وحی کا نتیجہ ہے۔ شہد کی مکھی کا نظام ایک مثال ہے ورنہ تمام جاندار اپنے اپنے نظامِ حیات کی تکمیل میں مصروف ہیں۔

آیت کا آغاز و اوحی ربک الی النحل سے کیا گیا ہے یعنی تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی ہے جب اللہ نے کہا تو یہ چاہئے تھا کہ مکھی کے رب نے اس کو وحی کی۔ ان الفاظ سے لفظ رب العالمین سے یہ اشارہ کیا ہے کہ جس طرح اس نے شہد کی مکھی کے لئے مناسب فطرت نظام تشکیل دیا ہے اسی طرح انسان کے لئے بھی انسانی فطرت کے مطابق ایک جامع نظام وضع کیا ہے۔

(۴) وحی کے ذریعے انسان اور جنات کی تعلیم

اس طرح کی ہدایت اور تعلیم کو خلق فسوّی اور قدّر فهدیٰ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

(۱)۔۔۔ انسان: رب العالمین نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی زندگی کا نظام تشکیل دیا اور اس کی طبیعت میں خواہشات میں توجہ دی اور اس نے ساتھ اسے عقل و شعور کی دولت بھی عطا کی جس سے وہ اپنے نفع و نقصان

بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

خدا نے قبولِ ہدایت کے لئے انسان کو دو وسیلے عطا فرمائے ہیں

پہلا وسیلہ ہے بولنا خلق الانسان ○ علمه البيان ○ (اسی نے) انسان کو پیدا کیا (اور) اسے بولنا سکھایا۔ (سورۂ رحمٰن آیت ۳،۴)

خدا نے انسان کو زبان سے بولنے اور اپنے دلی ضمیر کو بیان کرنے کی قوت عطا کی ہے۔

دوسرا وسیلہ لکھنا پڑھنا۔ لکھائی سے ایک انسان کے افکار دوسروں تک منتقل ہوتے ہیں اور ایک نسل سے نظریات آنے والی نسل تک پہنچتے ہیں۔ اقرأ وربك الاكرم ○ الذى علم بالقلم ○ علم الانسان ما لم يعلم ○ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہیں تھا۔ (سورۂ علق آیت ۳،۴)

پھر خدا نے انسان کی فطرت کے مطابق نظامِ حیات عطا کیا فاقم وجهك للدين حنيفا فطرت الله التى فطر الناس عليها ○ آپ اپنا رخ دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش ہو جائیں (یہی) وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ (سورۂ روم آیت ۳۰)

خدا نے اپنی وحی کے ذریعے سے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی وساطت سے نظامِ فطرت پیش فرمایا ہے۔ انا اوحينا اليك كما اوحينا الى نوح والنبيين من بعده (اے رسول) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان سے پچھلے انبیاء کی طرف بھیجی تھی۔ (سورۂ نساء آیت ۱۶۳)

شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذى اوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم وموسى وعيسى ان اقيموا الدين اس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستا مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے پیغمبر) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ (سورۂ شوریٰ آیت ۱۳)

جس دین کو خدا نے انبیائے کرام کی طرف بذریعہ وحی نازل کیا ہے اس دین کا نام اسلام ہے ان الدين عند الله الاسلام دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۹)

(۲)— **جنات** خدا نے جنات کو بھی انسانوں کی طرح زندگی کی نعمت عطا فرمائی اور ان میں بھی خواہشاتِ نفس کو رکھا اور انہیں بھی نفع و نقصان کی پہچان کے لئے عقل و شعور کی دولت عطا فرمائی۔ اس کا ثبوت آدم و ابلیس کے قصے میں ملتا ہے۔ واذ قلنا للملائكة اسجدوا لادم فسجدوا الا ابليس كان من الجن ففسق

۔ ہم نے خواہشِ نفس کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا ہے کہ اس صفت میں جنات بھی انسان کے شریک ہیں۔ ان کے انسان اور جنات دونوں کو یہ تاکید کی ہے کہ وہ شدید ضرورت کے بغیر خدا حق کا ... اور خواہشات نفس کی پیروی سے بچتے رہیں۔ خدا کی طرف سے مقرر کئے ہادیوں کو انبیاء اور رسل کہا جاتا ہے۔

عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا)۔ وہ جنات میں سے تھا۔ اس نے اپنے رب کے حکم سے تجاوز کیا۔ (سورۂ کہف آیت ۵۰)

اس واقعے کی تفصیل ہمیں سورۂ اعراف کی ان آیات میں دکھائی دیتی ہے

"ہم ہی نے تم کو (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا۔ پھر تمہاری صورت بنائی۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا صرف ابلیس نے انکار کیا اور وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ (خدا نے) فرمایا جب میں نے تجھ کو حکم دیا تھا تو کس چیز نے تجھے سجدے سے باز رکھا۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ فرمایا کہ تو یہاں سے اتر جا۔ تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے۔ پس نکل جا۔ تو ذلیل ہے۔ اس نے کہا مجھے قیامت تک کی مہلت دے دے۔ فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔ ابلیس نے کہا کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے رستے پر (ان کو گمراہ کرنے کے لئے) بیٹھ جاؤں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا اور تو ان کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ فرمایا کہ جا۔ تو راندۂ بارگاہ ہے۔ میں تجھ سے اور ان سب سے جو تیری پیروی کریں گے جہنم کو بھر دوں گا۔" (آیت ۱۱تا۱۸)

یقیناً اس جناتی پیکر کی خواہش نفس تمام خواہشات نفس رکھنے والے جانداروں سے کہیں زیادہ تھی۔

خدا نے عام جنات کے متعلق یہ واضح کیا کہ ان میں بھی خواہش نفس موجود ہے اور وہ اسی خواہش کی تکمیل کے لئے آسمانوں تک جاتے تھے اور بزم اعلیٰ کی گفتگو سنا کرتے تھے اور ان کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصے تک جاری رہا۔ جب خدا نے نور نبوت محمدؐ سے دنیا کو منور کیا تو جنات کا آسمانوں میں داخلہ بند کر دیا گیا اور ان کو بھگانے کے لئے شہاب ثاقب مارے جانے لگے۔

حدیث پاک میں ہے کہ جنات بزم اعلیٰ کی باتیں سن کر کاہنوں کو بتایا کرتے تھے اور کاہن ان میں اپنی طرف سے اضافہ کر کے لوگوں کو اذیت اور مصیبت میں ڈالتے تھے۔ خدا نے انسانوں اور جنات کی اسی شراکت کا یہ نتیجہ بیان فرمایا ہے۔ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝ اس سے ان کی مصیبت اور بڑھ گئی۔

خدا نے سورۂ جن میں یہ بات واضح فرمائی ہے کہ انسان اور جنات دونوں اپنی خواہشوں کے قیدی ہیں اسی لئے وہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ علاوہ ازیں جنات میں مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔

سورۂ احقاف میں ہے کہ کچھ جنات نے قرآن سنا تو وہ اس سے بیحد متاثر ہوئے اور ایمان لے آئے پھر انہوں نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا کہ خدا نے حضرت موسیٰ کے بعد قرآن اتارا ہے انہوں نے اپنی قوم سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ بھی ان کی طرح سے ایمان لے آئے۔ سورۂ جن میں ہے کہ بہت سے انسانوں کی طرح بہت سے جنوں کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد قبروں سے نہیں اٹھایا جائے گا اور قیامت قائم نہیں ہوگی۔

ان تمام باتوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انسانوں کی طرح جنات بھی عقل و شعور رکھتے ہیں۔ اور جنات انسانوں سے ہم کلام بھی ہوتے ہیں اور ان کی زبان بھی سمجھتے ہیں۔ اگر وہ انسانوں کی زبان سے ناآشنا ہوتے تو وہ قرآن مجید کیسے سمجھ پاتے۔ جنات حضرت سلیمانؑ کے لئے بہت سے کام کیسے انجام دیتے تھے **یعملون لہ ما یشآء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب و قدور راسیات** یہ لوگ (سلیمانؑ) کے لئے محرابیں، مجسمے، حوضوں کے برابر پیالے اور زمین میں گڑی ہوئی بڑی بڑی دیگیں بنایا کرتے تھے۔ اور یہ کہ **ومن الشیاطین من یغوصون لہ و یعملون عملاً دون ذالک** کچھ شیطان، حضرت سلیمانؑ کے لئے غوطہ خوری کرتے تھے اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی انجام دیتے تھے۔ (سورۂ انبیاء آیت ۸۲)

خدا نے دین اسلام کی ہدایت انسان اور جن دونوں کو فرمائی اور دونوں کی طرف رسول بھیجے۔ انبیاء انسانوں اور جنوں کے لئے مبشرین و منذرین اور معلمین بن کر آئے۔ انہوں نے ان دونوں کو خدائے واحد پر ایمان لانے اور شرک سے بچنے کی تعلیم دی اور انہیں انبیاء و کتب و ملائکہ اور روز آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور انہیں روز آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔

اور جہاں تک سماجی احکام کا تعلق ہے تو آداب اجتماعی انسانوں اور جنوں کے لئے یکساں ہیں۔ مثلاً غریبوں کی دستگیری کرنا اور ضرورت مند مومنین کی مدد کرنا اور کسی کو ناحق اذیت نہ پہنچانا جیسے احکام انسانوں اور جنوں کے لئے مساوی ہیں۔ اور جہاں تک نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا تعلق ہے تو جنات کے مخصوص حالات کے تحت ان کے احکام ہوں گے کیونکہ شریعت کا اصول یہی ہے کہ اختلاف حالات کی وجہ سے احکام بدل جاتے ہیں مثلاً مرد کے لئے فقہی احکام کچھ ہیں اور عورت کے لئے کچھ۔ تندرست کے احکام الگ ہیں اور بیمار کے احکام الگ۔ مقیم کے احکام الگ ہیں اور مسافر کے احکام الگ۔

خلاصۂ بحث

خدا نے ملائکہ کو الوہیت اور ربوبیت کے کام بجا لانے والے کارکنوں کے طور پر خلق فرمایا ہے جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا ہے۔ اسی لئے خدا نے ان کو دوسری مخلوقات سے پہلے پیدا کیا۔ جس وقت خدا نے عرش کو پیدا کیا اس وقت بھی فرشتے حاملین عرش[1] تھے **وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء** وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (مرحلوں) میں پیدا کیا

---

[1] یہاں عرش سے خدا کی الوہیت اور ربوبیت کے کارکن فرشتوں کے رہنے کی جگہ مراد ہے جو پانی پر تھی۔ فرشتے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے اسی "عرش" پر رہتے تھے۔ عرش ایک تخت کی مانند کوئی مادی چیز نہیں ہے جو یہ کہا جائے کہ خدا عرش پر تھا اور عرش پانی پر تھا۔ ﴿امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو ایسا سمجھتا ہے کہ خدا عرش پر متمکن ہے وہ اسے "محسوس" سمجھتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ خدا کو جسم سمجھتا ہے جب کہ خدا جسم اور جسمانیت سے پاک ہے﴾۔

اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (سورۂ ہود آیت ۷)

اس کارخانۂ قدرت میں آسمان اور زمین میں جتنے بھی فرشتے ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے اور چاند سورج ستارے اور کہکشائیں جتنے بھی اور مخلوق ہیں خواہ ہمارے علم کے خیمے سے جگنوؤں پر اس تک تک ہو یا نہ ہو یہ زمین اور اس میں کی نباتات، معدنیات، آبی ذخائر اور مختلف قسم کی جتنی بھی گیسیں ہیں خواہ ہم نہیں جانتے ہوں یا جانتے ہوں سب کچھ حیوانوں، جنوں اور انسانوں کی ضروریات کے مطابق بنائے گئے ہیں۔

فرشتوں کے بعد خدا نے حیوانات کو پیدا کیا کیونکہ جنوں اور انسانوں کو حیوانات کی ضرورت تھی۔ حیوانات کے بعد خدا نے جنوں کو پیدا کیا اور سب سے آخر میں انسان کو پیدا کیا اور جنات کے مقدم ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب تخلیق آدم کے وقت خدا نے فرشتوں کو سجدۂ آدم کا حکم دیا تھا تو سب نے سجدہ کیا تھا لیکن ابلیس نے تکبر کیا تھا اور اس کا تعلق جنات سے تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قوم جنات انسانوں کی پیدائش سے پہلے عرصہ وجود میں آچکی تھی۔

قرآنی آیات کے گہرے مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خدا نے سب سے پہلے فرشتوں کو پھر حیوانوں اور جنوں کو اور آخر میں انسانوں کو پیدا کیا۔ انسان اشرف المخلوقات تھا۔ اسے پہلی تینوں صنف کی ضرورت تھی اسی لئے خدا نے انسان کو ان تینوں اصناف کے بعد پیدا کیا۔

اور جہاں تک فرشتوں، جنوں اور انسانوں کی ہدایت کا تعلق ہے تو رب العالمین نے تینوں اصناف کو عقل و شعور کی نعمت عطا فرمائی اور پھر انہیں بلاواسطہ اور باواسطہ دونوں قسم کی تعلیم دی جیسا کہ قصہ آدم میں ہمیں فرشتوں کا یہ قول دکھائی دیتا ہے **سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا** تو پاک ہے۔ ہم بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں علم بخشا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے فرشتوں کو براہ راست تعلیم دی ہے۔ اسی طرح سے حضرت آدم کے متعلق قرآن مجید یہ گواہی دیتا ہے۔ **وعلم آدم الاسماء کلھا** اور خدا نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی۔ اور انسان کے متعلق فرمان الٰہی ہے **علم الانسان مالم یعلم** اس نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جنہیں وہ نہیں جانتا تھا۔

خدا فرماتا ہے کہ جنات نے قرآن مجید سنا تھا اور وہ اس سے متاثر ہو کر ایمان لائے تھے۔ حیوانات میں ادراک کا کچھ نہ کچھ حصہ موجود ہے اسی لئے خدا نے انہیں فطری الہام کے ذریعے سے ہدایت دی۔

ان کے علاوہ بے جان اجسام مثلاً سورج، چاند، ستارے اور سیارے شعور و ادراک نہیں رکھتے۔ خدا نے کائنات کے ہر ذرہ کی تسخیری ہدایت عطا فرمائی ہے جس کا تفصیلی ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

علاوہ ازیں خدا نے انسانوں کے لئے جس دین کی وحی فرمائی ہے اس دین کا نام اسلام ہے اور اسلام کی مکمل بحث آگے آئے گی۔

دین اور اسلام

اسلامی شریعت میں لفظ دین کا اطلاق دو معنی پر کیا گیا ہے

عدل اور جزا قیامت کے دن کو قرآن مجید نے سورۂ فاتحہ میں یوم الدین یعنی جزا کے دن سے تعبیر کیا ہے مالک یوم الدین ۞ خدا روز جزا کا مالک ہے۔

شریعت اور قانون قرآن مجید میں اکثر لفظ دین قانون شریعت کی اطاعت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ قصہ حضرت یوسفؑ سے معلوم ہوتا ہے ماکان لیأخذ اخاہ فی دین الملک... بادشاہ کے قانون کی رو سے وہ اپنے بھائی کو پکڑ نہیں سکتے تھے۔

ایک دوسرے مقام پر آیا ہے کہ ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین یعنی خدا نے تمہارے لئے اسی قانون شریعت کی اطاعت کو پسند فرمایا ہے۔

اسلام اور مسلم

اسلام خداوند تعالیٰ کے حضور سر جھکا دینے اور اس کی شریعت پر عمل کرنے کا نام ہے۔ ان الدین عنداللہ الاسلام یعنی خدا کے آگے سر جھکا دینے کا نام دین ہے۔ (سورۂ آل عمران آیت ۹) اور مسلم وہی ہے جو خدا کی اطاعت کرے اور اس کی شریعتوں کا پابند ہو۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کے زمانے میں اسلام کے معنی خدا کی اطاعت کرنا اور حضرت آدمؑ پر نازل ہونے والے احکام کو ماننا تھا۔ اس دور میں مسلم وہ شخص تھا جو خدا کا مطیع اور حضرت آدمؑ پر نازل ہونے والے احکام کا پابند تھا۔ اس اطاعت میں حضرت آدمؑ کی اطاعت شامل تھی کیونکہ وہ خدا کے احکام لے کر آئے تھے۔

حضرت نوحؑ کے دور میں خدا کی اطاعت اور حضرت نوحؑ کی شریعت کی پابندی کرنے کا نام اسلام تھا۔ اس دور کے اسلام میں حضرت نوحؑ کو نبی مرسل ماننا اور حضرت آدمؑ کی نبوت کی تصدیق کرنا شامل تھا اور ان پر ایمان لانے والا مسلم تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں خدا کی اطاعت اور حضرت آدمؑ و حضرت نوحؑ کی تصدیق کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کی نبوت پر ایمان لانے کا نام اسلام تھا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں خدا کی اطاعت کرنے، گزشتہ انبیاء پر ایمان لانے اور اس دور کے نبی کی شریعت پر عمل کرنے کا نام اسلام تھا۔

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں خدا کی اطاعت کرنے، سابقہ انبیاء کی تصدیق کرنے اور آنحضرتؐ کی شریعت پر ایمان لانے کا نام اسلام تھا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں اسلام نے خود سے زبانی اقرار کی شرط عائد کردی اور مسلمان کے لئے شہادتین اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں) کا زبانی اقرار لازمی قرار دیا گیا۔[1]

اس زبانی اقرار کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ توحید و نبوت کی گواہی دینے والا "ضروریات اسلام" میں سے کسی چیز کا انکار نہ کرے نیز جن انبیائے کرام کی نبوت کی تصریح قرآن مجید میں کی گئی ہے ان میں سے کسی کا انکار نہ کرے۔ اسلام کے ضروری احکام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے وجوب کا منکر نہ ہو اور نہ

☆ محمد لا الٰہ الا اللہ کوئی Cliche نہیں اور نہ یہ کسی فکری تخلیق ہے۔ یہ "وحی ربانی" ہے۔ "خود خدا نے پیغمبر کی ہے [illegible] قل انما یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد (سورۂ انبیاء آیت ۱۰۸) توحید ایک نظری عقیدہ نہیں، یہ عملی اظہار بھی چاہتا ہے صرف خدا کی "ذات" کو ایک ماننا ہی نہیں بلکہ اس کی "بات" کو ماننا بھی توحید کے دائرے میں شامل ہے۔ فکر توحید مسلمانوں پر اس طرح طاری ہونا چاہیے کہ ان میں وحدت فکر و عمل پیدا ہوجائے۔ ذرا سوچیے کہ آغاز دعوت کے وقت عربوں کی حالت کیا تھی اور رسول اللہؐ کے وقت وصال وہ کہاں پہنچ گئے تھے۔ عقیدۂ توحید سے ان کے دل معمور تھے۔ پہلی دعوت میں توحید کے مطابق سے لڑتے جھگڑتے عرب یکجا و متحد ہو کر خاص سے [illegible] میں قوم رسول ہاشمیؐ [illegible] بن گئے تھے۔ وہ جو کبھی دشمن اسلام تھے اسلام کے سپاہی ہوگئے تھے کہ فتح ایران کے موقع پر ایک معمولی مسلمان سپاہی نے اس وقت کی سپر پاور کے کمانڈر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا: بُعِثْنَا لِنُخْرِجَ الْعِبَادَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ اِلٰی عِبَادَةِ رَبِّ الْعِبَادِ وَمِنْ ذُلِّ الْاَدْیَانِ اِلٰی عِزِّ الْاِسْلَامِ

خواجہ غلام السیدین "تاریخ عالم پر ایک نظر" میں صفحہ ۲۲۷ پر لکھتے ہیں "یہ دیکھ کر واقعی حیرت ہوتی ہے کہ وہ عرب قوم جو صدیوں سے خوابیدہ تھی اور بظاہر دنیا کے واقعات سے اسے کوئی تعلق نہیں تھا یکایک کس طرح جاگ اٹھی اور اس نے ایسے زبردست جوش عمل کا ثبوت دیا کہ ساری دنیا دنگ رہ گئی اور ایک انقلاب برپا ہوگیا۔ چنانچہ عربوں کی یہ داستان کہ وہ ایشیا، افریقہ اور یورپ میں کس تیزی سے پھیل گئے اور تہذیب و تمدن کے کس اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئے تاریخ کے حیرت انگیز کرشموں میں شامل ہے۔ اسلام وہی قوت تھی جس نے عربوں کو جھنجھوڑ کر جگا دیا اور ان میں خود اعتمادی و جوش عمل کوٹ کوٹ کر بھر دیا" بقول اقبال

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی

آج کیا ہے؟ فقط ایک مسئلہ علم کلام

اگر آج عالم اسلام باطل سے کنارہ کش ہوکر صدق دل سے خدا کی حاکمیت اعلیٰ کو مان لے (یعنی خدا کے سوا کسی طاقت سے نہ ڈرے) اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کے مدنی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے علاقائی اور گروہی مفادات سے بالاتر ہوکر اتحاد فکر و عمل کا مظاہرہ کرے اور تعلیم، سیاسی، ٹیکنالوجی، دفاع، معیشت اور ثقافت کے میدانوں میں بلوہری کے ساتھ قدم بڑھائے تو یک مرتبہ پھر مسلمان عظمت رفتہ کی تاریخ کو دہرا سکتے ہیں مگر اس کے لئے مسلم حکمرانوں میں ایمانی جرات درکار ہے کا ہونا بھی شرط ہے۔ لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (سورۂ آل عمران آیت ۱۳۹)

محرمات پر اتفاق ہے انہیں حرام سمجھتا ہو مثلاً شراب نوشی، سود خوری اور محرموں سے نکاح وغیرہ کو حلال نہ سمجھتا ہو۔ الغرض کوئی شخص اس وقت تک دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک شہادتین کے زبانی اقرار کے ساتھ ضروریات دین پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ ضروریات دین سے مراد وہ حقائق ہیں جن پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

مومن اور منافق

اسلام اور ایمان میں فرق ہے اسی لئے مومن اور مسلم میں بھی فرق ہے۔ سورہ حجرات میں ہے قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو بلکہ یوں کہو۔ ہم اسلام لائے ہیں۔ ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ (سورۂ حجرات آیت ۱۴)

اسلام کا مطلب ہے اَلْاِقْرَارُ بِاللِّسَانِ وَ تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ۔ چنانچہ مومن وہ ہوتا ہے جو زبان سے بھی اسلام کا اظہار کرے اور دل سے بھی اس کی تصدیق کرے۔ اسلام اس کے دل میں کھب جاتا ہے اس لئے وہ اسلام کے عقائد پر دل سے ایمان رکھتا ہے اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس کے احکام پر خوشی خوشی عمل کرتا ہے۔ اگر اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ توبہ کرتا ہے اور خدا سے مغفرت طلب کرتا ہے۔ مسلم اور مومن دونوں پر دنیا میں یکساں حکم جاری ہوگا کیونکہ دونوں ہی ظاہراً مسلمان ہیں۔ ان دونوں کا فرق قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔

نفاق کے لغوی معنی: اردو کی کہاوت ہے کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور۔ اس سے ملتی جلتی عربی کی کہاوت ہے نَافَقَ الْیَرْبُوْعُ یعنی یربوع نے منافقت کی یا دھوکا دیا۔ یربوع ایک جنگلی چوہا ہے جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی، پچھلی ٹانگیں بڑی اور دم بھی ہوتی ہے۔ اس کہاوت کا پس منظر یہ ہے کہ یربوع بل بناتے وقت اس میں دو سوراخ بناتا ہے۔ ایک سوراخ کھلا رکھتا ہے جب کہ دوسرے سوراخ کو تھوڑی سی مٹی ڈال کر چھپا دیتا ہے۔ جو سوراخ ظاہر ہوتا ہے اسے قاصعاء اور جو سوراخ چھپا ہوتا ہے اور اسے نافقاء کہتے ہیں۔ جب کوئی یربوع پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اپنا سر چھپے ہوئے سوراخ پر مارتا ہے جس سے سوراخ کھل جاتا ہے اور وہ بھاگ نکلتا ہے۔ اس کے اس عمل کی وجہ سے یہ کہاوت زبان زد عام ہوگئی

نفاق کے اصطلاحی معنی: نَافَقَ الرَّجُلُ نِفَاقًا یعنی ایک شخص نے منافقت کی۔ یہ جملہ ایک ایسے شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو اسلام کا اظہار کرے اور ظاہری طور پر احکام اسلام پر عمل کرے لیکن دل میں کفر چھپائے ہوئے ہو۔ ایسے شخص کو اسلامی اصطلاح میں منافق کہا جاتا ہے۔

خدا فرماتا ہے اذا جاءک المنافقون قالوا نشهد انک لرسول الله والله یعلم انک لرسوله والله یشهد ان المنافقین لکاذبون ○ اتخذوا ایمانهم جنة (اے رسولؐ) جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ خدا کے رسول ہیں اور خدا جانتا ہے کہ آپ خدا کے رسول ہیں اور خدا گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو اپنے لئے ڈھال بنا لیا ہے۔ (سورۂ منافقون آیت ۲،۱)

مقصد یہ ہے کہ منافقین اپنے نفاق کو قسموں کے دبیز پردوں میں چھپاتے تھے جبکہ خدا نے ان کے نفاق کا پردہ چاک کر کے ان کی حقیقت ظاہر کر دی تھی۔

خدا کا فرمان ہے ان المنافقین یخادعون الله وهو خادعهم و اذا قاموا الی الصلاة قاموا کسالی یراءون الناس بے شک منافق خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں جبکہ خدا ان کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے اور جب یہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی بے دلی سے کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے۔ (سورۂ نساء۔ آیت ۱۴۲)

تمام شریعتوں کا نام اسلام رہا ہے

قرآن مجید میں امم سابقہ کے دین کو اسلام اور اس دین کے پیروکاروں کو مسلمان کہا گیا ہے۔

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا فان تولیتم فما سالتکم من اجر ان اجری الا علی الله وامرت ان اکون من المسلمین ○ تم نے منہ پھیر لیا ہے تو (کیا) میں نے تم سے کوئی معاوضہ مانگا ہے۔ میرا معاوضہ تو خدا کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (سورۂ یونس آیت ۷۲)

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ارشاد ہے ما کان ابراهیم یهودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما وما کان من المشرکین ○ ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ (خدا) کے فرمانبردار مسلم تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (سورۂ آل عمران۔ آیت ۶۷)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ کی وصیت کے بارے میں قرآن بتاتا ہے۔ ووصی بها ابراهیم بنیه ویعقوب یا بنی ان الله اصطفی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون ○ ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوبؑ نے بھی (اپنے بیٹوں سے یہی کہا) کہ بیٹا خدا نے تمہارے لئے یہی دین پسند فرمایا ہے مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۳۲)

ایک اور جگہ قرآن فرماتا ہے وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملة ابیکم ابراهیم هو سماکم المسلمین من قبل اور اس نے تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ (اور تمہارے لئے)

تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) اور اس نے پہلے بھی تمہارا نام مسلمان رکھا تھا۔ (سورۂ حج آیت ۷۸)

قوم لوط کے متعلق ارشاد ہے فاخرجنا من كان فيها من المؤمنين ○ فما وجدنا فيها غير بيت من المسلمين ○ وہاں جتنے مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا اور (اس بستی میں) ہم نے ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔ (سورۂ ذاریات آیت ۳۵، ۳۶)

حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا يا قوم ان كنتم آمنتم بالله فعليه توكلوا ان كنتم مسلمين ○ اے قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اگر (دل سے) مسلمان ہو تو اسی پر بھروسا رکھو۔ (سورۂ یونس آیت ۸۴)

فرعون کے جادوگر جب حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے اور فرعون نے انہیں دھمکیاں دیں تو انہوں نے دعا مانگی کہ ربنا افرغ علينا صبرا وتوفنا مسلمين ○ اے ہمارے رب! ہمیں صبر و ثبات عطا فرما اور ہمیں مسلمان کی موت نصیب فرما (سورۂ اعراف آیت ۱۲۶)

قرآن مجید فرماتا ہے کہ جب فرعون دریائے نیل میں ڈوبنے لگا تو بولا آمنت انه لا اله الا الذي آمنت به بنو اسرائيل وانا من المسلمين ○ میں ایمان لاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں بھی مسلمانوں میں سے ہوتا ہوں۔ (سورۂ یونس آیت ۹۰)

حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کو اپنے خط کے سرنامہ میں لکھا انه من سليمان وانه بسم الله الرحمن الرحيم ○ الا تعلوا علي واتوني مسلمين ○ یہ خط ہے سلیمانؑ کی طرف سے یہ شروع کیا جاتا ہے خدا کے نام سے جو رحمن ہے رحیم ہے۔ (اما بعد) مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس چلے آؤ۔ (سورۂ نمل آیت ۳۰، ۳۱)

اسی سورۂ نمل میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ فرماتے ہیں يا ايها الملؤا ايكم ياتيني بعرشها قبل ان ياتوني مسلمين ○ اے درباری سردارو! تم میں سے کون ایسا ہے جو ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ لوگ مسلمان بن کر میرے پاس آئیں۔ (آیت ۳۸)

حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے متعلق خدا فرماتا ہے واذ اوحيت الى الحواريين ان آمنوا بي وبرسولي قالوا آمنا واشهد باننا مسلمون اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی بھیجی کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔ (سورۂ مائدہ آیت ۱۱۱)

حواریوں کے متعلق قرآن کہتا ہے فلما احس عيسى منهم الكفر قال من انصاري الى الله قال الحواريون نحن انصار الله آمنا بالله واشهد بانا مسلمون ○ جب عیسیٰؑ نے ان کی طرف سے نافرمانی دیکھی تو کہنے لگے کہ کوئی ہے جو خدا کا طرفدار اور میرا مددگار ہو؟ حواری بولے کہ ہم خدا کے (طرفدار اور آپ کے) مددگار ہیں۔ ہم خدا پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ (سورۂ آل عمران آیت ۵۲)

سابقہ امتوں کو صرف قرآنی اصطلاح میں ہی مسلم نہیں کہا گیا بلکہ اسلامی روایت میں بھی انہیں مسلم کہا گیا ہے اور ان کے دین کا نام اسلام بتایا گیا ہے۔ ابن سعد نے اپنی سند سے ابن عباسؓ کے یہ جملے نقل کئے ہیں وما بین نُوحٍ الی آدم من الآباء کانُوا علی الاسلام حضرت نوحؑ سے لیکر حضرت آدمؑ تک ہمارے سارے آباؤ اجداد اسلام پر تھے۔

اس کے بعد والی روایت میں ہے کَانَ بَیْنَ آدَمَ وَ نُوحٍ عَشَرَۃُ قُرُوْنٍ کُلُّھُمْ علی الاسلام حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کے درمیان دس پشتیں گزری ہیں۔ وہ سب کے سب اسلام پر تھے۔

ابن عباسؓ کی روایت یہاں ختم ہوتی ہے کہ کشتی نوحؑ سے اترنے والوں کی نسلیں بڑھتی رہیں یہاں تک کہ ان کی تعداد ایک لاکھ ہوگئی۔ وہ سب کے سب اسلام پر تھے۔[1]

شریعتوں اور ان کے ناموں میں تحریف

یہود ونصاریٰ نے صرف خدا کی شریعت میں ہی تحریف نہیں کی بلکہ انہوں نے خدا کے دین کے نام بھی بدل ڈالے۔ انہوں نے خدا کے پسندیدہ دین "اسلام" کا نام بدل کر یہودیت اور نصرانیت رکھ دیا۔

(۱) یہود کی وجہ تسمیہ لفظ یہود دراصل یہودہ شہر کی طرف منسوب ہے۔ یہ شہر یروشلم کے جنوب مغرب میں جبل صیہون میں واقع تھا اور حضرت داؤدؑ کی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ اسی شہر میں انہوں نے اس چوبی صندوق کیلئے ایک بڑا مکان تعمیر کرایا تھا جو تابوت یہوا (The Ark of Covenant) کہلاتا ہے اور جس میں تورات کی تختیاں اور انبیائے بنی اسرائیل کے تبرکات تھے۔ بنی اسرائیل کے بادشاہ اسی شہر میں مدفون ہوئے۔[2]

(۲) نصاریٰ کی وجہ تسمیہ لفظ نصرانی ناصرہ شہر کی طرف منسوب ہے۔ یہ شہر فلسطین میں واقع ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا بچپن اسی شہر میں گزرا تھا اس لئے انہیں عیسیٰ ناصری کہا جاتا تھا۔ اسی نسبت سے ان کے شاگردوں کو بھی ناصری کہا جانے لگا۔ مسیحی اور مسیحیت بھی محدود لفظ ہیں کیونکہ اس کی نسبت حضرت مسیحؑ کی طرف ہے۔ حضرت عیسیٰ کے مخالفین نے ۱۳۱ء میں ان کے ماننے والوں کو مسیحی کہا کیونکہ اس طرح وہ ان کی تحقیر کرنا چاہتے تھے۔[3]

(۳) تحریف شریعت یہود ونصاریٰ کی پوری تاریخ تحریف سے بھری ہوئی ہے۔ ان کی تحریفات اتنی زیادہ ہیں کہ ان پر مستقل کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ سردست ہم صرف عقیدۂ الوہیت وربوبیت میں تحریف کا جائزہ پیش کرتے ہیں کیونکہ الوہیت وربوبیت دین کے عقائد واحکام کی اساس ہے۔

۱۔ طبقات ابن سعد، مطبوعہ یورپ، ج ۱، ص ۱۸۔
تاریخ ابن کثیر ج ۱، ص ۱۰۱ پر ابن عباسؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں: "دس پشتیں سب کی سب اسلام پر تھیں"

۲۔ قاموس کتاب مقدس، فارسی۔ مادہ یہود، یہودا، در صہیون۔

۳،۴ قاموس کتاب مقدس، مادہ الناصرۃ اور الناصری، المسیح والمسیحی۔

یہود کی تحریف کا نمونہ

ہم نے درج ذیل اقتباسات تورات، سفر تکوین باب دوم کی آٹھویں آیت سے آخری آیت تک لئے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے سفر تکوین کا باب سوم مکمل نقل کیا ہے۔

خداوند خدا نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا اور انسان کو جسے اس نے بنایا تھا وہاں رکھا ○ اور خداوند خدا نے ہر درخت کو جو دیکھنے میں خوشنما اور کھانے میں اچھا تھا زمین سے اگایا اور باغ کے بیچ میں حیات کا درخت اور نیک و بد کی پہچان کا درخت بھی لگایا ○ اور عدن سے ایک دریا باغ کے سیراب کرنے کو نکلا اور وہاں سے چار ندیوں میں تقسیم ہوا ○ پہلی کا نام فیسون ہے جو حویلہ کی ساری زمین کو جہاں سونا ہوتا ہے گھیرے ہوئے ہے ○ اور اس زمین کا سونا چوکھا ہے اور وہاں موتی اور سنگ سلیمانی بھی ہیں ○ اور دوسری ندی کا نام جیحون ہے جو کوش کی ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے ○ اور تیسری ندی کا نام دجلہ ہے جو اسور کے مشرق کو جاتی ہے اور چوتھی ندی کا نام فرات ہے ○ اور خداوند خدا نے آدم کو لے کر باغ عدن میں رکھا کہ اس کی باغبانی اور نگہبانی کرے ○ اور خداوند خدا نے آدم کو حکم دیا اور کہا کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل بے روک ٹوک کھا سکتا ہے لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا کبھی نہ کھانا کیونکہ جس روز تو نے اس میں سے کھایا تو مرا ○ اور خداوند خدا نے کہا کہ آدم کا اکیلا رہنا اچھا نہیں میں اس کے لئے ایک مددگار اس کی مانند بناؤں گا ○ اور خداوند خدا نے کل دشتی جانور اور ہوا کے کل پرندے مٹی سے بنائے اور ان کو آدم کے پاس لایا کہ دیکھے کہ وہ ان کے کیا نام رکھتا ہے اور آدم نے جس جانور کو جو کہا وہی اس کا نام ٹھہرا ○ اور آدم نے کل چوپایوں اور ہوا کے پرندوں اور کل دشتی جانوروں کے نام رکھے پر آدم کے لئے کوئی مددگار اس کی مانند نہ ملا ○ اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا ○ اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا ○ اور آدم نے کہا کہ یہ تو اب میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس لئے وہ ناری کہلائے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے ○ اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑ دے گا اور اپنی بیوی سے ملا رہے گا اور وہ ایک تن رہے گا ○ اور آدم اور اس کی بیوی دونوں ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے ○

باب نمبر ۳

اور سانپ کل دشتی جانوروں سے جن کو خداوند خدا نے بنایا تھا چالاک تھا اور اس نے عورت سے کہا کیا واقعی خدا نے کہا ہے کہ باغ کے کسی درخت کا پھل نہ کھانا؟ ○ عورت نے سانپ سے کہا کہ باغ کے درختوں کا پھل تو ہم کھاتے ہیں ○ پر جو درخت باغ کے بیچ میں ہے اس کے پھل کی بابت خدا نے کہا ہے کہ تم

نہ تو اسے کھانا اور نہ چھونا ورنہ مرجاؤ گے ○ تب سانپ نے عورت سے کہا کہ تم ہرگز نہ مرو گے ○ بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دن تم اسے کھاؤ گے تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے ○ عورت نے جو دیکھا کہ وہ درخت کھانے کے لئے اچھا اور آنکھوں کو خوشنما معلوم ہوتا ہے اور عقل بخشنے کے لئے خوب ہے تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے شوہر کو بھی دیا اور اس نے کھایا ○ تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لئے لنگیں بنائیں ○ اور انہوں نے خداوند خدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا سنی اور آدم اور اس کی بیوی نے اپنے آپ کو خداوند خدا کے حضور سے باغ کے درختوں میں چھپایا ○ تب خداوند خدا نے آدم کو پکارا اور اس سے کہا کہ تو کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے باغ میں تیری آواز سنی اور میں ڈرا کیونکہ میں ننگا تھا اور میں نے اپنے آپ کو چھپایا ○ اس نے کہا کہ تجھے کس نے بتایا کہ تو ننگا ہے؟○ کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا؟○ آدم نے کہا کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے اس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا ○ تب خداوند خدا نے عورت سے کہا کہ تو نے یہ کیا کیا؟○ عورت نے کہا کہ سانپ نے مجھ کو بہکایا تو میں نے کھایا ○ اور خداوند خدا نے سانپ سے کہا کہ اس لئے کہ تو نے یہ کیا تو سب چوپایوں اور دشتی جانوروں میں ملعون ٹھہرا تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور اپنی عمر بھر خاک چاٹے گا ○ اور میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا ○ پھر اس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا ○ اور آدم سے اس نے کہا کہ چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا اس لئے زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔ مشقت کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اس کی پیداوار کھائے گا ○ تو اپنے منہ کے پسینے کی روٹی کھائے گا جب تک کہ زمین میں تو پھر لوٹ نہ جائے اس لئے کہ تو اس سے نکالا گیا ہے کیونکہ تو خاک ہے اور خاک میں پھر لوٹ جائے گا ○ اور آدم نے اپنی بیوی کا نام حوا رکھا اس لئے کہ وہ سب زندوں کی ماں ہے ○ اور خداوند خدا نے آدم اور اس کی بیوی کے واسطے چمڑے کے کرتے بنا کر ان کو پہنائے ○

اور خداوند خدا نے کہا کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لے کر کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے ○ اس لئے خداوند خدا نے اس کو باغ عدن سے باہر کر دیا تاکہ وہ اس زمین کی جس میں سے وہ لیا گیا تھا کھیتی کرے ○ چنانچہ اس نے آدم کو نکال دیا اور باغ عدن کے مشرق کی طرف کروبیوں اور چوگرد گھومنے والی شعلہ زن تلوار کو رکھا کہ وہ زندگی کے درخت کی راہ کی حفاظت کریں ○

تورات کی یہ تعلیمات کیا کہتی ہیں

تورات کی آیات بتاتی ہیں کہ خدا نے خاکم بدہن جھوٹ بولا تھا۔ اس نے حضرت آدمؑ سے کہا تھا کہ "مگر تو نے نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کھایا تو تو مر جائے گا۔" جبکہ سانپ نے حوّا کو اصل حقیقت بتائی اور اس نے خدا کے فرمان کو جھوٹا کہا۔ اس کے بعد آدمؑ اور حوا نے اس درخت کا پھل کھایا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں۔ اسی لئے جب خدا ٹھنڈے وقت باغ میں ٹہل رہا تھا تو اس نے ان دونوں کو جنت میں نہ پایا اور پکارا کہ تم کہاں ہو؟

آدمؑ اور حوّا جو کہ درختوں کی آڑ میں شرمندگی کے مارے چھپے ہوئے تھے بولے کہ ہم یہاں درختوں کی آڑ میں چھپے ہوئے ہیں کیونکہ ہم ننگے ہیں اور اس حالت میں تیرے سامنے آنے سے شرمارہے ہیں۔

تب خداوند خدا نے حضرت آدمؑ سے کہا کہ تجھے کس نے بتایا ہے کہ تو ننگا ہے؟

حضرت آدمؑ نے سارا واقعہ خدا کو کہہ سنایا جس کی وجہ سے خدا آدمؑ اور حوّا پر ناراض ہوا اور انہیں سزا کے طور پر جنت سے باہر نکال دیا۔ وہ سانپ پر بھی سخت ناراض ہوا اور اس نے سانپ سے ٹانگیں اور حسن و جمال چھین لیا اور اسے بھی جنت سے نکال دیا۔ آدمؑ اور حوّا کو صرف اس خدشے کی بنا پر جنت سے نکالا گیا کہ ہو سکتا ہے کہ کبھی یہ زندگی کے درخت کا پھل کھا لیں تو وہ ہم جیسے ہو جائیں۔ اس کے بعد خدا نے درخت حیات پر فرشتوں اور شعلہ زن تلوار کا سخت پہرہ لگا دیا تاکہ انسان وہاں تک نہ پہنچ سکے۔

تورات نے خدا جل شانہ کا جو خاکہ پیش کیا ہے وہ انتہائی بھیانک ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رب العالمین انتہائی کمزور ہے کیونکہ اسے اپنی مخلوق سے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ اس کے مانند نہ ہو جائے۔ تورات کا خدا انتہائی مکار، دغاباز اور جھوٹا ہے اور اس کا جھوٹ آدمؑ اور حوّا پر کھل گیا۔ علاوہ ازیں وہ انتہائی ظالم بھی ہے کیونکہ اس نے سچ بولنے پر سانپ کو بہت کڑی سزا دی۔

اور مجھے تو تورات کے اس جملے پر انتہائی تعجب ہے

"اور خداوند خدا نے کہا کہ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا"

اہل کتاب علماء سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں بتائیں کہ کتنے خدا موجود ہیں کہ انسان ان میں سے ایک کی مانند ہو گیا؟ جس مذہب کی مقدس کتاب اپنے خدا کو جھوٹا، مکار، دغاباز اور ظالم کہتی ہو اس کتاب کے ماننے والوں پر ان باتوں کا کیا اثر ہو گا؟ "سُبحانَ اللّٰہِ و تعالیٰ عمّا یقُولُہُ الظّالِمُونَ عُلُوًّا کبیرًا"

نصاریٰ کی تحریف

سابقہ بیانات کی روشنی میں یہود و نصاریٰ دونوں مشرک ہیں جبکہ عقیدہ الوہیت و ربوبیت میں نصاریٰ یہود سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ وہ تثلیث کے قائل ہیں۔

نصاریٰ کا عقیدۂ تثلیث

نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں اور خدا ان کا باپ ہے۔ اور وہ دونوں باپ بیٹا روح القدس کے ساتھ مل کر "ایک" بنتے ہیں۔ (چنانچہ باپ + بیٹا + روح القدس (1 + 1 + 1 = 1) مل کر ایک بنتا ہے یعنی تین ایک ہیں اور ایک تین ہے۔ اسی کو وہ Unity In Trinity کہتے ہیں)۔ ☆

خدا ان کے متعلق فرماتا ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ۝ لَّقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ ... مَّا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ۗ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۝ بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریمؑ کے بیٹے مسیح خدا ہیں حالانکہ مسیح یہود سے یہ کہا کرتے تھے کہ اے بنی اسرائیل! خدا ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے (اور جان رکھو کہ) جو کوئی خدا کا شریک ٹھہرائے گا خدا اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ اس معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے مسیح ابن مریمؑ تو صرف (خدا کے) ایک رسول تھے۔ ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ صدیقہ تھیں۔ وہ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو ہم ان لوگوں کے لئے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں پھر یہ لوگ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔ (سورۂ مائدہ آیت ۷۲ تا ۷۵)

☆ مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات رسول رحمت مرتبہ مولانا غلام رسول مہر صفحہ ۱۴۶ پر ہے کہ "جب نجاشی سے دربار میں حضرت عیسیٰ کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا" وہ اللہ کے بندے اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا کلمہ تھے جو مریم عذرا پر القا کیا گیا۔ "نجاشی نے یہ سنتے ہی تنکا زمین سے اٹھایا اور کہا:" جو کچھ تم نے بتایا خدا کی قسم عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔" حقیقت یہ ہے کہ نجاشی آریوسی مسیحیوں میں سے تھا جو حضرت عیسیٰ کی وحدت الٰہ کے قائل تھے تثلیث کے قائلوں کی طرح یہ نہیں مانتے تھے کہ حضرت عیسیٰ میں دو فطرتیں جمع تھیں۔ ایک عبدیت کی اور دوسری الوہیت کی۔ جو انہوں نے مسلمانوں کے عقیدے کی تصدیق کی۔ ☆ آریوس Arius اسکندریہ کا پادری تھا جس نے چوتھی صدی مسیحی کے اوائل میں حضرت مسیح کی وحدت فطرت کا عقیدہ پیش کیا یعنی حضرت موصوف کی الوہی فطرت سے انکار کے لئے زمین ہموار ہو رہی تھی۔ مسیحیت کی پہلی مجلس (۳۲۵ء) میں نیقیہ (ایشیائے کوچک) میں منعقد ہوئی تھی جس میں آریوس کے عقیدے کو باطل قرار دیا گیا۔ تاہم اہل حبش نیز مشرقی مسیحیوں اور گاتھوں کی خاصی جماعتیں مدت تک آریوس کے عقیدے پر قائم رہیں" ☆۔

جس طرح یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور مسلمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا عبد اور رسول مانتے ہیں اسی طرح ایک چھوٹا عیسائی فرقہ Unitarian Christian آج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا عبد اور رسول مانتا ہے۔

رب العزت کا فرمان ہے یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ القاھا الی مریم و روح منہ فآمنوا باللہ و رسلہ ولا تقولوا ثلاثۃ انتھوا خیرا لکم انما اللہ الہ واحد سبحانہ ان یکون لہ ولد لہ ما فی السموات وما فی الارض وکفی باللہ وکیلا ○ اے اہل کتاب! اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مریمؑ کے بیٹے عیسیٰ مسیحؑ (نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ) خدا کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریمؑ کی طرف القا کیا تھا اور اس کی طرف سے روح تھے۔ تو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو (کہ خدا) تین ہیں۔ (اس عقیدے سے) باز آجاؤ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے خدا ہی معبود واحد ہے۔ اور اس سے پاک ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور خدا ہی کارساز ہونے کے لحاظ سے کافی ہے۔ (سورۂ نساء آیت ۱۷۱)

خدا نے سچ کہا۔ تحریف کرنے والے جھوٹے ہیں اور خدا ظالموں کے قول سے پاک ہے۔

حقائق یہی ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خدا کا پسندیدہ دین اسلام ہے اور اسلام کے نام کو چھوڑنا تحریف ہے اور یہودیت اور مسیحیت بلحاظ نام اور بلحاظ شریعت تحریف شدہ ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ صحیح اسلام کیا ہے؟ اور شریعت اسلام کیا ہے؟ یہ ہم آگے بتائیں گے۔

اسلام قرآن کی نگاہ میں

سورۂ روم میں ہے۔ فاقم وجھک للدین حنیفا فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون (اے رسولؐ) آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش ہو جائیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی خلقت اور فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

لغوی تشریح

۱۔ حنیفا حنف باطل سے کنارہ کش ہوکر حق کی طرف آنا۔ اس کی ضد جنف ہے یعنی حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جانا۔ اور جو باطل سے منہ موڑ کر حق کا گرویدہ ہو جائے وہ حنیف ہے۔ بالفاظ دیگر وہ مخلص شخص جو خدا کے حکم کے سامنے سرنگوں ہو جائے اور اپنے دین کے احکام کی پابندی کرے۔

۲۔ فطر فطر الامر اس نے ایک امر کا اختراع کیا۔ فطر اللہ العالم خدا نے کائنات کو بنایا اور اس کے بنانے کے لئے پہلے کا کوئی نمونہ نہ تھا۔

درج بالا آیت سے پیوستہ آیات میں خدا نے کچھ گروہوں کا ذکر کیا ہے اور ایک حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں۔" اور یہ کہ "دین وہی ہے جس کا نام اسلام ہے۔"

آپ ضلالت و گمراہی سے کنارہ کش ہو کر راہ اعتدال کی طرف متوجہ رہیں کیونکہ وہی حق ہے۔ دین اسلام کی طرف رخ کرنا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ خدا نے دین اسلام کو فطری تقاضوں کے مطابق بنایا ہے اور خدا کی فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی اسی لئے خدا کا دین جو عین فطرت ہے نہیں بدلتا۔ اگر انسان فطرت کے اصولوں پر کاربند رہے تو وہ سیدھے دین پر ہوگا مگر لوگوں کی اکثریت اس سے بے خبر ہے۔

کائنات کے تمام جاندار فطرت کے پابند ہیں اور وہ اپنے فطری الہام کے تحت کام کرتے ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھیاں اپنی فطرت کے مطابق قسم قسم کے پھولوں کے پودوں سے عرق (Nectar) چوستی ہیں اور اس سے شہد بناتی ہیں۔ اگر شہد کی کوئی مکھی اپنی فطرت سے ہٹ کر کسی غلاظت پر بیٹھ جائے اور وہ غلاظت چھتے میں لے جائے تو چھتے کی نگہبان مکھیاں اسے اندر نہیں گھسنے دیتیں اور ملکہ مکھی اس مکھی کو کاٹ کر چھتے سے نیچے پھینک دیتی ہے۔

اسی طرح اگر ایک مرغی پاک غذا کھاتی رہے تو اس کا گوشت کھانا حلال ہے اور اگر وہ اپنی فطرت سے ہٹ کر نجاست خور بن جائے تو اس کا گوشت حرام ہو جاتا ہے۔ اور اس سلسلے میں فقہ کا قانون یہ ہے کہ تین دن تک ڈربے میں بند کر کے پاک غذا کھلائی جائے اور پھر ذبح کیا جائے۔

یقیناً فقہ کا یہ قانون فطرت کے عین مطابق ہے۔ خدا کا حکم اس کی تمام مخلوق کے لئے یکساں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر کوئی اپنی اپنی فطرت کے مطابق عمل کرے اور اس عمل سے بچے جو اس کے لئے نقصان دہ ہو۔ انسان چونکہ اس کائنات کا ثمر ہے اس لئے خدا اس سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ نجس اور حرام غذاؤں سے پرہیز کرے اور پاک غذائیں کھائے۔ یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ (اے رسول!) لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ (سورۂ مائدہ آیت ۴)

قرآن رسول اکرمؐ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ○ وہ لوگ جو رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۵۷)

اسلامی احکام میں انسان کے نفع و نقصان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ناپاک چیزیں اس لئے حرام کی گئی ہیں کیونکہ وہ انسان کے لئے مضر ہیں اور پاک چیزیں اس لئے حلال کی گئی ہیں کیونکہ وہ انسان کے لئے مفید ہیں۔

سورۂ رعد کی آیت ۱۷ میں اسی نکتے کی تائید کی گئی ہے فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے زمین میں رہ جاتا ہے۔

اسلام کے ہر حکم میں انسان کا فائدہ مضمر ہے جیسا کہ حج کے احکام میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے۔ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ○ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ (اے ابراہیمؑ) لوگوں میں حج کے لئے ندا کر دو۔ لوگ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔ ان میں پیدل پا بھی ہوں گے اور وہ بھی جنہوں نے دبلے پتلے اونٹوں پر دور دراز مقامات سے قطع مسافت کی ہوگی تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کے لئے حاضر ہوں۔ (سورۂ حج آیت ۲۷ و ۲۸)

اسلام میں غیر اللہ کو پکارنا بھی اسی لئے منع ہے کہ یہ بات انسانی شرف کے خلاف ہے جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا ہے يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا يَنفَعُهُ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ○ يَدْعُو لَمَن ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِن نَّفْعِهِ یہ خدا کے سوا اس کو پکارتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ دے سکتا ہے یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ (بلکہ) ایسے شخص کو پکارتا ہے جس کا نقصان فائدے سے زیادہ قریب ہے (سورۂ حج آیت ۱۲ و ۱۳)

خدا کو جو ہمارا رب ہے کسی طور ہمارا نقصان پسند نہیں۔ اسی لئے اگر کسی چیز کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ تھا تو اس نے اسے حرام قرار دیا اور انسانوں کو اس سے بچنے کا حکم دیا يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا (اے رسولؐ) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان میں نقصان زیادہ ہیں اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں لیکن ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۹)

نفع اور نقصان کا دائرہ جتنا بڑھے گا حلال و حرام کا دائرہ بھی اتنا ہی بڑھے گا۔ انسان اپنے وجود کے لحاظ سے باقی تمام جانداروں سے افضل ہے۔ ہر انسان ایک جسم عنصری رکھتا ہے اور جسم کے لئے کچھ چیزیں مفید اور کچھ چیزیں مضر ہوتی ہیں۔ جو چیزیں جسم کے لئے مفید ہیں خدا نے انہیں حلال اور جو چیزیں مضر ہیں انہیں حرام کیا ہے۔ یہ حکم کہ پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام ہیں ہر انسان کے لئے ہے خواہ وہ جنگلی زندگی گزارتا ہو یا جنگلوں اور پہاڑوں میں تنہا رہتا ہو۔ دیہات میں رہتا ہو یا شہر میں یا زمین کو چھوڑ کر کسی اور سیارے پر چلا جائے۔ اس کے کھانے پینے کی چیزوں کا معیار ہمیشہ یہی رہے گا کہ پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام ہیں۔

انسان معاشرتی حیوان ہے اور انسانی زندگی کی تکمیل معاشرتی زندگی سے ہوتی ہے۔ پس جو چیزیں معاشرے کے لئے مفید ہیں خدا نے ان کو حلال کیا ہے اور جو چیزیں معاشرے کے لئے نقصان دہ ہیں ان کو حرام

کیا ہے۔ مثلاً خدا نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود اور جوئے کو حرام قرار دیا ہے۔

انسان نفس بھی رکھتا ہے۔ چونکہ زندگی کی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت تہذیب نفس ہے اس نے خدا نے حج کو واجب کیا کیونکہ اس میں تہذیب نفس اور دوسرے فائدے پوشیدہ ہیں۔ اس نے ایسی تمام چیزوں کو حرام کیا ہے جو معاشرے کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ اور خدا نے ایسے کاموں کی نشاندہی فرمائی ہے جن میں معاشرے کی بھلائی ہے۔ وہ فرماتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ ۝ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا فَکَرِھْتُمُوْہُ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو۔ اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں، عورتوں کا مسخرہ کریں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو ایمان لانے کے بعد برا نام دھرنا گناہ ہے اور جو توبہ نہ کرے وہ ظالم ہے۔ اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اور خبردار! کسی کے معاملات کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور نہ کسی کی غیبت کیا کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم کو اس سے نفرت ہو گی۔ اور خدا سے ڈرو بے شک خدا تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ حجرات آیت ۱۰ تا ۱۲)

اسلامی شریعت کے تمام احکام ہر جگہ اور ہر زمانے میں انسانی فطرت کے مطابق ہیں اور قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے احکام صرف ہم امت مرحومہ پر ہی واجب نہیں ہیں بلکہ سابقہ امتوں پر بھی فرض رہے ہیں۔ خدا حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے تذکرے میں فرماتا ہے وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّةً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوةِ وَکَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۝ ہم نے ان (نبیوں) کو لوگوں کا امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کو نیک کام کرنے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی تھی اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ (سورۂ انبیاء: آیت ۷۳)

حضرت عیسیٰؑ نے گہوارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا: وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۝ جب تک میں زندہ ہوں خدا نے مجھ کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وصیت کی ہے۔ (سورۂ مریم آیت ۳۱)

سورۂ مریم میں ارشاد ہے وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا اور وہ اپنے

اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے رب کے ہاں برگزیدہ تھے۔ (آیت ۵۵)

خدا نے ہمیں روزہ رکھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۱۸۳)

خدا نے ہمیں سود لینے سے منع فرمایا ہے۔ یہ ممانعت صرف ہمارے لئے نئی نہیں، سابقہ امتوں کے لئے بھی سود لینا ممنوع تھا۔ خدا نے بنی اسرائیل کی اخلاقی پستی کا ذکر کرتے ہوئے ان کا یہ جرم بھی بیان کیا ہے: وَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ (ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے) کیونکہ وہ منع کئے جانے کے باوجود سود لیتے تھے۔ (سورۂ نساء، آیت ۱۶)

خدا نے انسانی زندگی کے تحفظ کے لئے قصاص کا قانون بنایا مگر یہ قانون صرف ہم پر نافذ نہیں کیا گیا بلکہ ہم سے پہلے بھی یہ قانون نافذ تھا: إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۝ بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے جس کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔ اور ہم نے تورات میں ان (یہودیوں) کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے۔ (سورۂ مائدہ، آیت ۴۴ و ۴۵)

الغرض اسلام جو دین فطرت ہے اس کے احکام فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام صرف جوانوں اور بوڑھوں کے لئے احکام بیان نہیں کرتا بلکہ وہ شیرخوار بچوں کو بھی غذائی تحفظ دیتا ہے: وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۝ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۳)

دو برس تک دودھ پلانے کا حکم صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ یہ حکم اس وقت سے ہے جب آدم اور حوا کے پہلے بچے نے جنم لیا تھا۔ یہ حکم ساری دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں کیونکہ یہ حکم انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور خدا کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں۔ اسی سے خدا کے دین میں بھی کوئی تبدیلی نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دین اسلام دین فطرت ہے اور اس کے احکام فطری تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں تو انسان ان احکام کی مخالفت کیوں کرتا ہے؟ اس سوال کا جواب اگلی بحث میں آئے گا۔

انسان اور نفس امارہ

ابھی ہم یہ کہہ آئے ہیں کہ تسخیری ہدایت رکھنے والے بعض جاندار بھی کبھی فطری ہدایت سے ہٹ جاتے ہیں مثلاً خدا نے مرغی کو ادھر ادھر سے دانہ دنکا چگنے کی فطری ہدایت الہام کی ہے مگر وہ اس ہدایت سے [illegible] کرکے کبھی کبھار نجاست کھانے لگ جاتی ہے اور نجاست خور مرغی کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ اسے [illegible] جائے یعنی تین دن تک کسی ڈربے میں بند کر کے پاک غذا کھلائی جائے۔

اسی طرح سے زنبور عسل کو خدا نے فطری ہدایت دی ہے کہ قسم قسم کے پھلوں کے [illegible] اور اس سے شہد تیار کرے لیکن کبھی کبھار کچھ مکھیاں فطرت کے برخلاف غلاظت پر جا بیٹھتی ہیں اور جب [illegible] ساتھ غلاظت لے کر چھتے میں آتی ہیں تو وہاں پر موجود نگہبان مکھیاں اس کے منہ کی بو سونگھتی ہیں۔ اور جب [illegible] انہیں یقین ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ غلاظت لے کر آئی ہیں تو وہ فوراً اس کے ٹکڑے ٹکڑے [illegible] مگر اپنے چھتے کو خراب نہیں ہونے دیتیں۔ دوسرے جانداروں کی طرح سے انسانوں میں بھی ایسے [illegible] ہیں جو نظام فطرت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اپنی خواہش نفس کی وجہ سے خدا کی اس ہدایت سے انحراف [illegible] جسے اس نے انبیائے کرام کے ذریعے انسانوں کی فوز و فلاح کے لئے نازل کیا ہے۔ [illegible] دوسرے جانداروں کی طرح سے خدا نے انسان کو صرف حیات ہی نہیں نفس بھی عطا فرمایا ہے جس نے [illegible] ایجاد کو وہی بہتر جانتا ہے۔ اس نفس کو عقل و شعور کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ اسی عقل و شعور کی بدولت [illegible] ایک ذرہ سے لے کر آفتاب تک ہر چیز کو مسخر کئے ہوئے ہے۔ خدا نفس انسانی کے متعلق فرماتا ہے ونفس وما سوّاھا ○ فالھمھا فجورھا و تقواھا ○ نفس کی قسم اور اس کو سنوارنے والے کی قسم۔ [illegible] (ہر چیز کی) اچھائی اور برائی کا الہام کیا۔ (سورۂ شمس۔ آیت ۷و۸)

لغوی تشریح

۱۔ نفس: عربی زبان میں نفس کے کئی معانی ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں

(۱) جان اور روح جو کہ مایۂ حیات ہے۔ جب جان نکل جاتی ہے تو موت واقع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ [illegible] کا مقولہ ہے خرجت نفسُ المُحتضر یعنی محتضر کی جان نکل گئی۔

(۲) کسی چیز کی ذات اور حقیقت کو بھی نفس کہا جاتا ہے۔ نفس الانسان والجن کا مطلب ہے انسان اور جن کی ذات اور حقیقت۔

(۳) ایک ہی چیز۔ چنانچہ مقام تاکید میں کہا جاتا ہے جاءنی احمد نفسہ احمد بعینہ میرے پاس [illegible]

(۴) ایک ایسی قوت جو قریباً قریباً دل کی طرح اہم ہے اور پہچان و ادراک کا سرچشمہ ہے۔ [illegible]

کو محسوس کرنے کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ وہ قوت نیند کے وقت جسم سے جدا ہو جاتی ہے اور روحی قوت ہے جو انسان کو اچھی بری بتاتی ہے۔ عربی کا مقولہ ہے امرتنی نفسی و سولت لی نفسی لفعل السوء یعنی میرے نفس نے مجھے حکم دیا۔ میرے نفس نے میرے لئے برا سوچا۔[1] اور آیت میں یہی معنی مراد ہیں۔

۳۔ سوّاها اس کی تخلیق مکمل کی تا آنکہ وہ کمال کو پہنچ گیا اور اس میں قبول ہدایت کی استعداد پیدا ہوئی۔

۴۔ فالهمها فجورها و تقواها یعنی نفس میں ایسا احساس پیدا کیا جو انسان کو اچھے برے کا فرق سمجھاتا ہے۔ عام بول چال میں اسے "ضمیر" کہا جاتا ہے۔ انسانی نفس کے صفات و القاب وہی ہیں جو حیوانی نفس کے ہیں جیسے نفس میں محبت، نفرت، پسندیدگی، ناپسندیدگی، رغبت، خواہش، بغض وغیرہ۔ البتہ نفس انسانی میں اصلی خوبی یہ ہے کہ وہ اچھے برے اور پاک و ناپاک کو پہچان سکتا ہے۔

اور جب کوئی انسان چراغ عقل کی روشنی میں برے کاموں کو پہچان لیتا اور ان کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ جزا کا حقدار بن جاتا ہے اور جب کوئی شخص عقل کی مخالفت کر کے اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے تو وہ سزا کا حقدار بن جاتا ہے۔ ارشاد اقدس الٰہی ہے

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝

جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا اس کا ٹھکانا جنت ہے۔ (سورۂ نازعات آیت ۴۰،۴۱) اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (پھر چند ناخلف لوگوں نے) نماز کو چھوڑ دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے سو عنقریب ان کو گمراہی کی سزا ملے گی۔ (سورۂ مریم آیت ۵۹)

نفس کے اندر خیر و شر کو قبول کرنے کی دو متضاد صلاحیتیں موجود ہیں۔ اسی طرح نفس سے باہر بھی دو فریق موجود ہیں۔ ایک فریق ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور نفسانی خواہشات چھوڑنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ انبیاء اور ان کے پیرو ہیں۔ اور دوسرا فریق گمراہی اور نفسانی خواہشات پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے اس میں جناتی اور انسانی شیاطین سرفہرست ہیں۔ انسان خود مختار ہے۔ ان دو فریقوں میں سے کسی کو بھی انسان پر کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ ہر فریق اسے صرف دعوت دے سکتا ہے، اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ البتہ ہر فریق اپنی دعوت کو مزین کر کے اس کے سامنے پیش کرتا ہے جیسے کہ قصۂ آدم کے ضمن میں بتایا گیا ہے کہ جب خدا نے ابلیس پر لعنت کی اور اسے عالم بالا سے نکلنے کا حکم دیا تو اس نے کہا رَبِّ بِمَا اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ ۝ پروردگار! جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لئے (گناہوں کو) مزین کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ (سورۂ حجر آیت ۳۹)

۱۔ مفردات راغب اور معجم الفاظ القرآن الکریم۔ لوگوں نے اس چوتھے معنی کی تین اقسام بیان کی ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہی چیز کو خواہ مخواہ تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

خدا نے کہیں پہلے سے یہ خبر دی ہے کہ جب قیامت کے دن تمام گنہگار ابلیس کو الزام دیں گے تو وہ کہے گا اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۝ جو وعدہ خدا نے تم سے کیا تھا وہ تو سچا وعدہ تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ جھوٹا تھا۔ اور میرا تم پر کوئی زور نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ میں نے تم کو (گمراہی کی) دعوت دی اور تم نے (جلدی سے اور بلا دلیل) اسے مان لیا۔ (آج) مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔ (سورہ ابراہیم آیت ۲۲)

جس طرح انسان ابلیس کے ہاتھوں مجبور نہیں ہے اسی طرح وہ انبیائے کرام کی دعوت اور تبلیغ کے سامنے بھی مجبور نہیں ہے۔ انسان آزاد اور مختار ہے چاہے تو ابلیس کی بات مانے اور چاہے تو انبیاء کی دعوت پر لبیک کہے۔ خدا نے حضرت خاتم الانبیاء سے فرمایا فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ (اے رسول) آپ یاددہانی کرتے رہیں کہ آپ صرف یاددہانی کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر نگران نہیں بنائے گئے۔ (سورہ غاشیہ آیت ۲۱ و ۲۲) اور یہ کہ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ہم نے انسان کو (خیر و شر کے) دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔ (سورہ بلد آیت ۱۰)

ایک اور ارشاد ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ یقیناً ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے (اب وہ) خواہ شکر گزار رہے خواہ ناشکرا۔ (سورہ دہر آیت ۳)

خدا نے اس مسئلے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ دین (کو قبول کرنے) میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔ تو جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور خدا پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی تھام لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور خدا (سب کچھ) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔ جو مومن ہیں ان کا دوست خدا ہے کہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۵۶ و ۲۵۷)

انسان اس بات میں آزاد ہے کہ خود نیک کام کرے یا برے کام انجام دے۔ اسے ہر نیکی اور بدی قیامت کے دن ضرور دکھائی جائے گی۔ قرآن کہتا ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ (سورہ زلزال آیت ۷ و ۸)

حد سے محدود ہوگا۔ چنانچہ جیسا کہ آپ نے سنا بیان سے ثابت ہیں لیکن ان میں جنات بھی ان کے شریک ہیں جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے

شریعت اسلام انس وجن دونوں کیلئے ہے

۱۔ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْہُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ○ قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ (اے پیغمبر) ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ قرآن سنیں۔ پس جب وہ حاضر ہوئے تو (آپس میں) کہنے لگے خاموشی سے سنو۔ پھر جب (تلاوت قرآن) تمام ہوئی تو وہ سب پلٹ کر اپنی قوم کے پاس گئے تاکہ ان کو ڈرائیں۔ کہنے لگے کہ اے قوم ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ کتاب پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور سچا (دین) اور سیدھا راستہ بتاتی ہے۔ اے قوم! خدا کی طرف بلانے والے کی بات پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لاؤ (سورۂ احقاف آیت ۲۹ تا ۳۱)

۲۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ○ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ○ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ○ وَّاَنَّهُ کَانَ یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ○ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا ○ وَّاَنَّهُ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ○ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا کَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ○ وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا ○ وَّاَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ○ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ○ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِکَ کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ○ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ○ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓی اٰمَنَّا بِهٖ فَمَنْ یُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ○ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ○ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَکَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ○ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَةِ لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ○ بنام خدائے رحمٰن و رحیم۔ (اے پیغمبر) کہہ دیجئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے۔ اس کی نہ کوئی بیوی ہے نہ اولاد۔ اور یہ کہ ہم میں سے بعض نا سمجھ خدا کے بارے میں طرح طرح کی بے ربط باتیں کرتے رہے ہیں۔ اور ہمارا یہ خیال تھا کہ انسان اور جن خدا کی نسبت جھوٹ نہیں بولتے۔ اور یہ کہ بعض آدمی بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے

تھے (اس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی۔ اور یہ کہ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا جس طرح تمہارا تھا کہ خدا کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو سخت قسم کے نگہبانوں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور ہم پہلے بعض مقامات پر بیٹھ کر باتیں سن لیا کرتے تھے لیکن اب کوئی سننا چاہے گا تو اپنے لئے شعلوں کو تیار پائے گا۔ اور ہمیں معلوم نہیں کہ اہل زمین کے لئے اس سے کوئی برائی مقصود ہے یا ان کے رب نے ان کی بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے۔ ہمارے مختلف مذہب ہیں۔ اور یہ کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں خدا کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے ہدایت (کی کتاب) سنی تو اس پر ایمان لے آئے۔ پس جو اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کو نہ نقصان کا خوف ہوگا اور نہ ظلم کا۔ ہم میں سے بعض اسلام لائے اور بعض نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اور جو اسلام لائے وہ رشد و ہدایت کے رستے پر چلے۔ اور جو اسلام نہیں لائے وہ دوزخ کا ایندھن بنے۔ اور (اے پیغمبر) یہ (بھی ان سے کہہ دو) کہ اگر یہ لوگ سیدھے راستے پر رہتے تو ہم ان کے پینے کو بہت سا پانی دیتے۔ (سورۂ جن آیت ۱تا۱۶)

۳۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ○ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ○ اور جس دن وہ سب (جن و انس) کو جمع کرے گا اور کہے گا اے گروہ جنات تم نے انسانوں سے بہت (فائدے حاصل کئے) تو جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ اے پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے ہیں جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا۔ خدا فرمائے گا (اب) تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں تم ہمیشہ ہمیشہ (جلتے) رہو گے۔ مگر جو خدا چاہے۔ بے شک تمہارا پروردگار حکمت والا اور علم والا ہے۔ اے گروہ جن و انس کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آتے رہے جو ہماری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ (پروردگار) ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دی کہ وہ کفر کرتے تھے۔ (سورۂ انعام آیت ۱۲۸تا۱۳۰)

لغوی تشریح

۱۔ جدّ یہاں جد شان، جلال اور عظمت کے معنی میں آیا ہے۔

۲۔ غدقاً غدق الماء غدقاً پانی کی کثرت ہوئی۔ وھُمْ فِی غَدَقٍ مِنَ العَیْشِ وہ بڑے عیش میں بسر کر رہے ہیں یعنی بڑے ناز و نعم میں ہیں۔

تفسیر آیات

حضرت رسول اکرمؐ کی بعثت کے بعد خداوند سبحان نے کچھ جنات کو قرآن سننے کے لئے بھیجا۔ جب وہ آئے تو آنحضرتؐ قرآن پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ خاموش ہو جاؤ تاکہ توجہ کے ساتھ اس کلام کو سنیں۔ جب رسول اکرمؐ تلاوت قرآن ختم کر چکے تو قوم جنات کے افراد اپنی قوم کے پاس گئے اور انہوں نے کہا اے قوم! ہم نے ایک عجیب کتاب سنی ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ تمام سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے قوم! خدا کی طرف دعوت دینے والے کی آواز پر لبیک کہو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ ہم تو ایمان لا چکے ہیں اور اب ہم آئندہ شرک نہیں کریں گے۔ ہمارا رب اس سے کہیں بلند ہے کہ اس کے کوئی بیوی یا اولاد ہو۔ تمہاری طرح سے بہت سے انسانوں کا گمان بھی یہی تھا کہ وہ کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔

قوم جنات میں ہر طرح کے افراد موجود ہیں۔ ان میں نیک بھی ہیں اور بدکار بھی۔ ان میں مسلمان بھی ہیں اور حق سے انحراف کرنے والے ظالم بھی۔ جو خدا پر ایمان لا چکے ہیں انہیں نہ تو دوزخ کا خوف ہے اور نہ ہی کسی ظلم و زیادتی کا اندیشہ ہے۔ وہ افراد جو ظالم ہیں اور حق سے منحرف ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہیں گے۔

قیامت کے دن خدا تمام انسانوں اور جنوں کو جمع کرے گا۔ اس دن مجرم اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔ خدا ان سے کہے گا کہ تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔ تم ہمیشہ کے لئے دوزخ میں چلے جاؤ۔ ہاں اگر کسی کے لئے ہماری مشیت کا تقاضا ہوا تو ہم اسے دوزخ سے نجات دیں گے۔ اس دن خدا ان سے کہے گا اے گروہ جنات! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آتے رہے جو تمہیں ہماری آیات پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور تمہیں آج کی ملاقات سے باخبر کرتے تھے؟ اس وقت جنات اپنے کفر کا اقرار کریں گے۔

جنات کے ان جملوں (إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ ... يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ) سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ جنات کو بھی آسمانی کتابوں کے ذریعے سے ہدایت دی گئی ہے اور جس طرح آسمانی کتابیں انسانوں کے لئے رشد و ہدایت کا منبع ہیں اسی طرح وہ جنات کے لئے بھی ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ انبیائے کرام کی تبلیغ کے مکلف ہونے میں جنات بھی انسانوں کے شریک ہیں۔

تفسیر روائی

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ تبلیغ کے لئے بازار عکاظ کی طرف روانہ ہوئے اس وقت شیاطین پر آسمان کے راستے بند ہو چکے تھے اور انہیں وہاں کی خبر نہیں ملتی تھی۔ اگر کوئی وہاں کی بات سننا چاہتا تو اسے شہاب ثاقب مار کر بھگا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب

شیاطین نے اپنی قوم سے رجوع کیا اور پوچھا کہ کیا ماجرا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے آسمان سے خبریں حاصل کرنے میں رکاوٹ پیدا کردی گئی ہے اور شہاب ثاقب مار کر بھگا دیا جاتا ہے۔

شیاطین نے جنات سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے زمین پر کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے لہٰذا تم مشرق اور مغرب میں گھوم پھر کر پتا چلاؤ کہ آسمانی خبروں اور تمہارے درمیان رکاوٹ کا سبب کیا ہے؟

چنانچہ ان جنات نے — جو تہامہ گئے ہوئے تھے اور واپس لوٹ رہے تھے — دیکھا کہ نبی اکرم اپنے اصحاب کو نماز فجر پڑھا رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر جنات وہیں رک گئے۔ اس وقت رسول اکرم تلاوت قرآن میں مصروف تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ ذرا خاموش رہو تاکہ ہم غور سے یہ کلام سن سکیں۔ خدا کی قسم ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان یہی چیز رکاوٹ لگی ہے۔

تلاوت قرآن سن کر جنات اپنی قوم کے پاس گئے تو انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ کی اور ان سے کہا کہ ہم نے ایک عجیب کتاب (قرآن) سنی ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ وہ صحیح راستہ دکھاتی ہے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم آئندہ کسی کو خدا کا شریک نہیں بنائیں گے۔ پھر خدا نے رسول اکرم پر **قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ** والی آیات نازل فرمائیں۔ آپ کی طرف جنات کی گفتگو کو بطور وحی نازل کیا گیا۔[1]

بحار الانوار میں سورۂ احقاف کی آیت **یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا** کے ضمن میں یہ روایت مروی ہے

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ رسول اکرم مکہ سے بازار عکاظ تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ زید بن حارثہ بھی تھے۔ آپ نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی آپ کی دعوت قبول نہیں کی۔ پھر آپ وہاں سے مکہ واپس آنے لگے۔ جب آپ **وادی مجنة** پہنچے تو وہاں نماز تہجد ادا کی۔ وہاں سے جنات کا ایک گروہ گزر رہا تھا۔ جب انہوں نے آپ کو نماز میں قرآن کی قرأت کرتے سنا تو وہ ٹھٹھک گئے اور ایک دوسرے سے بولے کہ خاموش رہو تاکہ پوری توجہ سے قرآن سن سکیں۔ آنحضرتؐ کی قرأت سن کر وہ اپنی قوم کی طرف دین کے مبلغ بن کر گئے اور کہنے لگے اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد اتری ہے وہ سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور سیدھے راستے کی رہنمائی کرتی ہے۔ اے قوم! خدا کی طرف بلانے والے کی آواز پر تم بھی لبیک کہو اور اس پر ایمان لے آؤ۔ پھر وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں شریعت اسلام سیکھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور ایمان لے آئے۔ رسول اکرم نے انہیں اسلامی احکام سکھائے۔ اس کے بعد خدا نے رسول اکرم پر سورۂ جن نازل فرمایا اور آپ کو ان کی گفتگو سے آگاہ فرمایا۔ رسول اکرم نے ایک جن کو ان کے اوپر حاکم مقرر فرمایا۔[2]

۱۔ صحیح مسلم کتاب الصلاۃ، باب الجهر بالقراءة، حدیث ۱۴۹، ص ۳۳۱۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورہ جن، ج ۳، ص ۲۰۴۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۶۳، ص ۸۲ بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی، ص ۶۲۳۔

خلاصہ بحث

آسمانی کتابیں بالخصوص "تورات" اور "قرآن" صرف انسانوں کیلئے ہی سرچشمہ ہدایت نہیں بلکہ جنات نے بھی ان سے فیض حاصل کیا اور جنات میں ایسے افراد بھی ہیں جو اپنی قوم کیلئے دین کے مبلغ بن کر گئے۔ ان جن داعیوں نے اپنی قوم کو یہ بتایا کہ خدا کی طرف سے قرآن نامی کتاب نازل ہوئی ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ انسانوں کی طرح جنات میں بھی مشرکین کا طبقہ موجود ہے۔ آیات کے سیاق و سباق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانوں کی طرح سے جنات بھی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ بلکہ انسانوں کی طرح کچھ جنات کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ خدا مرنے کے بعد دوبارہ کسی کو نہیں جلائے گا اور موت کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔

المختصر یہ کہ انسانوں کی طرح جنات میں بھی مسلم اور مومن نیز کافر اور مشرک موجود ہیں۔ جو جنات مومن ہیں وہ قیامت کے دن نجات پائیں گے اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ یہ بات ثابت ہے کہ عقائد میں جن و انس یکساں ہیں۔ دونوں میں خدا، رسول اور کتابوں پر ایمان رکھنے والے موجود ہیں۔ دونوں میں مشرک موجود ہیں اور "ابن اللہ" کا عقیدہ رکھنے والے بھی موجود ہیں۔ دونوں میں انبیاء سے انحراف موجود ہیں۔ دونوں میں دوسروں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے والے موجود ہیں۔ قیامت کے دن خدا دونوں سے حساب لے گا اور سزا و جزا دے گا۔ اور جہاں تک احکام اسلام کا تعلق ہے تو خدا نے ان کے لیے ایسے احکام مقرر کئے ہیں جو ان کی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ واللہ اعلم

مختصر یہ کہ اسلام ہی خدا کا دین ہے اور اسلامی شریعت جن و انس دونوں کے لیے ہے۔ خدا نے اپنے دین اور اپنی شریعت کو انبیائے کرام کے واسطے سے انسانوں تک بھیجا ہے۔ انبیائے کرام کے بعد ان کے اصحاب نے اس دین کی حفاظت اور تبلیغ کا فرض ادا کیا۔

خدا کے مبلّغ اور عوام کے معلّم

نبی اور نبوت

نبوت کے معنی رفعت اور اونچی شان کے ہیں۔ قرآن مجید میں نبوت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

کسی بشر کو شایاں نہیں کہ خدا تو اسے کتاب اور حکم لگانے کی بصیرت اور نبوت عطا کرے پھر بھی وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میری بندگی کرو (سورۂ آل عمران، آیت ۷۹)

اس آیت میں نبی کو صاحب کتاب یعنی صاحب علم اور صاحب بصیرت یعنی قوت فیصلہ رکھنے والا بتایا گیا ہے اور نبوت کو ان دونوں کے لئے تتمیم بتایا گیا ہے۔

نبوت ایک ایسا خصوصی رتبہ ہے جس میں خداوند عالم نبی کو علم اور اپنا قرب عطا فرماتا ہے جیسا کہ قرآن مجید بتاتا ہے یٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ اے اونچی شان والے! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور خدا کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ (سورۂ احزاب ۴۵-۴۶)

مقام نبوت کی رفعت بتاتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبی مومنوں کی جانوں پر ان سے بھی زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں۔ (سورۂ احزاب آیت ۶)

نبی کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ (اے محمدؐ) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوحؑ اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ (سورۂ نساء آیت ۱۶۳)

نبی ایک اسلامی اصطلاح ہے۔ نبی وہ ہوتا ہے جس کی خدا کے نزدیک بڑی اونچی شان ہو اور جس کی طرف خدا وحی بھیجتا ہو۔ خدا انبیاء کو ہدایت کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجتا ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (پہلے سب) لوگ ایک ہی امت تھے (پھر وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو خدا نے نبیوں کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب بھی نازل کی

(سورۂ بقرہ آیت ۲۱۳) یہ ضرور ہے کہ کتابیں نبیوں پر ہی نازل کی گئیں لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر نبی صاحب کتاب ہے۔ خدا نے بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت دی ہے۔ وہ فرماتا ہے و لقد فضلنا بعض النبیین علی بعض اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت دی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۵۵)

پھر خدا نے نبیوں میں سے رسولوں کا انتخاب کیا۔ جس کی کچھ وضاحت ذیل میں دی جاتی ہے۔

رسول اور رسالت

حامل رسالت کو رسول کہا جاتا ہے۔ رسالت خدا کی طرف سے انسانی ہدایت کا وسیلہ ہے اور رسول، خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ وہ خدا کے خاص پیغام کا حامل ہوتا ہے۔ خدا کو جس قوم کی ہدایت مقصود ہوتی ہے انہی میں سے وہ اپنے رسول کا انتخاب کرتا ہے اور ہر قوم کا رسول اس کا ہم زبان ہوتا ہے۔ خدا فرماتا ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه لیبین لهم ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ وہ اپنی قوم کو خدا کا پیغام صاف صاف پہنچادے (سورۂ ابراہیم آیت ۴)

خدا نے ہر نبی کو اس کی اپنی قوم میں مبعوث کیا جیسا کہ ارشاد ہے والی عاد اخاهم هودا اور قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا (سورۂ اعراف آیت ۶۵ اور سورۂ ہود آیت ۵۰)

والی ثمود اخاهم صالحا اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا (سورۂ اعراف آیت ۷۳۔ سورۂ ہود آیت ۶۱۔ سورۂ نمل آیت ۴۵)

والی مدین اخاهم شعیبا اور قوم مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا (سورۂ اعراف آیت ۸۵۔ سورۂ ہود آیت ۸۴۔ سورۂ عنکبوت آیت ۳۶)

اور اس کی حکمت بالکل عیاں ہے۔ خدا نے ہر نبی کو اس کی اپنی قوم میں اس لئے مبعوث کیا کہ اس کی قوم والے تبلیغ دین میں اس کی مدد کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب کے مخالفین نے ان سے کہا تھا ولولا رهطك لرجمناك اگر تمہارا کنبہ قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کردیتے۔ (سورۂ ہود آیت ۹۱)

رب دو جہاں نے رسولوں کو بھیجنے کے دو مقصد بیان کئے ہیں

۱۔ لوگوں کو ہدایت کی نعمت نصیب ہو۔

۲۔ لوگ خدا کو اپنی گمراہی کا الزام نہ دے سکیں کہ اس نے کسی کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجا ہی نہیں تھا۔

خدا نے رسولوں کو بھیجنے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے رسلا مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی الله حجة بعد الرسل (ہم نے) رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے بنا کر بھیجا تاکہ رسولوں کے بعد لوگ خدا کے سامنے کوئی حجت پیش نہ کرسکیں (سورۂ نساء آیت ۱۶۵)

خدا فرماتا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا اور ہم جب تک کسی رسول کو بھیج نہیں لیتے اس وقت تک عذاب نہیں دیتے (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۵)

رسول کے آنے کے بعد ہی قوموں کی تقدیر کا فیصلہ کیا جاتا ہے ولکل امۃ رسول فاذا جاء رسولہم قضی بینہم بالقسط وہم لا یظلمون ○ ہر امت کی طرف رسول بھیجا گیا۔ جب ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جاتا۔ (سورۂ یونس آیت ۴۷)

رسول کی نافرمانی سے ہی قومیں دنیا و آخرت کے عذاب کی مستحق قرار پاتی ہیں۔ خدا فرعون اور اس سے پچھلی اقوام کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے فعصوا رسول ربہم فاخذہم اخذۃ رابیۃ ○ انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو خدا نے ان کو بڑا سخت پکڑا۔ (سورۂ حاقہ آیت ۱۰)

رسول کی نافرمانی فرد واحد کی نافرمانی نہیں ہوتی بلکہ براہ راست خدا کی نافرمانی ہوتی ہے ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم خالدین فیہا ابدا جو کوئی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لئے آتش جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ (سورۂ جن آیت ۲۳)

خدا نے نبیوں میں سے رسولوں کو منتخب کیا تھا۔ رسولوں کی تعداد نبیوں سے بہت کم ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے پوچھا یا رسول اللہ انبیاء کی تعداد کتنی ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں سے تین سو چودہ رسول ہیں۔

چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ مثلاً حضرت الیسعؑ نبی تھے مگر وہ حضرت موسیٰؑ کے وصی تھے۔ خدا نے کچھ رسولوں کو ایسی شریعت کے ساتھ بھیجا تھا جس میں پچھلی شریعت کے چند احکام منسوخ تھے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت میں پچھلی شریعتوں کے چند منسوخ احکام شامل تھے۔ کچھ رسول ایسی شریعت لائے تھے جو پچھلی شریعت کی تجدید و تکمیل کرتی تھی۔ مثلاً حضرت خاتم الانبیاءؐ جو شریعت لائے ہیں وہ شریعت ابراہیمی کی تجدید و تکمیل کرتی ہے ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراہیم حنیفا (اے رسول!) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کریں جو سیدھا دین ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۱۲۳)

دین و شریعت کا وہ سلسلہ جو حضرت آدمؑ سے شروع ہوا تھا حضرت خاتمؐ پر مکمل ہو گیا جیسا کہ خود خدا کہتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (اے رسول!) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ (سورۂ مائدہ آیت ۳)

مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۶۵ یہ روایت تفصیل کے ساتھ شیخ صدوق کی کتاب معانی الاخبار ص ۹۵ خصال صدوق ج ۲ ص ۹۶ اور بحار الانوار ج ۱۱ ص ۳۲ حدیث ۲۴ میں مذکور ہے۔ ہم نے یہ روایت مسند احمد سے لی ہے۔

وصی اور وصایت

آیئے اب دیکھیں کہ اوصیاء کون تھے اور ان کی حقیقت کیا تھی؟

کتاب وسنت کی اصطلاح میں وصی اسے کہا جاتا ہے جسے کسی شخص نے وصیت کی ہو کہ میری وفات کے بعد میرا فلاں فلاں کام کرنا۔ اس کے لئے وصیت کرنے والا یہ کہتا ہے کہ "میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد فلاں فلاں کام کرنا" یا یہ کہ "میں تجھ سے عہد لے رہا ہوں کہ تو میرے بعد یہ کام کرنا"۔

الغرض اس طرح کے الفاظ سے وصایت ثابت ہوجاتی ہے اور وصیت کرنے والا دوسروں کو یہ خبر دیتا ہے کہ میرے بعد فلاں شخص میرا وصی ہے۔ اتنا کہہ دینے سے بھی کہ "فلاں شخص میرے بعد میرا وصی ہے" وصایت ثابت ہوجاتی ہے۔

نبی کا وصی وہ ہوتا ہے جس کو نبی نے اپنی شریعت اور امت کے امور کی وصیت کی ہو۔

جب ہم اوصیاء کی سرگزشت پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تاریخ طبری میں ملتا ہے کہ اماں حوا سے ہبۃ اللہ پیدا ہوئے جن کا عبرانی نام شیث ہے۔ حضرت آدم نے شیث کو اپنا وصی بنایا تھا۔ شیث سے انوش ہوئے۔ جب وہ بیمار ہوئے تو انہوں نے انوش کو اپنا وصی بنایا۔ اس کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔ انوش سے قینان کے علاوہ کئی بہت سے بیٹے ہوئے مگر قینان نے نوش کو اپنا وصی بنایا۔ قینان کی مہلائیل اور یرد کے سوا دیگر اولادیں بھی ہوئیں مگر قینان نے مہلائیل کو وصی بنایا۔ یرد سے اخنوخ (ادریس) اور دیگر اولادیں ہوئیں مگر یرد نے ادریس کو وصی بنایا۔ ادریس سے متوشلخ اور دوسری اولادیں ہوئیں مگر ادریس نے متوشلخ کو وصی بنایا۔ (علیہم السلام)

ابن سعد نے حضرت ادریس کے بارے میں ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم کے بعد حضرت ادریس پہلے نبی تھے اور ان کا نام خنوخ بن یرد تھا۔ ادریس سے متوشلخ اور دوسری بہت سی اولادیں ہوئیں۔ ادریس نے متوشلخ کو اپنا وصی بنایا تھا۔ متوشلخ سے لمک اور دوسری بہت سی اولادیں ہوئیں۔ متوشلخ نے لمک کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور لمک سے حضرت نوح پیدا ہوئے۔[2] (علیہم السلام)

مسعودی نے اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں جو کچھ کہا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے: جب خدا نے حضرت آدم کو موت دینے کا ارادہ کیا تو انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت شیث کو اپنا وصی مقرر کریں اور تمام علوم و اسرار تعلیم کریں جو خدا نے انہیں عطا کئے ہیں۔ حضرت آدم نے خدا کے فرمان پر عمل کیا۔ اور یہ کہ حضرت شیث نے اپنے بیٹے حضرت قینان کو اپنا وصی مقرر کیا۔ انہوں نے ان کو تمام صحیفوں کی تعلیم دی اور (مختلف مقاصد مثلاً تعمیرات اور زراعت وغیرہ کے لئے) زمین کی تقسیم سکھائی۔ انہیں نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے، حج کرنے

۱۔ تاریخ طبری، مطبوعہ یورپ ج ۱، ص ۱۶۳، ۱۶۵، ۱۶۶۔ تاریخ ابن اثیر ج ۱، ص ۱۹، ۲۰، ذکر شیث بن آدم۔

۲۔ طبقات ابن سعد، مطبوعہ یورپ ج ۱، ص ۱۶۔ تاریخ ابن کثیر، ج ۱، ص ۹۸، ذکر وصیت آدم برائے شیث۔

اور وہ قابیل سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ حضرت قینانؑ نے اپنے والد کی وصیت پر عمل کیا۔ وفات کے وقت حضرت قینانؑ کی عمر 720 سال تھی۔ حضرت قینانؑ نے اپنے بیٹے حضرت مہلائیلؑ کو اپنا وصی مقرر کیا اور ان کو وہی وصیت کی جو ان کے والد نے انہیں کی تھی۔ وفات کے وقت حضرت مہلائیلؑ کی عمر 875 سال تھی۔

حضرت مہلائیلؑ نے اپنے بیٹے حضرت بواردؑ کو وصی بنایا۔ انہوں نے بھی حضرت بواردؑ کو گزشتہ صحیفوں کی تعلیم دی اور (مختلف مقاصد کے لئے) زمین کی تقسیم بندی سکھائی۔ انہوں نے حضرت بواردؑ کو سر الملکوت نامی کتاب پڑھائی جو حضرت مہلائیلؑ نے ان کو پڑھائی تھی۔ اس سے پہلے یہ کتاب مہر شدہ حالت میں نسلاً بعد نسل اوصیاء کے پاس منتقل ہوتی رہی تھی اور کسی نے اس کو کھولا نہ تھا۔

حضرت بواردؑ کے بعد حضرت ادریسؑ نبی ہوئے۔ انہوں نے دینی علوم اور کتاب خدا کا اتنا درس حاصل کیا تو سب ان کو ادریس کہنے لگے۔ خدا نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے۔ ان سے قبل حضرت آدمؑ پر اکیس اور حضرت شیثؑ پر انتیس صحیفے نازل ہوئے تھے جو سب تسبیح و تہلیل پر مشتمل تھے۔[1]

حضرت بواردؑ نے حضرت ادریسؑ کو اپنا وصی مقرر کیا اور انہیں وہی وصیت کی جو ان کے والد نے ان کی تھی۔ انہوں نے اپنے تمام علوم حضرت ادریسؑ کو سکھائے اور کتاب سر الملکوت بھی ان کے سپرد کی۔

حضرت شیثؑ کے بعد وہ صحف حضرت ادریسؑ کے حوالے کیا گیا۔[2]

یعقوبی نے انبیاء کے واقعات کو تسلسل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انہوں نے طبری اور ابن اثیر سے زیادہ تفصیل دی ہے اور ہر وصیت سے متعلق کچھ دوسرے واقعات بھی تحریر کئے ہیں مثلاً یہ کہ جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت ہوا تو شیثؑ اپنے بیٹوں اور پوتوں کے ہمراہ اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت آدمؑ نے انہیں خیر و برکت کی دعا دی اور حضرت شیثؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔

یعقوبی لکھتے ہیں کہ حضرت شیثؑ حضرت آدمؑ کے جانشین ہوئے۔ وہ اپنی قوم کو تقویٰ اور نیک اعمال کی تلقین کرتے تھے اور جب حضرت شیثؑ کی وفات کا وقت آیا تو ان کے بیٹے اور پوتے انوش، قینان، مہلائیل، یرد اور ادریس ان کے پاس آئے۔ ان کے خاندان کی عورتیں اور دیگر اولادیں بھی موجود تھیں۔ حضرت شیثؑ نے انہیں خیر و برکت کی دعا دی اور نصیحت کی کہ وہ قابیل ملعون کی اولاد سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں۔ انہوں نے انوشؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔

یعقوبی حضرت نوحؑ کے واقعات میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت نوحؑ کی رحلت کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے تینوں بیٹوں سام، حام اور یافث اور ان کی اولاد کو جمع کیا اور انہیں وصیتیں کیں۔ یعقوبی نے سام کے نام حضرت نوحؑ کی وصیت کی تفصیل بیان کی ہے۔ یعقوبی نے تمام بنی اسرائیل کے انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام

۱۔ مروج الذہب طبع بیروت، ج ۱، ص ۳۵۔ ۲۔ اخبار الزمان، ص ۷۵۔

تفصیل تذکرہ کیا ہے جس میں سے ہم نے بقدر ضرورت یہاں نقل کیا ہے۔[1]

حضرت یردؑ کے زمانے میں اولاد قابیل میں بت پرستی کو رواج ملا۔ حضرت ادریسؑ کو حکم ہوا کہ متوشلخ کو اپنا وصی مقرر کرو کیونکہ میں اس کی نسل سے ایک ایسا نبی پیدا کروں گا جس کے افعال پسندیدہ ہوں گے۔ پھر خدا نے حضرت ادریسؑ کو اپنے آسمانوں میں اٹھا لیا اور یوں وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حضرت ادریسؑ کے بعد لوگوں میں بہت زیادہ اختلافات پیدا ہو گئے۔ ابلیس ملعون نے لوگوں کو یہ کہہ کر گمراہ کیا کہ ادریسؑ کاذب تھے انہوں نے آسمان پر چڑھنے کی کوشش کی تو وہ جل کر مر گئے

حضرت آدمؑ کی اولاد کو جو ان کے دین پر تھی اس خبر سے شدید صدمہ ہوا۔ ابلیس نے یہ بھی مشہور کیا کہ ان کے بڑے بت نے ادریسؑ کو ہلاک کیا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں میں بت پرستی جڑ پکڑنے لگی اور وہ اپنی قربانیاں بتوں کی بھینٹ چڑھانے لگے۔ انہوں نے اپنے بتوں کی خوشنودی کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا جس دن وہ جشن مناتے۔ اس جشن میں چھوٹے بڑے سب جوش و خروش سے شریک ہوتے۔

اس وقت ان کے پانچ بت تھے جن کے نام یہ ہیں

(۱) ود (۲) سواع (۳) یغوث (۴) یعوق (۵) نسر۔[2]

جب حضرت متوشلخؑ نے اس دنیا سے مفارقت کی تو انہوں نے حضرت لمکؑ کو اپنا وصی مقرر کیا۔ لمک کے معنی ہیں جمع کرنے والا۔ حضرت متوشلخؑ نے ان سے عہد لیا اور انبیاء کے صحائف اور حضرت ادریسؑ کی مہر شدہ کتاب ان کے سپرد کی۔ وفات کے وقت حضرت متوشلخؑ کی عمر 900 سال تھی۔

ایک مرتبہ حضرت لمکؑ نے خواب دیکھا کہ ان کے منہ سے آگ نکل رہی ہے جس نے ساری دنیا کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔ انہوں نے ایک بار یہ خواب بھی دیکھا کہ وہ سمندر کے بیچوں بیچ ایک درخت پر بیٹھے ہیں جہاں آدم ہے نہ آدم زاد۔

حضرت لمکؑ کے فرزند حضرت نوحؑ پچاس برس کے ہوئے تو خدا نے انہیں بت پرست قوم میں مبعوث فرمایا۔ حضرت نوحؑ اولوالعزم رسولوں میں سے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی عمر 2500 سال تھی اور انہوں نے 950 سال تک تبلیغ کی تھی۔ 950 سال کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حضرت نوحؑ کی شریعت توحید، نماز، روزے، حج اور دشمنان خدا (اولاد قابیل) سے جہاد پر مشتمل تھی۔ آپ نے حلال کا حکم دیا اور حرام سے منع کیا۔ آپ پوری زندگی لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے رہے اور عذاب آخرت سے ڈراتے رہے اور لوگوں کو خدا کی نعمتیں یاد دلاتے رہے۔

مسعودی لکھتے ہیں کہ خدا نے حضرت سامؑ کو حکومت عطا فرمائی تھی اور انہیں سابقہ انبیاء کا وارث بنایا تھا

۱۔ تاریخ یعقوبی، ج ۱، حالات شیث وغیرہ۔ ۲۔ ایک اور نسخہ میں صرف ود، سواع اور نسر کے نام ہیں

حضرت نوح نے اس کی اولاد میں ہی وصیت کی تھی۔ حضرت سام کے دوسرے بھائیوں میں وصیت نہیں دی تھی۔ مسعودی کی کتاب "اخبار الزمان" میں جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے وصایت کا بیان تک تذکرہ موجود ہے البتہ مسعودی نے اپنی دوسری کتاب "اثبات الوصیت" میں حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم تک تمام انبیاء کے اوصیاء کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔

انبیاء و مرسلین سے متعلق یہاں تک تو ہم نے اسلامی کتابوں سے حوالے پیش کئے۔ اب ہم انبیائے کرام اور اوصیاء عظام کے لئے عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

توراۃ و انجیل میں اوصیاء کے حالات

(۱) "قاموس کتاب مقدس" میں یوشع کے مادہ میں توراۃ سے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں

یوشع بن نون جبل سینا پر حضرت موسیٰ کے ساتھ تھے اور انہوں نے حضرت ہارون کے زمانے میں بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی۔

توراۃ کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

حضرت موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ ○ خداوند سارے بشر کی روحوں کا خدا کسی آدمی کو اس جماعت پر مقرر کر دے ○ جس کی آمد و رفت ان کے روبرو ہو اور وہ ان کو باہر لے جانے اور اندر لے آنے میں ان کا رہبر ہو تاکہ خداوند کی جماعت ان بھیڑوں کی مانند نہ رہے جن کا کوئی چرواہا نہیں ○ خداوند نے موسیٰ سے کہا تو نون کے بیٹے یشوع کو لے کر اس پر اپنا ہاتھ رکھ کیونکہ اس شخص میں روح ہے ○ اور اسے الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے آگے کھڑا کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے اسے وصیت کر ○ اور اپنے رعب داب سے اسے بہرہ ور کر دے تاکہ بنی اسرائیل کی ساری جماعت اس کی فرمانبرداری کرے ○ وہ الیعزر کاہن کے آگے کھڑا ہوا کرے جو اس کی جانب سے خداوند کے حضور اوریم کا حکم دریافت کیا کرے گا۔ اسی کے کہنے سے وہ اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے لوگ نکلا کریں اور اسی کے کہنے سے لوٹا بھی کریں ○ سو موسیٰ نے خداوند کے حکم کے مطابق عمل کیا اور اس نے یشوع کو لے کر اسے الیعزر کاہن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا کیا ○ اور اس نے اپنے ہاتھ اس پر رکھے اور جیسا کہ خداوند نے اس کو حکم دیا تھا اسے وصیت کی ○ [2]

یشوع کی خلافت اور اس کے غزوات کا ذکر سفر یشوع بن نون کے باب ۲۳ میں مذکور ہے۔

(۲) اور داؤد کے مرنے کے دن نزدیک آئے۔ سو اس نے اپنے بیٹے سلیمان کو وصیت کی اور کہا۔

۱۔ اخبار الزمان مسعودی، طبع بیروت، ۱۳۸۶ھ ص ۷۵، ۱۰۲۔

۲۔ گنتی باب ۲۷ آیات ۱۶تا۲۳ اردو ترجمہ بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور۔

میں اس راہ سے جانے والا ہوں جو سارے جہان کی ہے۔ اس لیے تو مضبوط ہو اور مرد کی مانند ہو۔ [illegible] کی شریعت میں لکھا ہے اس کے مطابق خداوند اپنے خدا کی ہدایت کو مان کر اس کی راہوں پر چل اور اس کے آئین اور اس کے فرمانوں اور حکموں اور شہادتوں پر عمل کرتا کہ جو کچھ تو کرے اور جہاں کہیں تو جائے سب میں تجھے کامیابی ہو۔[1]

(۳) تورات میں شمعون پطرس کا یہ مضمون نہیں ہے جیسا کہ انجیل متی کے دسویں باب میں مرقوم ہے:

پھر اس نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر ان کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کریں ۔ اور بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں پہلا شمعون جو پطرس کہلاتا ہے۔ اسی شمعون سے متعلق انجیل یوحنا کے باب ۲۱ آیت ۱۵ تا ۱۸ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے ان کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور ان سے فرمایا تھا کہ تم میری بھیڑیں چراؤ [illegible] تم میری امت کے نگہبان ہو۔

قاموس کتاب مقدس میں ہے کہ حضرت مسیح نے شمعون کو کلیسا کی ہدایت پر مامور کیا تھا۔[2]

تورات کے مطابق حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کو اپنا وصی مقرر کیا تھا اور انہیں وصیت کی تھی کہ وہ شریعت موسیٰ پر عمل کریں۔ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے حواری کو اپنا وصی مقرر کیا تھا۔

قرآن مجید میں انبیاء اور اوصیاء کا تذکرہ

قرآن مجید میں پچیس انبیاء کے نام ذکر کیے گئے ہیں:

(۱) آدمؑ	(۲) ادریسؑ	(۳) نوحؑ	(۴) ہودؑ	(۵) صالحؑ
(۶) ابراہیمؑ	(۷) اسماعیلؑ	(۸) اسحاقؑ	(۹) یعقوبؑ	(۱۰) یوسفؑ
(۱۱) لوطؑ	(۱۲) شعیبؑ	(۱۳) یونسؑ	(۱۴) موسیٰؑ	(۱۵) ہارونؑ
(۱۶) ایوبؑ	(۱۷) الیاسؑ	(۱۸) الیسعؑ	(۱۹) ذوالکفلؑ	(۲۰) داؤدؑ
(۲۱) سلیمانؑ	(۲۲) زکریاؑ	(۲۳) یحییٰؑ	(۲۴) عیسیٰؑ	(۲۵) محمدﷺ

ان میں سے کچھ نبیوں نے سابقہ شریعت کی تکمیل کی مثلاً حضرت نوحؑ نے شریعت آدم کی تکمیل کی اور حضرت محمد مصطفیٰ نے شریعت ابراہیمی کی تکمیل و تجدید کی۔ کچھ نبی ایسے بھی تھے جن کی شریعت سابقہ شریعتوں کی ناسخ تھی جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ کی شریعتیں سابقہ شریعتوں کی ناسخ تھیں۔ اور کچھ نبی ایسے تھے

---

۱. تورات، سلاطین اول، باب ۲ آیت ۲-۳ [illegible] اردو ترجمہ، بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور

۲. قاموس کتاب مقدس، [illegible] پطرس حواری۔

جو اپنے زمانے کے صاحب شریعت نبی کے وصی اور ان کی شریعت کے محافظ تھے جیسے حضرت یوشعؑ جو حضرت موسیٰ کے وصی اور ان کی شریعت کے محافظ تھے۔ نبی اور اس کے وصی کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحب معجزہ ہو تاکہ وہ اپنے دعویٰ کی صداقت میں آسمانی نشانی پیش کر سکے۔

آیت اور معجزہ

لغت میں آیت اس نشانی کو کہا جاتا ہے جو ظاہر ہو تو اس کے ساتھ وہ چیز بھی ظاہر ہو جائے جس کی وہ نشانی ہے۔ اسلامی اصطلاح میں آیت وہ نشانی ہے جو خدائی یا اس کے اسمائے حسنیٰ کی نشانی ہو۔

ہماری کائنات میں کچھ نشانیاں ایسی ہیں مثلاً اس کے نظام کی ہم آہنگی جو ایک مدبر کائنات "رب" کے وجود کا پتا دیتی ہیں۔ ایسی نشانیاں سنن اللہ فی الکون کہلاتی ہیں۔

۱۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت ○ والی السماء کیف رفعت ○ والی الجبال کیف نصبت ○ کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے ہیں کہ کیسے (عجیب) پیدا کئے گئے ہیں اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں۔ (سورۂ غاشیہ آیت ۱۷ تا ۱۹)

۲۔ خلق اللّٰہ السمٰوات والارض بالحق ان فی ذالک لآیۃ للمؤمنین ○ خدا نے آسمانوں اور زمین کو بالکل ٹھیک پیدا کیا ہے۔ بیشک اس میں ایمان والوں کے لئے نشانی ہے۔ (سورۂ عنکبوت آیت ۴۴)

قرآن کریم میں خدا کی کئی چیزوں کی خلقت کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ یہ چیزیں اپنے خالق کے وجود کا پتا دیتی ہیں اس لئے انہیں آیت کہا جاتا ہے۔ (خدا کی آیات — آسمان، زمین، سورج، چاند، سیارے، ستارے، پہاڑ اور دریا وغیرہ — ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔) علاوہ ازیں خدا کی کچھ نشانیاں ایسی بھی ہیں جو بتاتی ہیں کہ وہ ہی تمام مخلوق کی نشوونما اور بقا و ارتقا کا سامان کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کی نشانیوں کی مثال حسب ذیل آیات میں تلاش کی جا سکتی ہے۔

۳۔ ھو الذی انزل من السماء ماءً لکم منہ شراب ومنہ شجر فیہ تسیمون ○ ینبت لکم بہ الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات ان فی ذالک لآیۃ لقوم یتفکرون ○ وسخر لکم اللیل والنھار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون ○ وما ذرأ لکم فی الارض مختلفا الوانہ ان فی ذالک لآیۃ لقوم یذکرون ○ وہی تو (خدا) ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اس سے درخت بھی شاداب ہوتے ہیں جن میں تم اپنے جانوروں کو چراتے ہو۔ اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتیاں، زیتون، کھجور، انگور اور طرح طرح کے پھل اگاتا ہے۔ غور کرنے والوں کے لیے اس میں (قدرت خدا کی) نشانی ہے۔ اسی نے تمہارے لئے رات اور دن

سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ غور کرنے والوں کے لئے ان میں بھی (قدرت خدا) نشانیاں ہیں۔ اور جو رنگا رنگ چیزیں اس نے زمین میں پیدا کی ہیں (سب تمہارے تابع کردی ہیں) نصیحت پکڑنے والوں کیلئے اس میں بھی نشانی ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۱۲،۱۳)

۳۔ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کے لئے چلتی ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا ہے اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں عقل مندوں کے لئے (قدرت خدا کی) نشانیاں ہیں۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۶۴)

تکوین میں تصرف کو بھی آیت اور معجزہ کہا جاتا ہے جو مشیت ایزدی کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ مثلاً

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ

میں (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے یہ نشانی لے کر آیا ہوں کہ تمہارے سامنے مٹی سے ایک پرندہ بناؤں گا (سورۂ آل عمران آیت ۴۹)

انبیائے کرامؑ کے خارق عادت افعال کو عرف اسلامی میں معجزہ کہا جاتا ہے۔ اس کو معجزہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ دوسرے انسان اس جیسا کام کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ معجزہ مخلوق کے طبیعی نظام سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ مٹی سے پرندے کی صورت بناتے تھے اور جب اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ مجسمہ پرندہ بن کر ہوا میں اڑنے لگتا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کا یہ معجزہ سب سے پہلے تو اس بات کی دلیل تھا کہ رب کائنات نے تمام چیزوں کو خواص اور طبیعی نظام عطا کیا ہے اور جب اس کی حکمت کسی چیز کی خاصیت کو سلب کرنا ہوتی ہے تو وہ اس کو سلب بھی کر لیتا ہے۔ مثلاً آگ کی خاصیت جلانا ہے لیکن جب نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا تو خدا نے آگ سے جلانے کی خاصیت سلب کرلی۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

خدا نے ویسے تو کائنات کے لئے ایک طبیعی نظام تشکیل دیا ہے لیکن اگر وہ کبھی اپنے کسی نمائندے کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لئے اس میں تبدیلی کرنا چاہے تو وہ اس پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ مثلاً پرندے کے وجود میں آنے کے لئے ضروری ہے کہ نر و مادہ جفتی ہوں۔ پھر مادہ انڈے دے اور کچھ عرصہ ان کو سیئے تاکہ

انڈے سے چوزہ نکلے اور کچھ عرصہ بعد اڑنے کے قابل ہو کر اڑے۔ یہ خدا کا مقرر کردہ طبیعی نظام ہے۔ البتہ اگر خدا حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لئے ان کے ہاتھ سے بنے مٹی کے پرندے میں جان ڈال دے اور وہ اڑنے لگے تو خدا اس پر قادر ہے۔

انبیائے کرامؑ کے معجزات طبیعی نظام سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ مادہ مختلف حالتوں سے گزر کر آخری حالت میں منتقل ہوتا ہے۔ بعض مسلم فلاسفہ نے کہا ہے کہ انبیائے کرامؑ کے معجزات طبیعی نظام سے ماورا نہیں ہوتے بلکہ مادہ روشنی کی رفتار سے اپنی شکلیں بدل لیتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ فلاسفہ کا یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔ معجزہ طبیعی نظام کی تیز رفتاری کے نتیجے میں ظاہر نہیں ہوتا بلکہ معجزہ سے طبیعی نظام کی نفی ہوتی ہے اور اس سے خدا کی قدرت ثابت ہوتی ہے۔

”معجزہ جادو بھی نہیں ہوتا“ کیونکہ جادو ایک طرح کا تخیل اور فریب نظر (Optical Illusion) ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر آپ کبھی دیکھیں کہ جادوگر نے ایک زندہ سلامت پرندہ نگل لیا ہے یا دیکھیں کہ وہ اونٹ کے منہ میں داخل ہو کر اس کی دم سے باہر نکل آیا ہے یا اس نے شیشے کے برتن کو چکنا چور کر کے دوبارہ صحیح حالت پر لوٹا دیا ہے تو اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہوتی کیونکہ اس نے ان کاموں میں سے کوئی بھی کام نہیں کیا ہوتا۔ جادوگر صرف لوگوں کی آنکھوں پر جادو کرتا ہے جس سے انہیں اس قسم کے مناظر نظر آتے ہیں۔ جونہی جادو کا دورانیہ ختم ہوتا ہے نظر بندی کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے اور ہر چیز اپنی اصلی حالت میں دکھائی دینے لگتی ہے۔

”معجزہ چند لمحات کے لئے نہیں ہوتا، وہ مستقل اثر رکھتا ہے۔“ مثلاً دربار فرعون میں حضرت موسیٰؑ اور جادوگروں کے درمیان مقابلہ ہوا تھا۔ جادوگروں نے اپنی رسیاں زمین پر پھینکیں تو لوگوں کو وہ سانپ بن کر چلتی دکھائی دیں۔ یہاں تک تو جادو تھا۔ اس کے بعد نبوت کا معجزہ شروع ہوا۔ جونہی حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا زمین پر پھینکا تو وہ سچ مچ کا اژدھا بن گیا اور جادوگروں کے رسی سے بنے سانپوں کو نگل گیا۔

جب جادوگروں نے یہ عجیب ماجرا دیکھا تو اپنے گرو گھنٹال سے رجوع کیا۔ وہ بولا کہ صبر کرو، تھوڑی دیر بعد ہماری رسیاں مل جائیں گی لیکن جب کافی دیر گزر گئی اور رسیاں نظر نہ آئیں تو وہ بولا یہ جادو نہیں بلکہ نبوت کا معجزہ ہے کیونکہ اگر یہ جادو ہوتا تو ہماری رسیاں زمین پر پڑی مل جاتیں۔ جادوگر اپنے فن میں ماہر تھے اس لئے انہیں جادو اور معجزے کا فرق محسوس کرنے میں دیر نہ لگی اور وہ سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں بلکہ خدا جل شانہ کی قدرت کی نشانی ہے۔ چنانچہ وہ اس واقعے سے اتنے متاثر ہوئے کہ فوراً عالمین کے پروردگار پر ایمان لے آئے اور وہیں فرعون کے سامنے بھرے دربار میں رب تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ○ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (سورۂ شعراء۔ آیت ۴۶۔۴۷)

"ہر مکان میں بھی معجزہ صادر نہیں ہوتا" یعنی جس چیز کو علم منطق میں جمع نقیضین[☆] کہا جاتا ہے معجزہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ ایک چیز ایک وقت میں ایک جگہ موجود بھی ہو اور موجود نہ بھی ہو۔

انبیائے کرام کے معجزات اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ نشانیاں ہوتے ہیں جنہیں وہ ان کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے اور تمام جن وانس مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ مثلاً یہ ہوسکتا ہے کہ ایک طاقتور جن شہر سبا سے ملکہ بلقیس کا تخت ہوا کے دوش پر اٹھا کر حضرت سلیمانؑ کا دربار برخاست ہونے سے پہلے فلسطین میں لے آئے کیونکہ وہ ہوا میں روشنی کی رفتار سے سفر کرتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن کسی کاہن کو کسی واقعہ کی خبر دے لیکن وہ مٹی سے چڑیا کا پرندہ بنا کر اڑا نہیں سکتا۔ ایک ہندو جوگی (Yogi) مختلف آسن کی مشق کرکے ایک ٹرین کو پیچھے سے روک تو سکتا ہے لیکن پتھر پر عصا مار کر اس سے بارہ چشمے جاری نہیں کرسکتا۔

معجزہ اس وقت تک رونما نہیں ہوسکتا جب تک خدا کا حکم نہ ہو۔ خدا اپنی حکمت بالغہ کے تحت انبیاء کے ہاتھوں پر معجزات اس لئے ظاہر کرتا ہے تاکہ لوگوں کو یقین ہوجائے کہ یہ نبی واقعی خدا کی طرف سے ان کی ہدایت کا سامان دیا ہے۔ یہی حقیقت اس روایت میں بیان کی گئی ہے جو ابن سکیت سے مروی ہے۔ انہوں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا فرزند رسولؐ! اس کی کیا وجہ ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰؑ کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا کیا، حضرت عیسیٰؑ کو طب کا اور حضرت محمد مصطفیٰؐ کو زبان وبیان اور خطابت کا؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا جس دور میں حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے اس وقت ہر طرف جادو کا چرچا تھا اس لئے خدا نے انہیں وہ معجزہ دیا جس کا توڑ جادوگروں کے بس سے باہر تھا، جس سے ان کے جادو کو خاک میں ملا دیا اور ان پر حجت قائم کردی۔ حضرت عیسیٰؑ جس زمانے میں مبعوث ہوئے اس وقت بیماریاں اور جسمانی نقائص عام تھے اور لوگوں کو علاج معالجے کی شدید ضرورت تھی چنانچہ خدا نے انہیں ایسے معجزات عطا کئے جس سے اس زمانے کے سارے اطبا عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے خدا کے حکم سے کئی مردوں کو زندہ کیا اور پیدائشی اندھوں اور کوڑھیوں کو صحت یاب کیا اور اس طرح اہل زمانہ پر حجت قائم کردی۔ جب آنحضرتؐ مبعوث ہوئے اس زمانے میں عرب میں خطابت اور زبان وبیان کا دور دورہ تھا۔ (راوی کہتا ہے کہ شاید امامؑ نے شعر وسخن بھی فرمایا تھا) یہی وجہ ہوئی کہ انہوں نے خدا کی طرف سے ایسے مواعظ پیش کئے کہ اہل عرب دنگ رہ گئے،

☆ ضد Antinomy اور نقیض Antithesis تقابل اربعہ کا موضوع ہے۔ ضد اور نقیض کے معنی میں ایک لطیف فرق ہے۔ نقیض زیادہ تر "اشیا" میں اور ضد اشیا کی "صفات" میں ہوتی ہے۔ نقیض اسے کہتے ہیں جو نہ تو ایک ہی وقت میں ایک ہی جہت سے جمع ہوسکے اور نہ ہی معدوم ہوسکے مثلاً زندگی اور موت۔ ضد اسے کہتے ہیں کہ وہ "وجود" ایک ساتھ جمع تو نہیں ہوسکتے مگر معدوم ہوسکتے ہیں مثلاً سردی اور گرمی، حق اور باطل، علم اور جہل وغیرہ۔

ان کی صحت و بدعت کا اندازہ ہو گیا اور اس طرح لوگوں پر حجت[1] قائم ہو گئی۔

ابن سکیت نے کہا: بخدا میں نے آج تک یہ مدلل جواب نہیں سنا۔ پھر انہوں نے پوچھا

فما الحجة على الخلق اليوم؟ قال: فقال عليه السلام: العقل، يعرف به الصادق على الله فيصدقه والكاذب على الله فيكذبه قال: فقال ابن السكيت: هذا والله الجواب

(جب ہمارے درمیان خدا کی ظاہری حجت یعنی پیغمبر اکرمؐ موجود نہیں ہیں تو) مخلوق پر آج کیا چیز حجت ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: آج عقل (باطنی) حجت ہے۔ عقل پہچانے کہ خدا پر سچ کون بول رہا ہے اور اس کی تصدیق کرے اور عقل پہچانے کہ خدا پر جھوٹ کون بول رہا ہے اور اس کی تکذیب کرے۔

ابن سکیت نے کہا: خدا کی قسم! یہ ہے جواب۔[2]

انبیائے کرامؑ کے معجزات طبیعی نظام سے الگ نوعیت کے ہوتے تھے اسی لئے انبیاء کی امتیں ان سے معجزہ طلب کیا کرتی تھیں جیسا کہ خدا نے قوم ثمود کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے حضرت صالحؑ سے کہا

ما أنت إلا بشر مثلنا فأت بآية إن كنت من الصادقين ۝ قال هذه ناقة لها شرب ولكم شرب يوم معلوم ۝ ولا تمسوها بسوء فيأخذكم عذاب يوم عظيم ۝ تم تو ہماری ہی طرح کے بشر ہو۔ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو۔ صالحؑ نے کہا (دیکھو) یہ اونٹنی ہے۔ ایک دن اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین دن تمہاری باری ہے۔ خبردار اسے کوئی تکلیف نہ دینا ورنہ تم کو سخت عذاب آ پکڑے گا۔

☆ حضرت آیت اللہ خوئی رحمہ اللہ **البیان فی تفسیر القرآن** میں تحریر فرماتے ہیں

عقل اور واضح دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ خداوند عالم انسانوں کے لئے احکام جاری فرماتا ہے کیونکہ سب لوگ اپنے دین و دنیا میں امور و فلاح کے لئے ان احکام کے محتاج ہیں۔ اگر خداوند عالم انسانوں کو یہ احکام مہیا نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ تو انہیں احکام کی ضرورت میں ڈال کر خود اس کی ضرورت سے بے خبر ہے۔ یہی ضروری ہے کہ خداوند عالم اپنے بندوں کے لئے احکام جاری فرمائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ انسانوں ہی میں سے کوئی شخص پیغام ہو جو یہ احکام لوگوں تک پہنچائے اور ان احکام کی ضروری وضاحت کرے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہو وہ حق کی حجت تمام ہو جانے کے بعد ہلاک ہو اور جسے زندگی پانا ہو وہ حجت تمام ہونے کے بعد زندگی پائے۔ (سورۂ انفال آیت ۴۲)

معجزے کا کسی مدعی نبوت کی صداقت کی دلیل ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ پہلے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس بات کا فیصلہ عقل کرتی ہے کہ کون سی بات صحیح اور اچھی ہے اور کون سی بات بری اور غلط ہے لیکن اشاعرہ (ابو الحسن اشعری متوفی ۳۲۴ھ کے ماننے والے اہلسنت والجماعت) اس بات کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک عقل ایسا کرنے کی اہل نہیں ہے لہٰذا ان کے قول کی بنا پر نبوت کی تصدیق کا دروازہ بند ہو جاتا ہے تاہم معجزہ نبوت کی تصدیق کی دلیل اسی وقت بن سکتا ہے جب یہ مان لیا جائے کہ کسی جھوٹے مدعی سے نبوت کا ظہور عقلاً ممکن نہیں۔ مگر عقل یہ فیصلہ نہیں کر سکتی تو صادق اور کاذب میں تمیز کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

۲۔ بحار الانوار ج ۱۱ [illegible] باب علة المعجزة وانه لم خص الله كل نبي بمعجزة خاصة [illegible]

(سورۂ شعراء آیت ۱۵۳ تا ۱۵۴) یہی معجزہ پیش کرتے تھے لیکن عام طور پر معجزے کے بعد بھی اس کی قومیں اپنی ہٹ پر قائم رہتی تھیں اور خداوند عالم کی ربوبیت اور اپنے نبی کی بعثت پر ایمان نہیں لاتی تھیں جیسا کہ قرآن میں وارد ہے فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ○ پھر ان لوگوں نے اس (اونٹنی) کے پیر کاٹ دیئے اور بعد میں شرمندہ ہوئے۔ (سورۂ شعراء آیت ۱۵۷)

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جس قوم نے نبی سے معجزہ طلب کیا اور معجزے کے بعد ایمان نہیں لائی اس قوم پر اس کا عذاب نازل ہوا جیسا کہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ○ پھر ان کو عذاب نے آ پکڑا۔ بے شک اس میں نشانی ہے۔ اور ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں تھی۔ (سورۂ شعراء آیت ۱۵۸)

معجزہ حکمت الٰہی کے تقاضے کی مقدار میں ظاہر ہوتا ہے اور صرف اتنا ہی معجزہ دکھایا جاتا ہے جس سے اس کے دعوے کی سچائی کا ظہور ہوتا ہو اور لوگوں کے لئے خدا اور رسول پر ایمان لانے کی راہ ہموار ہوتی ہو لوگوں کے بے سروپا مطالبات پر ہر وقت معجزے نہیں دکھائے جاتے خاص کر جب لوگ ایمان لانے کے خواہشمند نہ ہوں اور معجزات کا مطالبہ کریں تو خدا معجزہ ظاہر نہیں کرتا۔

علاوہ ازیں امر محال میں بھی معجزہ ظاہر نہیں ہوتا جیسا کہ قریش نے آنحضرتؐ سے کچھ مطالبات کئے تھے۔ خدا نے اپنے حبیبؐ کو کئی معجزے عطا فرمائے تھے لیکن ان کا سب سے بڑا اعجازی معجزہ قرآن مجید ہے۔ چیلنج کے باوجود کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ قرآن کی مانند کوئی ایک سورہ ہی بنا کر پیش کرتا۔ یہ چیلنج صرف آنحضرتؐ کی حیات طیبہ تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ آج بھی موجود ہے اور صدیاں گزرنے کے باوجود آج تک کوئی قرآن کا جواب پیش نہیں کر سکا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ○ اور اگر تم کو اس کتاب (کے کلام خدا ہونے) میں کچھ شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو لیکن) اگر تم ایسا نہ کر سکو اور تم ایسا ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۳، ۲۴)

قریش کے بے جا مطالبات کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ○ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ○ وَقَالُوا

لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ٥ اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْھٰرَ خِلٰلَھَا تَفْجِیْرًا ٥ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا کِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیْلًا ٥ اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ٥ قُلْ لَّوْ کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوْلًا ٥ قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا ٥

(اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جنات سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں تو بھی نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ اور ہم نے قرآن میں سب باتیں طرح طرح سے بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا اور ہر بات سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ (عجیب و غریب باتیں نہ دکھاؤ یعنی یا تو) ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کرو یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو جس کے درمیان تم نہریں جاری کر دو۔ یا جیسا کہ تم کہا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ۔ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔ یا تمہارے پاس سونے کا گھر ہو۔ یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک کہ کوئی کتاب نہ لاؤ جسے ہم پڑھ لیں۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار پاک ہے۔ میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔ آپ کہہ دیجئے اگر زمین میں فرشتے ہوتے کہ اس میں چلتے پھرتے اور آرام کرتے (بستے) تو ہم ان کے پاس فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا ہی گواہ کافی ہے وہی اپنے بندوں سے خبردار (اور ان کو) دیکھنے والا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۸ تا ۹۶)

خدا نے مشرکین مکہ کو قرآن کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور فرمایا کہ قرآن ہمارا بہت بڑا معجزہ ہے اگر تم میں جرأت ہے تو اپنے ساتھ جنات کو بھی شامل کر لو اور اس کی مثال لاؤ۔ پھر خدا نے اس چیلنج کے جواب کے متعلق بھی پہلے سے پیشگوئی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے۔

قارئین کرام! قرآن مجید کا یہ چیلنج آج بھی قائم ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں پر جنگ تو مسلط کر سکتی ہیں اور بارود تو برسا سکتی ہیں لیکن اپنے تمام تر وسائل کے باوجود قرآن کی ایک سورت کی مثال لانے سے عاجز ہیں۔

جب قرآن نے قریش کو یہ چیلنج دیا اور وہ اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دے سکے تو انہوں نے رسول اکرمؐ سے بے سروپا معجزات کا مطالبہ کیا۔ مثلاً کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو مکہ کے موسم اور یہاں کی آب و ہوا تبدیل کر دیں۔ یا آپ کے پاس ایک سونے کا ایک گھر ہو۔ یا آپ خدا اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لے آئیں۔ یا آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں مگر ہم آپ کے چڑھنے پر اس وقت تک یقین نہیں کریں گے جب تک

آسمان سے لکھی ہوئی ایک کتاب ہمارے پاس نہ لے آئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کفار مکہ نے امر محال کا مطالبہ کیا تھا۔ مثلاً ان کا مطالبہ تھا کہ آپ اگر ہمیں مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں تو خدا اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں اور یہ چیز محال ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے ایک مطالبہ یہ کیا کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ایک کتاب لائیں۔ سابقہ مطالبے کی طرح سے ان کا یہ مطالبہ بھی لغو تھا کیونکہ آسمان سے کتاب لانا انبیاءؑ کا کام نہیں ہے بلکہ یہ فرشتوں کا کام ہے اور یہ مطالبہ بعثت انبیاءؑ کے متعلق سنت الٰہی کے خلاف ہے۔

اہل مکہ نے اس بات پر تعجب کیا کہ ایک انسان بھلا رسول کیونکر ہو سکتا ہے۔ خدا نے انہیں جواب دیا کہ زمین پر انسان بس رہے ہیں چنانچہ ان کی ہدایت کے لئے کسی انسان کو ہی رسول بنانے کی ضرورت ہے تاکہ لوگ اس سے مانوس رہیں اور اس کی پیروی کر سکیں۔ (لفظ انسان، انس اور مانوس سے ہے)۔

الغرض کفار مکہ کے مذکورہ تمام مطالبات حکمت الٰہی کے خلاف تھے۔ مثلاً انہوں نے کہا کہ آپ ہم پر آسمان سے عذاب نازل کرائیں۔ یا آپ کے پاس ایک سونے کا گھر ہونا چاہئے۔ اس طرح کے مطالبات یقیناً لغو اور بے فائدہ تھے۔ اسی لئے خدا نے اپنے رسول سے فرمایا کہ وہ ان کے جواب میں کہیں سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ میرا رب پاک ہے۔ میں تو ایک بشر ہوں جسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۹۳) چنانچہ یہ تمام مطالبات پورے کرنا میرے بس میں نہیں ہیں۔

ہماری اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ اس کا بھیجا ہوا رسول لوگوں کے سامنے کوئی نہ کوئی ایسی نشانی پیش کرے جس سے لوگوں کو یہ اطمینان ہو جائے کہ وہ واقعی خدا کا نمائندہ ہے۔ معجزے کے ذریعے سے لوگوں پر اتمام حجت ہو سکے۔ اس کے بعد انسان چاہیں تو ایمان لائیں اور دونوں جہاں کی سعادت حاصل کریں اور اگر چاہیں تو کفر کر کے آخرت کا عذاب مول لیں۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ نے خدا کی طرف سے معجزات پیش کئے۔ جادوگر ایمان لے آئے لیکن فرعون اور اس کے درباریوں نے انکار کیا جس کی وجہ سے انہیں غرقابی کی ذلت اٹھانا پڑی۔

معجزے کے علاوہ خدا جنہیں اپنی طرف سے دین کا ہادی مقرر کرتا ہے خواہ وہ انبیاءؑ ہوں یا اوصیاءؑ انہیں کچھ ایسی صفات عطا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

خدائی مبلغین کے اوصاف

اللہ تعالیٰ نے جب سجدۂ آدم سے انکار کے بعد ابلیس کو بزم ملکوت سے نکالا اور اس پر لعنت کی تو اس وقت خدا اور ابلیس کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی جس میں ابلیس نے یہ بات تسلیم کی کہ اس کا خدا کے مخلص بندوں پر کوئی قابو نہیں ہوگا۔ خدا نے اس واقعے کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے

۱۔ قال رب بما اغویتنی لازینن لہم فی الارض ولاغوینہم اجمعین ○ الا عبادک منہم المخلصین ○ قال ھذا صراط علی مستقیم ○ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان الا من اتبعک من الغاوین ○ اس نے کہا کہ پروردگار! جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لیے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں سے جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو چلنا مشکل ہے)۔ ارشاد ہوا کہ یہی میرا سیدھا راستا ہے۔ جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قابو نہیں (کہ ان کو بہکا سکے) ہاں بدراہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے۔ (سورۂ حجر آیت ۳۹تا۴۲)

(مذکورہ بالا آیات میں شیطان نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ خدا کے مخلص بندوں پر اسے کوئی قابو نہیں ہوگا۔ خدا نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اس کے خاص بندوں پر اسے کوئی قابو نہیں ہوگا)۔

خدا ہمیشہ اپنے مخلص بندوں کو شیطان کے جال میں پھنسنے سے بچا لیتا ہے۔ اس کے لیے حضرت یوسفؑ اور زلیخا کا قصہ ایک مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رای برھان ربہ کذلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء انہ من عبادنا المخلصین ○ زلیخا نے ارادہ کیا اور یوسفؑ نے بھی ارادہ کیا۔ اگر یوسفؑ اپنے رب کی برہان دیکھ نہ چکے ہوتے تو ارادہ پورا کر بیٹھتے۔ یہ انتظام ہم نے اس لیے کیا کہ ان کو برائی (یعنی قتل) اور بے حیائی سے روک دیں۔ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔ (سورۂ یوسف آیت ۲۴)

اب سوال یہ ہے کہ خدا اپنے دین کے امام اور رہبر کو معصوم کیوں رکھتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دین کی امامت اور قیادت کبھی خاطیوں کے ہاتھ میں نہیں دیتا جبکہ ہر گنہگار ظالم ہوتا ہے۔

اس بات کا ثبوت وہ گفتگو ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور پروردگار کے درمیان اس وقت ہوئی جب پروردگار نے حضرت ابراہیمؑ کو خلعت امامت سے سرفراز فرمایا۔ واذا ابتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عهدی الظالمین جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیمؑ کو آزمایا تو وہ ان میں پورے اترے۔ خدا نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا میری اولاد میں سے بھی (امام بنانا)۔ ارشاد ہوا کہ ہمارا یہ عہدہ ظالموں کے لیے نہیں۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۲۴)

خدا کی سنت ہے کہ وہ معصوم بندوں کو اس کے حکم سے ہدایت کرنے والوں کو دین کی سیادت اور امامت بخشتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے وجعلناهم ائمة یهدون بامرنا واوحینا الیهم فعل الخیرات واقام الصلاة وایتاء الزکوة وکانوا لنا عابدین ○ ہم نے ان (نبیوں) کو لوگوں کا امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ (سورۂ انبیاء۔ آیت ۷۳)

سورۂ انبیاء میں خدا نے نوحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، اسمٰعیلؑ، ایوبؑ، ذوالکفلؑ، یونسؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ اور عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے کا حسین نکتہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں خدا نے جن نبیوں، رسولوں اور ان کے وزیروں اور وصیوں کو امام بنانے کا اعلان کیا ہے وہ سب کے سب معصوم تھے چونکہ امامت کے لیے پہلی شرط ہی یہ ہے کہ امام معصوم اور بے گناہ ہو۔

خدا نے امام کو خلیفة الله فی الارض کے لقب سے یاد فرمایا ہے یا داؤد انا جعلناک خلیفة فی الارض اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے (سورۂ ص آیت ۲۶)

حضرت آدمؑ کو بھی خدا نے خلیفہ فرمایا ہے واذ قال ربک للملائکة انی جاعل فی الارض خلیفة اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنا رہا ہوں۔ (سورۂ بقرہ آیت ۳۰)

لغوی تشریح

۔ اغویتنی، لاغوینهم، غاوین۔ غوی فهو غاو یعنی وہ گمراہی میں منہمک ہو گیا۔ اغواہ یعنی اس نے اسے گمراہ کیا۔ ابلیس نے خدا سے اغویتنی کے الفاظ کہے تھے کیونکہ خدا نے اس سے کہا تھا وان علیک اللعنة الی یوم الدین چنانچہ ابلیس نے کہا کہ تو نے مجھ پر لعنت کر کے میری گمراہی کا سامان فراہم کیا حالانکہ خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ وہ تو اپنی ہی بدبختی کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں

۱۔ امامیہ علماء اصول شیعہ کے دور میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے سورۂ بقرہ کی اسی آیت واذ ابتلی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ امامت کا عہدہ جلیلہ قیامت تک ظالموں پر حرام ہے۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ
خدا بہت سوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے اور وہی گمراہ ہوتے ہیں جو فاسق ہیں۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۶)

۲۔ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ میں ان کے برے اعمال کو مزین کر کے ان کے سامنے پیش کروں گا۔ خدا نے فرمایا

(۱) زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ شیطان نے ان لوگوں کی نظروں میں ان کے اعمال کو سجا کر پیش کیا۔ (سورۂ انفال آیت ۴۸، سورۂ نمل آیت ۲۴، سورۂ عنکبوت آیت ۳۸)

(۲) زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ان کے برے اعمال ان کیلئے مزین کر دیئے گئے۔ (سورہ توبہ آیت ۳۷)

۳۔ الْمُخْلَصِيْنَ خدا کے وہ خاص بندے جنہیں اس نے اپنے لئے چن لیا ہے اور یہ چناؤ دو طرفہ ہے۔ پہلے مرحلے پر بندوں نے خدا کو چنا اور صرف اسی سے لو لگائی۔ اس کے بعد خدا نے انہیں اپنی محبت کے لئے چن لیا اور اس کے دلوں کو اپنی محبت کا ظرف بنا دیا اور ان کے دلوں میں غیر خدا کی گنجائش تک نہ رکھی۔

۴۔ ابتلی بَلَاهُ بلاءً و ابتلاهُ ابتلاءً اس کی آزمائش کی اور خیر و شر اور نعمت و نقمت سے آزمایا۔

۵۔ بکلمات اس سے حضرت ابراہیم کی وہ آزمائش مراد ہے جس میں وہ اپنی پوری زندگی رہے۔۔۔۔ مثلاً دیار شرک میں علم توحید کو بلند کرنا، آتش نمرود میں کود پڑنا، خدا کی راہ میں ہجرت کرنا، معصوم بچے اور اس کی ماں سمیت بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑنا اور عشق الٰہی میں اپنے بیٹے کو قربانی کے لئے پیش کرنا وغیرہ

۶۔ فَاَتَمَّهُنَّ آزمائش میں پورا اترنا۔ بتمام و کمال پورا کرنا۔

۷۔ جاعلک جعل خلق کرنے، ایجاد کرنے، فیصلہ کرنے، قانون بنانے، مقرر کرنے اور بنا دینے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت میں آخری معنی مراد ہے۔

۸۔ اِمَامًا وہ شخص جس کے قول و فعل کی لوگ اقتدا کریں۔ پیشوا۔ رہبر۔

۹۔ الظّٰلِمِيْنَ ظلم یعنی وضع الشیء فی غیر موضعہ یعنی کسی چیز کا بے محل ہونا۔ حق سے تجاوز کرنا۔ ظلم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) انسان اور اس کے رب کے درمیان ظلم۔ بدترین ظلم شرک اور کفر ہے جیسا کہ حضرت لقمان نے اپنے فرزند سے فرمایا تھا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ (سورۂ لقمان، آیت ۱۳)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ خدا کی نشانیوں کو جھٹلانے والے سے بڑا ظالم بھلا کون ہے؟ (سورۂ انعام: آیت ۱۵۷)

(۲) انسانوں کا انسانوں اور دوسرے جانداروں پر ظلم کرنا۔ اِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ (سورۂ شوریٰ آیت ۴۲)

(۳) انسان کا اپنے آپ پر ظلم کرنا۔ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۔ اور جو ایسا کرے گا وہ خود اپنے نفس پر ظلم کرے گا۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۳۱) وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ اور جو خدا کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے پر ظلم کرے گا۔ (سورۂ طلاق آیت ۱)

ظلم کی ہر صورت اپنے نفس پر ظلم میں شامل ہے اور جس شخص نے بھی اپنی زندگی میں کسی طرح کا ظلم کیا ہو وہ ظالم ہے۔

۱۰۔ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا هَمَّ بِالْأَمْرِ یعنی کام کا ارادہ کیا لیکن وہ کام نہ کرسکا۔

۱۱۔ رأ رأی بالعین آنکھ سے دیکھنا۔ رأی بالقلب دل سے دیکھنا یعنی کسی چیز کا ادراک کرنا۔

۱۲۔ البرهان مضبوط ترین دلیل، اور واضح نشانی۔ حضرت یوسفؑ نے خدا کی مضبوط نشانیاں دیکھی تھیں۔

تاویل آیات (واللہ اعلم)

ابلیس نے رب الارباب سے کہا کہ چونکہ تو نے مجھ پر لعنت کی ہے اور مجھے اپنی رحمت سے دور کردیا ہے اس لئے میں بھی دنیا میں رہ کر لوگوں کے لئے ان کے برے اعمال کو آراستہ و پیراستہ کرکے پیش کروں گا در واقع ابلیس نے ایسا ہی کیا جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے

۱۔ تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ خدا کی قسم ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو آراستہ کردیا اور وہی آج بھی ان کا دوست ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۶۳)

۲۔ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ اور جب شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے مزین کردیا تھا اور کہا تھا کہ آج کوئی تم پر فتح نہیں پاسکتا (سورۂ انفال آیت ۴۸)

۳۔ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ○ میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم خدا کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کرکے دکھائے ہیں اور انہیں صحیح راستے سے روک رکھا ہے پس وہ ہدایت کے رستے پر نہیں آتے۔ (سورۂ نمل آیت ۲۴)

ابلیس نے خدا سے کہا تھا کہ میں برے اعمال کو لوگوں کی نظروں میں خوبصورت بنا کر پیش کروں گا اور تمام لوگوں کو گمراہ کروں گا البتہ تیرے ان بندوں پر میرا زور نہیں چلے گا جنہیں تو نے چن لیا ہے۔

خدا نے اس کے جواب میں فرمایا واقعی میرے مخلص بندوں پر تجھے کوئی تسلط حاصل نہیں ہوگا۔ تیری پیروی وہی کریں گے جو گمراہی میں بھٹک رہے ہوں گے۔

خدا نے اپنے مخلص بندوں کی مثال کے عنوان سے حضرت یوسفؑ کے واقعے کو پیش کیا ہے

ولقد همّت به وهمّ بها لولا ان رّا برهان ربّه

ایک اکیلے گھر میں جب عزیز مصر کی بیوی زلیخا اور حضرت یوسفؑ کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا زلیخا نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ برائی کا قصد کیا تو حضرت یوسفؑ اگر ان حالات میں اپنے رب کی برہان کا مشاہدہ نہ کرتے تو زلیخا کو قتل کر دیتے یا اس کی خواہش کی تکمیل کرتے کیونکہ زلیخا بھی حسن و رعنائی کا پیکر تھی اور حضرت یوسفؑ بھی بے مثل حسن خداداد کے مالک تھے۔ نیز یہ کہ حضرت یوسفؑ نوخیز جوان اور غیر شادی شدہ تھے اور ماحول بھی برائی کے لئے سازگار تھا مگر اس کے باوجود حضرت یوسفؑ سے کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے رب کی برہان یعنی "مخصوص نشانیاں" دیکھ چکے تھے۔ وہ خدا کے چیدہ بندے اور جماعت مخلصین کے فرد تھے اس لئے خدا نے انہیں برائی سے محفوظ رکھا۔

وہ برہان کیا تھی جسے حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا تھا؟ انہوں نے یقین کی حالت میں ایک شخص کے اچھے عمل اور ایک شخص کے برے عمل کے "نتیجے" کو دیکھا تھا۔

خفائے الٰہی کی عصمت نیز عمل کی تاثیر و بقا

انبیائے کرامؑ کی عصمت کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے پہلے ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عمل کی برکت یا نحوست اپنے ساتھ زمان و مکان کو بھی متاثر کرتی ہے۔ انسانی اعمال کے اثرات صرف آخرت تک ہی محدود نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی ان کے کچھ نہ کچھ اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔

ارشاد پروردگار ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن (شروع شروع) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی واضح نشانیاں ہیں اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں موجود ہو اسے چاہئے کہ روزے رکھے۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۸۵)

بسم الله الرحمن الرحيم ○ انا انزلناه في ليلة القدر ○ وما ادراك ما ليلة القدر ○ ليلة القدر خير من الف شهر ○ تنزل الملائكة والروح فيها باذن ربهم من كل امر ○ سلام هي حتى مطلع الفجر ○ بنام خدائے رحمٰن و رحیم۔ بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس شب میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم

سے تمام امور کو لے کر نازل ہوتے ہیں۔ یہ رات طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔

خدا نے ماہ رمضان کی ایک رات میں حضرت خاتم الانبیاءؐ پر قرآن حکیم کا نزول شروع کیا تھا۔ چنانچہ وہ رات شب قدر بن گئی اور ہر سال اس رات میں ملائکہ اور روح، خدا کا امر لے کر اترتے ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ وہ رات اتنی مبارک ہے کہ اس کی برکت نے پورے مہینے کو مبارک بنا دیا۔

اسی طرح حج کی بحث میں ہم یہ بتائیں گے کہ حضرت آدمؑ کے عہد سے ہی جمعہ بابرکت دن ہے کیونکہ اس دن خدا نے حضرت آدمؑ پر اپنی برکتیں نازل کی تھیں۔

روز عرفہ کی عصر بڑی بابرکت ہے کیونکہ اس میں خدا اہل منیٰ کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ وہی وقت ہے جب حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ اسی برکت کے اثر سے عرفات، مشعر حرام اور منیٰ کی سرزمین، یہ دن، ذی الحجہ کی ۹ اور ۱۰ تاریخ متبرک بن گئی اور قیامت تک یہ مقامات اور یہ اوقات متبرک رہیں گے۔

جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کی دیواریں بلند کی تھیں خدا کو ان کا یہ مخلصانہ عمل اتنا پسند آیا کہ ان کے قدموں کے نشان اس پتھر پر ہمیشہ کے لئے باقی رہ گئے اور اس پتھر کا نام مقام ابراہیم ہو گیا۔ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم مقام ابراہیم پر نماز ادا کریں۔

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى اور مقام ابراہیم کو مصلیٰ بناؤ۔

یہاں تک آپ نے برکت کی مثالیں ملاحظہ فرمائیں کہ نزول قرآن کی وجہ سے ایک شب "شب قدر" بنی اور اس ایک شب کی وجہ سے پورا مہینہ مبارک قرار پایا۔

روز عرفہ کی عصر میں حضرت آدمؑ پر برکت نازل ہوئی اور خدا نے ان کی مغفرت فرمائی۔ اس ایک واقعے کی وجہ سے ذی الحجہ کی ۹ اور ۱۰ تاریخ متبرک بن گئیں اور وہ برکت صرف زمان و مکان تک محدود نہ رہی بلکہ اس نے زمین اور علاقے کو بھی متبرک بنا دیا۔ اسی برکت کے اثر سے عرفات، مشعر الحرام اور منیٰ بھی متبرک بن گئے۔ حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کا اثر یہ ہوا کہ ان کے نقوش قدم پتھر پر ثبت ہو گئے اور مقام ابراہیم مسلمانوں کے لئے مصلیٰ قرار پایا۔

اب نحوست کے نمونے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

جس طرح سے برکت زمان و مکان کو متاثر کرتی ہے اسی طرح سے نحوست بھی متاثر کرتی ہے جیسا کہ حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود حسب ذیل واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔

۹ھ میں غزوہ تبوک کے لیے جاتے وقت جب رسول اکرمؐ کا گزر ملک شام میں دیار ثمود (مدائن) سے ہوا تو کچھ صحابہ نے وہاں سے پانی کی مشکیں بھریں۔ اتنے میں رسول اکرمؐ نے یہ منادی کرا دی کہ نہ یہاں کا پانی پیا جائے اور نہ اس پانی سے وضو کیا جائے۔ یہ اعلان سن کر صحابہ نے اپنی مشکوں سے پانی انڈیل دیا۔

کچھ صحابہ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ ہم نے تو اس پانی سے آٹا خمیر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی وہی عذاب آئے جو حضرت صالحؑ کی قوم (ثمود) پر آیا تھا۔ خود حضور اکرمؐ اس مقام سے گزرے تو روئے انور پر پردہ ڈال لیا[1] اور سواری کو تیز چلایا تا کہ جلد گزر جائیں۔ (رسول اکرمؐ کا دستور تھا کہ جن مقامات میں مجرم قوموں پر غضب الٰہی کا نشانہ بن چکی تھیں وہاں سے تیزی سے گزر جاتے تھے)۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ رسول اکرمؐ نے اس موقع پر فرمایا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ الَّذِينَ ظَلَمُوا إِلَّا وَأَنتُمْ بَاكُونَ جب بھی تم ظالموں کی اجڑی ہوئی بستی سے گزرو تو روتے ہوئے گزرا کرو۔ ان کے اجاڑ ویران گھروں میں سے کسی صحابی کو ایک انگوٹھی ملی۔ وہ اسے لے کر آپ کے پاس آیا۔ آپ نے انگوٹھی کو ناپسند کیا اور اپنا روئے انور پھیر لیا اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اسے پھینک دو چنانچہ آپ کے صحابی نے اسی وقت وہ انگوٹھی پھینک دی۔

امام علیؑ کے دور میں بھی اس طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا جیسا کہ نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب وقعۃ الصفین میں اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے۔

مخنف بن سلیم امام علیؑ کے ساتھ سفر میں تھا۔ آپ کا گزر بابل سے ہوا۔ امام علیؑ نے فرمایا بابل میں زمین کا ایک طبقہ بھی ہے جسے خدا نے دھنسا دیا تھا لہٰذا تم اپنی سواری کو تیزی سے بھگاؤ تا کہ ہم عصر کی نماز اس کی حدود سے کہیں باہر ادا کریں۔ اس کے بعد امام علیؑ نے اپنی سواری کو تیزی سے دوڑایا اور آپ کو دیکھ کر آپ کے ساتھیوں نے بھی اپنی سواریوں کو تیز دوڑایا۔ جب آپ نے صراۃ کو عبور کیا تو سواری سے اترے اور لوگوں کو عصر کی نماز پڑھائی۔

ایک دوسری روایت میں راوی سے یہ الفاظ منقول ہیں۔ ہم نے امیرالمومنینؑ کے ساتھ صراۃ کے پل کو عصر کے وقت عبور کیا۔ حضرت نے ہم سے فرمایا یہ عذاب والی زمین ہے۔ کسی نبی اور نبی کے وصی کے لئے اس زمین پر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ برکت بھی متعدی ہے اور نحوست بھی متعدی ہے۔ برکت بھی زمان و مکان کو متاثر کرتی ہے اور نحوست بھی زمان و مکان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔[2]

1۔ معجم البلدان، مادہ حجر۔ سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۱۶۴، در واقعات غزوۂ تبوک۔ مغازی واقدی ص ۱۰۰۶۔ امتاع الاسماع ص ۴۵۲۔ مسند احمد، ج ۲ ص ۹، ۵۸، ۶۶، ۷۲، ۷۴، ۹۱، ۱۱۳، ۱۳۷، ج ۳ ص ۲۹۶۔ صحیح بخاری ج ۳ ص ۶۱ اور ۹۹، ذکر غزوۂ تبوک و تفسیر سورۂ حجر۔ صحیح مسلم، کتاب الزھد، حدیث ۳۹ اور ۴۰۔

☆ عرفات سے منیٰ جاتے ہوئے وادی محسّر میں تیزی سے اس لئے گزرا جاتا ہے کہ یہاں "اصحاب فیل" پر عذاب آیا تھا۔

نیک اعمال کے اثرات دنیا میں دائمی برکت کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں جنت عدن و حورت کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ جبکہ برے اعمال کے اثرات دنیا میں دنیاوی ذلت اور آخرت میں مجسم ہو کر ابدی عذاب اور دائمی جہنم کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

خدا کے نیک بندے اعمال کے ان اثرات اور تجسیم سے واقف ہوتے ہیں اسی لئے وہ برے اعمال سے کنارہ کش رہتے ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ یہی طرز فکر خدا کی وہ برہان ہے جو خدا اپنے نیک بندوں کو عطا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ نفس امارہ کی خواہشات پر خدا کی رضا کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی برہان کے اثر سے وہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں جبکہ دوسرے انسان اپنے آپ کو قعر مذلت میں گرا دیتے ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ دو شخص ایک پرخطر راستے پر سفر کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک بینا اور دوسرا نابینا ہے۔ بینا پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا ہے اور قدم قدم پر نابینا کو بھی تنبیہ کرتا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو گہری کھائیوں میں گرنے سے بچائے۔

اسی طرح سے انبیائے کرامؑ کے پاس رب کی برہان ہوتی ہے۔ وہ نیک اور بد اعمال کے انجام اور اثرات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو بھی قدم قدم پر خبردار کرتے رہتے ہیں۔ اس بات کو یوں سمجھیں کہ ایک قافلہ کسی صحرا میں سفر کر رہا ہو اور پیاس نے انہیں بے حال کر دیا ہو۔ اتفاق سے انہیں صحرا میں ایک تالاب دکھائی دے اور سب لوگ اس تالاب کی طرف لپکیں لیکن قافلے میں ایک شخص کے پاس خوردبین موجود ہو اور وہ اس خوردبین سے پانی کو دیکھ کر اہل قافلہ کو آگاہ کرے کہ اس پانی میں مہلک بیماریوں کے جراثیم دکھائی دیتے ہیں اس لئے اسے نہ پینا البتہ اگر تمہیں یہی پانی پینا ہے تو پہلے اسے جراثیم سے پاک کر دو پھر پینا۔

اس مثال کے تحت ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا کے مخلص بندوں کے پاس برہان رب کی خوردبین ہوتی ہے اور وہ نیک و بد اعمال کے اثرات سے واقف ہوتے ہیں۔ وہ اس راز سے واقف ہوتے ہیں کہ برے اعمال دنیا میں ذلت کا سبب ہیں اور یہی برے اعمال مجسم ہو کر عذاب آخرت کا سبب بنتے ہیں۔ اسی لئے وہ برے اعمال سے بچتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ نے خدا کی اسی برہان کو دیکھا تھا اس لئے انہوں نے اپنی نفسانی خواہشات کو پس پشت ڈال کر خوف خدا کو ترجیح دی تھی۔

بعض صف اول کے علماء نے عصمت انبیاء کے خلاف قرآن مجید کی چند آیات سے استشہاد کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سے قرآن مجید کی ان "آیات متشابہات" کی تاویل میں غلطی ہوئی ہے۔ اس غلطی کی بنیاد وہ روایات ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت کو معرض خطر میں ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح کی روایات بہت زیادہ ہیں لیکن ہم یہاں صرف دو روایات پیش کرتے ہیں۔

اوریا کی بیوہ سے حضرت داؤدؑ کے نکاح کا افسانہ
زینبؓ سے آنحضرتؐ کے نکاح کی ساختہ روایات

یہاں ہم اوریا کی بیوہ بنت سبع سے حضرت داؤدؑ اور حضرت زید بن حارثہؓ کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحشؓ سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کی روایات پر بحث کریں گے۔

قرآن مجید حضرت داؤدؑ کے نکاح کے سلسلے میں فرماتا ہے: اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ○ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ○ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَهُ أَوَّابٌ ○ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ○ وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ○ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ○ إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ○ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ○ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ○ يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (اے رسول) آپ ان لوگوں کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کیجئے جو صاحب قوت تھے اور بے شک ہم سے رجوع کرنے والے تھے۔ ہم نے ان کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ وہ بھی صبح و شام ان کے ساتھ پروردگار کی تسبیح کیا کریں اور ہم نے پرندوں کو ان کے گرد جمع کر دیا تھا جو سب ان کے تابع تھے۔ اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط بنایا تھا اور انہیں حکمت اور صحیح فیصلہ کرنے کی قوت بخشی تھی۔ اور کیا آپ کے پاس ان جھگڑنے والوں کی خبر آئی ہے جو دیوار پھاند کر (داؤدؑ کے) محل میں آ گئے تھے۔ جب وہ داؤدؑ کے پاس آئے تو ان سے داؤدؑ گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں ہم دونوں ایک مقدمہ لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر ظلم کیا ہے۔ لہٰذا آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے گا اور ہمیں سیدھا راستہ دکھا دیجئے گا۔ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ دنبی بھی میرے حوالے کر دو اور وہ مجھ سے اس معاملے میں سخت کلامی کرتا ہے۔ داؤدؑ نے کہا کہ یہ جو تیری دنبی مانگتا ہے تاکہ اپنی دنبیوں میں ملا لے بے شک تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے پر ظلم ہی کیا کرتے ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤدؑ کو یہ یقین ہو گیا کہ (اس واقعے سے) ہم نے ان کو آزمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑے۔ اور انہوں نے ہم سے رجوع کیا تو ہم نے ان کو معاف کر دیا اور بے شک

ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔ اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے چنانچہ تم لوگوں کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔ (سورہ ص آیت ۲۱تا۲۶)

کتب خلفاء کی تاویل

مذکورہ آیات کے پس منظر کے متعلق کتب خلفاء میں بہت سی روایات مروی ہیں جن میں سے ہم یہاں صرف تین روایات پیش کر کے علم اسماء رجال کے تحت ان کے راویوں کا جائزہ لیں گے۔

۔ وہب بن منبہ کی روایت

طبری نے اس آیت کی تاویل میں یہ روایت نقل کی ہے

وہب کہتا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے حضرت داؤدؑ کی حکومت کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا تو خدا نے ان پر زبور نازل کی اور انہیں زرہ بنانا سکھائی۔ خدا نے ان کے ہاتھ پر لوہے کو نرم کیا اور پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں۔ وہ انتہائی خوش گلو تھے۔ جب وہ خوبصورت آواز کے ساتھ زبور پڑھتے تو جنگلی جانور بھی ان کی آواز سے متاثر ہو کر ان کے قریب آجاتے تھے اور وہ ان کی گردنوں سے ان کو پکڑ لیا کرتے تھے۔ حضرت داؤدؑ کی آواز کے زیر و بم کو دیکھ کر شیاطین نے ساز اور بربط ایجاد کئے۔ وہ ہمیشہ عبادت میں مصروف رہتے اور احکام الٰہی کے مطابق لوگوں میں فیصلے کیا کرتے تھے۔ وہ بڑے عبادت گزار اور خوف الٰہی میں گریہ کرنے والے نبی تھے۔ پھر وہ ایک عورت کے قصے میں مبتلا ہوئے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ انہوں نے اپنے لئے ایک محراب بنوائی تھی جہاں بیٹھ کر وہ خلوت میں زبور کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے تھے۔ اس محراب کے نیچے بنی اسرائیل کے اس شخص کا گھر تھا جس کی بیوی کے قصے میں وہ مبتلا ہوئے۔

ایک دن حضرت داؤدؑ اپنی محراب میں داخل ہوئے تو انہوں نے کہا کہ آج کوئی شخص میری محراب میں قدم نہ رکھے۔ آج میں پورا دن خلوت میں بسر کرنا چاہتا ہوں۔ آپ محراب میں داخل ہوئے اور زبور کھول کر پڑھنے لگے۔ محراب میں ایک روشندان تھا جس میں سے اس شخص کے گھر کا اندرونی منظر دکھائی دیتا تھا۔ چنانچہ آپ زبور پڑھنے میں مصروف تھے کہ ایک سنہری کبوتری آ کر روشندان میں بیٹھ گئی۔ آپ نے اسے دیکھا تو وہ آپ کو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ آپ نے دل میں سوچا کہ میں تو تلاوت میں مصروف ہوں مجھے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے چنانچہ آپ سر جھکا کر زبور پڑھنے لگے۔ لیکن وہ کبوتری آپ کو آزمانے کے لئے روشندان سے نیچے اتری اور آپ کے قریب آ کر گری۔ آپ اسے پکڑنے کے لئے اٹھے تو اڑ کر دوبارہ روشندان میں بیٹھ گئی۔ آپ اسے پکڑنے کے لئے روشندان کی طرف بڑھے مگر کبوتری وہاں سے اڑ کر ہمسائے کے گھر میں چلی

گئی۔ آپ نے اسے دیکھنے کے لئے ہمسائے کے صحن میں جھانکا تو وہاں (اوریا بن حنانیا کی) بیوی نہا رہی تھی۔ وہ اتنی حسین تھی کہ اس کے حسن کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

"اہل کتاب خیال کرتے ہیں" کہ اس عورت نے بھی دیکھ لیا کہ حضرت داؤدؑ کی نظریں اس پر پڑ رہی ہیں چنانچہ اس نے اپنے جسم کو چھپانے کے لئے اپنے بال بکھرا کر اپنے جسم پر ڈالے۔ حضرت داؤدؑ کو اس کی یہ ادا بھا گئی۔ حضرت داؤدؑ واپس محراب میں آ گئے مگر وہ عورت آپ کے ذہن پر حاوی ہو گئی۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ دل پر قابو نہ رہا اور انہوں نے اس عورت کو حاصل کرنے کے لئے اس کے شوہر کو محاذ جنگ پر بھیج دیا اور سالار لشکر کو حکم دیا جیسا "اہل کتاب خیال کرتے ہیں" کہ وہ اس عورت کے شوہر کو ہراول دستے میں رکھے۔ آخرکار جو کچھ حضرت داؤدؑ چاہتے تھے وہی ہوا اور اس کا شوہر مارا گیا اس وقت حضرت داؤدؑ کے حرم میں ننانوے بیویاں تھیں اور اس شخص کے مرنے کے بعد حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوہ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آخرکار نکاح ہو گیا۔ خدا نے انہیں متوجہ کرنے کے لئے دو فرشتوں کو ان کے پاس انسانی شکل میں بھیجا۔ حضرت داؤدؑ محراب میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے دو آدمیوں کو دیکھا جو ان کے سر پر کھڑے ہیں۔ انہیں اچانک اپنے پاس پا کر وہ خوفزدہ ہوئے اور ان سے بولے کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ خوفزدہ مت ہوں۔ ہم آپ سے پاس ایک قضیے کا فیصلہ کرانے آئے ہیں۔ **فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ**۔ آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے گا۔ پھر جو فرشتہ اوریا کی وکالت کے لئے آیا تھا اس نے کہا: **اِنَّ هٰذَا اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا** یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں جبکہ میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اسے بھی میرے حوالے کر دو اور یہ شخص مجھ سے طاقتور بھی ہے۔ اسی لئے اس نے اپنی دنبیوں کے ہوتے ہوئے میری دنبی پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے میرے پاس کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ یہ سن کر حضرت داؤدؑ نے فریق ثانی سے کہا: اگر اس کا بیان سچ ثابت ہو تو میں ہل لے کر تمہارے سر پر ماروں گا۔ پھر حضرت داؤدؑ کو خیال ہوا کہ یہ سب کچھ ان کو سمجھانے کے لئے تھا۔ یہ ننانوے بھیڑیں مقصود نہیں تھیں بلکہ اس سے ان کی ننانوے بیویاں اور اوریا کی ایک بیوی مراد ہے۔ یہ خیال کے آتے ہی حضرت داؤدؑ سجدے میں گر پڑے۔ وہ توبہ کرتے رہے اور روتے رہے۔ اور انہوں نے مسلسل چالیس دن تک روزے رکھے۔ اس دوران انہوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔ آنسوؤں کے سبب ان کے چہرے کے نیچے سبزہ اگ آیا۔ آخرکار خدا نے ان کی توبہ قبول کی۔

اور "اہل کتاب خیال کرتے ہیں" کہ حضرت داؤدؑ نے کہا اے پروردگار! مجھ سے عورت کے متعلق جو خطا ہوئی ہے وہ تو تو نے بخش دی مگر مظلوم مقتول کے خون کا کیا بنے گا؟ جیسا کہ "اہل کتاب خیال کرتے ہیں" خدا نے ان سے کہا: اے داؤدؑ! تمہارا رب اس کے خون کو بھی ضائع نہیں کرے گا بلکہ اس سے کہے گا کہ وہ تجھے

حول معاف کر دے اور وہ معاف کر دے گا۔ حضرت داؤدؑ کی خطا معاف ہو گئی لیکن قدرت نے ان کی یہ خطا ان کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر نقش کر دی۔ وہ جب بھی اس ہاتھ سے کھانا کھاتے یا پانی پیتے تو انہیں اپنی خطا لکھی ہوئی دکھائی دیتی تو وہ رونے لگ جاتے۔ اور جب وہ لوگوں کو وعظ کرتے تو اپنی ہتھیلی کھول کر ان کو دکھاتے تاکہ لوگ ان کی غلطی کے نقش کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔[1] (وہب کی روایت یہاں ختم ہوئی)

۲۔ حسن بصری کی روایت

طبری اور سیوطی نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں حسن بصری سے یہ واقعہ یوں نقل کیا ہے:

حضرت داؤدؑ نے اپنے اوقات کار کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ایک دن وہ اپنی بیویوں کے ساتھ گزارتے، ایک دن عبادت میں اور ایک دن بنی اسرائیل کے ساتھ رہتے اور ان کے قضیے فیصل کرتے تھے۔ آپ انہیں نصیحت کرتے اور وہ بھی آپ کو نصیحت کرتے تھے۔ آپ انہیں رلاتے اور وہ بھی آپ کو رلاتے تھے۔ ایک دن جو کہ بنی اسرائیل کے لئے مخصوص تھا آپ نے ان سے کہا کہ تم مجھے کوئی نصیحت کرو۔ انہوں نے کہا آپ یہ بتائیں کہ کیا کبھی کسی انسان کا پورا دن اس حالت میں بھی گزر سکتا ہے جس میں اس نے گناہ نہ کیا ہو؟ اس وقت حضرت داؤدؑ نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان لی کہ وہ گناہ کے بغیر پورا دن بسر کر سکتے ہیں۔ جب ان کی عبادت کا دن آیا تو انہوں نے محل کے تمام دروازے بند کرا دیے اور حکم دیا کہ کوئی ان کے پاس نہ آئے۔ پھر آپ تورات پر جھک گئے۔ آپ تورات پڑھ رہے تھے کہ ایک سنہری کبوتری آپ کے سامنے آ کر گری جو نہائی خوبصورت تھی۔ آپ اسے پکڑنے کے لئے اٹھے تو وہ تھوڑا سا اڑی اور کچھ دور فاصلے پر جا بیٹھی۔ وہ اتنا بھی نہ اڑی کہ آپ اس سے مایوس ہو جاتے۔ آپ اس کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ وہ کبوتری ایک ایسی عورت کے اوپر سایہ فگن ہوئی جو نہا رہی تھی۔ حضرت داؤدؑ اس کی خلقت اور حسن سے بہت متاثر ہوئے۔ جب عورت نے حضرت داؤدؑ کا سایہ زمین پر دیکھا تو اس نے بال کھول کر اپنا بدن چھپایا۔ اس کی یہ ادا حضرت داؤدؑ کو بھا گئی اور آپ دل ہار گئے۔ پھر آپ نے اس کے شوہر کو اپنے ایک لشکر کا سالار مقرر کیا اور اسے خط لکھا کہ فلاں فلاں محاذ پر جاؤ۔ اور آپ یہ چاہتے تھے کہ وہ وہاں سے واپس نہ آئے۔ اس نے حضرت داؤدؑ کے حکم پر عمل کیا اور جنگ میں مارا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوہ کو نکاح کا پیغام بھیجا اور اس سے نکاح کر لیا۔[2] (حسن بصری کی روایت یہاں ختم ہوئی)۔

۱۔ تفسیر طبری، پارہ ۲۳، ص ۹۵، طبع دار المعرفۃ بیروت۔

۲۔ تفسیر طبری، پارہ ۲۳، ص ۹۶، طبع دار المعرفۃ بیروت۔ تفسیر در منثور، سیوطی، ج ۵، ص ۱۴۸۔ متن طبری سے لیا گیا ہے۔

۳۔ یزید رقاشی کی روایت

طبری و سیوطی [جو دونوں ہم مشرب ہیں] نے یزید رقاشی سے اس آیت کے سلسلے میں ایک روایت نقل کی جس کا ماحصل یہ ہے۔

یزید رقاشی کہتا ہے کہ میں نے انس بن مالک سے اور انہوں نے حضرت رسول اکرم سے سنا کہ رسول اکرم نے فرمایا جب حضرت داؤدؑ نے عورت کو دیکھا تو انہوں نے سالار لشکر سے کہا کہ جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو تم فلاں شخص کو تابوت کے آگے رکھنا۔ اس وقت دستور یہ تھا کہ اگر کوئی شخص تابوت کے آگے ہوتا تو یا وہ قتل ہو جاتا تھا یا لشکر ہار جاتا تھا۔ حضرت داؤدؑ کے فرمان کے نتیجے میں وہ شخص مارا گیا اور حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوہ سے شادی کر لی۔ اس کے بعد دو فرشتے ان پر نازل ہوئے۔ پھر حضرت داؤدؑ نے سجدہ کیا اور چالیس راتوں تک مسلسل سجدے میں پڑے رہے یہاں تک کہ ان کے آنسوؤں کی وجہ سے زمین پر گھاس اگ آئی اور وہ اتنی بڑی ہو گئی کہ حضرت داؤدؑ کے سر سے بھی اونچی ہو گئی اور زمین ان کی پیشانی کو کھانے لگی۔ اس عالم میں حضرت داؤدؑ مسلسل سجدے میں یہی کہتے رہے پروردگار! داؤدؑ سے مشرق و مغرب کے فاصلے سے بھی بڑی خطا ہوئی ہے۔ اگر تو نے داؤدؑ کی کمزوری پر رحم نہ کیا اور اس کے گناہوں کو معاف نہ کیا تو اس کا ایک گناہ بعد میں آنے والوں تک زبان زد عوام ہو جائے گا اور ایک داستان بن جائے گا۔

چالیس راتوں کے بعد جبرئیلؑ آئے اور کہا اے داؤدؑ! خدا نے تم کو معاف کر دیا ہے۔

حضرت داؤدؑ نے کہا میں جانتا ہوں کہ میں نے جو ارادہ کیا تھا میرا رب اسے معاف کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن مجھے یہ بھی علم ہے کہ وہ عادل ہے اور عدل کے تقاضوں سے انحراف نہیں کرتا۔ اس وقت کیا ہوگا جب فلاں شخص قیامت کے دن خدا کی عدالت میں کہے گا کہ خدایا! داؤدؑ سے میرے خون کا حساب لے۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا یہ تو میں نے خدا سے نہیں پوچھا البتہ اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو تو میں ضرور پوچھوں گا۔ حضرت داؤدؑ نے کہا ہاں! حضرت جبرئیلؑ پرواز کر گئے اور حضرت داؤدؑ سجدے میں گر گئے اور جب تک خدا کو منظور تھا سجدے میں پڑے رہے۔ پھر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا اے داؤدؑ! جو بات پوچھنے کے لئے تم نے مجھے بھیجا تھا میں نے خدا سے وہ بات پوچھی تو خدا نے کہا کہ داؤدؑ سے کہہ دو کہ خدا تم دونوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا اور اس سے کہے گا کہ تیرا جو خون داؤدؑ کے ذمے ہے اسے معاف کر دے۔ وہ کہے گا کہ خدایا! تو خود ہی مالک و مختار ہے۔ خدا اس سے کہے گا کہ اس کے بدلے میں تو جنت میں جو چاہے میں تجھے عطا کرتا ہوں اور تو اس کا جو بھی معاوضہ مانگے میں دینے کو تیار ہوں۔[1] (یزید رقاشی کی روایت یہاں ختم ہوئی)۔

۱۔ تفسیر طبری، پارہ ۲۳، ص ۹۶، طبع، دار المعرفہ بیروت۔ تفسیر درمنثور سیوطی، ج ۵، ص ۱۴۸، متن ہم نے طبری سے لیا ہے

مذکورہ روایت کی اسناد کا جائزہ

۱۔ وہب بن منبہ: وہب نے ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ ان کے والد اہل فارس کے ان افراد میں سے تھے جن کو شاہ ایران کسریٰ نے یمن بھیجا تھا۔ طبقات ابن سعد کے مطابق وہب نے کہا کہ میں نے ۹۲ آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ان میں سے ۷۲ کتابیں گرجوں اور لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں جبکہ ۲۰ کتابیں ایسی ہیں جن کے متعلق بہت کم لوگوں کو علم ہے۔ ڈاکٹر جواد علی نے لکھا ہے کہ وہب کو اصلاً یہودی بتایا گیا ہے۔ وہب کا یہ دعویٰ تھا کہ اس نے یونانی، سریانی، حمیری اور دیگر قدیم کتابیں پڑھ رکھی ہیں۔ کشف الظنون میں ہے کہ قصص الانبیاء نامی کتاب بھی وہب بن منبہ کی تالیف ہے۔[1]

۲۔ حسن بصری: ان کی کنیت ابوسعید تھی۔ ان کے والد زید بن ثابت انصاریؓ کے آزاد کردہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری سال پیدا ہوئے۔ بصرہ میں زندگی گزاری اور ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ بڑے فصیح اللسان تھے۔ عوام اور عمائدین سلطنت کی نظر میں قابل احترام تھے اور بصرہ میں مکتب حدیث کے پیروکاروں کے امام تھے۔[2]

حسن بصری کے نظریات کے متعلق ابن سعد کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری جبر و قدر کے قائل تھے اور اس کے لئے مناظرے کیا کرتے تھے۔ پھر انہوں نے ان نظریات سے رجوع کر لیا تھا اور وہ حجاج ثقفی جیسے سفاک شخص کے خلاف خروج کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ حسن بصری بہت زیادہ تدلیس سے کام لیتے تھے۔ جب وہ کسی راوی کے حوالے سے عن فلان کہتے ہیں تو ان کی روایت میں ضعف ہوتا ہے خصوصاً ان اسناد کے متعلق جن سے انہوں نے حدیث نہیں سنی۔ مثلاً ابوہریرہ اور ان جیسے دیگر صحابہ۔ علمائے محدثین نے ابوہریرہ سے حسن بصری کی بیان کردہ روایات کو مقطوع قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔[3]

حسن بصری کے حالات میں طبقات ابن سعد میں علی بن زید کہتے ہیں کہ میں نے حسن کو حدیث سنائی۔ پھر میں نے دیکھا کہ حسن وہی حدیث بیان کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی تو کہنے لگے کہ مجھے یاد نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ حدیث میں نے ہی آپ سے بیان کی تھی۔

ایک مرتبہ حسن بصری سے پوچھا گیا کہ آپ جو فتویٰ دیتے ہیں کیا وہ سنی ہوئی احادیث پر مبنی ہوتا ہے یا آپ اپنی رائے سے فتویٰ دیتے ہیں؟ حسن نے کہا کہ نہیں، خدا کی قسم! ہمارا ہر فتویٰ حدیث پر مبنی نہیں ہوتا لیکن ہماری رائے لوگوں کی قائم کردہ رائے سے بہتر ہوتی ہے۔[4]

۱۔ طبقات، ج ۵، ص ۳۹۵، طبع یورپ۔ کشف الظنون (۱۳۲۸) اور جواد علی کی تاریخ عرب قبل الاسلام، ج ۱، ص ۳۲۔
۲۔ وفیات الاعیان، ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۵۴، طبع اول۔ طبقات ابن سعد، طبع یورپ، ج ۷، ق ۱، ص ۱۲۰
۳۔ میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۵۲۷، حالات نمبر ۱۹۸۶۔
۴۔ دونوں روایات طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۲۰ پر مرقوم ہیں۔ طبع یورپ میں ج ۷، ق ۱، ص ۲۰ پر یہ روایات مذکور ہیں۔

معتزلی مذہب کا بانی واصل بن عطا متوفی ۱۳۱ھ اور مشہور زندیق اور بے دین ابن ابی العوجا بھی حسن کے شاگرد تھے۔ ابن ابی العوجا سے پوچھا گیا کہ "تو نے اپنے ساتھی کے مذہب کو چھوڑ کر وہ نظریات کیوں اپنائے جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے" تو اس نے کہا کہ میرا ساتھی کبھی کچھ کہتا تھا اور کبھی کچھ۔ وہ کبھی جبر کی اور کبھی قدر کی تبلیغ کرتا تھا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ آج تک کسی ایک نظریے پر قائم نہیں رہا۔ ۱۵۵ھ میں حاکم کوفہ نے زندیقی کے جرم میں ابن ابی العوجا کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اس نے قتل ہوتے وقت کہا تھا

"تم مجھے قتل تو کر رہے ہو لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ میں اپنی طرف سے چار ہزار حدیث گھڑ کر تمہارے دین میں داخل کر چکا ہوں جن میں میں نے خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے۔ میں نے تم سے افطار کے دن روزہ رکھوایا ہے اور روزے کے دن افطار کرایا ہے"[1]

۳۔ یزید بن ابان رقاشی بصرہ کا یہ قصہ گو محدث بہت زیادہ رونے کے لئے مشہور تھا اور زاہد کہا جاتا تھا مگر روایت اور فہم دین سے عاری تھا۔ مزی نے تہذیب الکمال اور ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے

"رقاشی بڑا زاہد تھا۔ وہ اکثر بھوکا پیاسا رہا کرتا تھا جس سے اس کا بدن کمزور اور رنگ متغیر ہو گیا تھا۔ وہ خدا ترسی میں خود بھی رویا کرتا اور اپنے ساتھیوں کو بھی رلایا کرتا مثلاً کہا کرتا کہ آؤ پیاس کے دن ٹھنڈے پانی پر روئیں۔ اور یہ کہ دن کے وقت ٹھنڈے پانی پر سلام ہو۔ الغرض وہ ایسے کام کرتا تھا جو نہ تو رسول اکرم نے کیے تھے اور نہ آپ نے ان کے کرنے کا حکم دیا تھا۔ عملی طور پر اس کی زندگی اس آیت کی نفی کرتی تھی قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ زینت کی اور کھانے پینے کی جو پاک چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان کو حرام کس نے کیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں۔"

طبقات ابن سعد (ج ۷، ق ۲، ص ۱۳، طبع یورپ) میں ہے کہ وہ ضعیف اور قدری تھا۔

رقاشی کی روایت کی قدر و قیمت سے متعلق محدثین نے شعبہ سے یہ باتیں نقل کی ہیں

۱۔ رقاشی کی روایت بیان کرنے سے رہزنی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

۲۔ رقاشی کی روایت بیان کرنے سے زنا کرنا زیادہ بہتر ہے۔

محدثین نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث اور متروک الحدیث ہے۔ اس کی حدیث نہیں لکھنی چاہئیں۔

ابوحاتم نے کہا ہے کہ وہ گریہ کرنے والا واعظ تھا۔ اس نے انس بن مالک سے بہت سی احادیث

---

۱ واصل بن عطا کے حالات زندگی ابن خلکان کی وفیات الاعیان میں اور ابن ابی العوجا کے حالات زندگی [illegible] صاحب کی مائة وخمسون صحابی مختلق، ج ۱، ص ۹۲، طبع صیدا میں دیکھیں۔

روایت کی ہیں جو کل عشر ہیں۔ ان کی حدیثیں ضعیف ہیں۔[1]

---

[1] ایک شخص نے حضرت امیر المومنینؑ سے ان گھڑت اور متعارض حدیثوں کے متعلق دریافت کیا جو (عام طور سے) لوگوں کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے ہاتھوں میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ و منسوخ، عام اور خاص، محکم و متشابہ، صحیح اور غلط سب ہی کچھ ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دور میں آپ پر بہتان لگائے گئے یہاں تک کہ آپ کو کھڑے ہو کر خطبہ میں کہنا پڑا کہ "جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر بہتان باندھے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔"

تمہارے پاس چار طرح کے لوگ حدیث لانے والے ہیں کہ جن کا پانچواں نہیں۔ ایک تو وہ جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ، وہ ایمان کی نمائش کرتا ہے اور مسلمانوں کی سی وضع قطع بنا لیتا ہے، نہ گناہ کرنے سے گھبراتا ہے اور نہ کسی افتاد میں پڑنے سے جھجکتا ہے، وہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہے، اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے تو اس سے کوئی حدیث قبول کرتے اور نہ اس کی بات کی تصدیق کرتے لیکن وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا صحابی ہے، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دیکھا بھی ہے اور ان سے حدیثیں بھی سنی ہیں اور آپ سے تحصیل علم کی ہے۔ چنانچہ وہ (بے سوچے سمجھے) اس کی بات کو قبول کر لیتے ہیں۔

اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے (تھوڑا بہت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا لیکن جوں کا توں اسے یاد نہ رکھا، اس میں سے کچھ بھول گیا۔ یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا، بلکہ جو اس کے دسترس میں ہے اسے ہی وہ دوسروں سے بیان کرتا ہے، اسی پر خود بھی عمل کرتا ہے اور کہتا بھی یہی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کو یہ خبر ہو جاتی کہ اس کی یادداشت میں بھول چوک ہوگئی ہے تو وہ اس کی بات کو نہ مانتے اور اگر خود بھی اسے اس کا علم ہو جاتا تو اسے چھوڑ دیتا۔

تیسرا شخص وہ ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زبان سے سنا کہ آپ نے ایک چیز کے بجا لانے کا حکم دیا، پھر آپ نے اس سے روک دیا لیکن یہ اسے معلوم نہ ہو سکا، یا یوں کہ اس نے پیغمبرؐ کو ایک چیز سے منع کرتے ہوئے سنا پھر آپ نے اس کی اجازت دے دی لیکن اس کے علم میں یہ چیز نہ آ سکی۔ اس نے (قول) منسوخ کو یاد رکھا اور (حدیث) ناسخ کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ اگر اسے خود معلوم ہو جاتا کہ یہ منسوخ ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا اور مسلمانوں کو بھی اگر اس کے منسوخ ہو جانے کی خبر ہوتی تو وہ بھی اسے نظر انداز کر دیتے۔

اور چوتھا شخص وہ ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر جھوٹ نہیں باندھتا۔ وہ خوف خدا اور عظمت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیش نظر کذب سے نفرت کرتا ہے۔ اس کی یادداشت میں غلطی واقع نہیں ہوتی بلکہ جس طرح سنا اسی طرح سے یاد رکھا اور اسی طرح سے بیان کیا۔ نہ اس میں کچھ بڑھایا، نہ اس میں کچھ گھٹایا۔ حدیث ناسخ کو یاد رکھا تو اس پر عمل بھی کیا، حدیث منسوخ کو بھی اپنی نظر میں رکھا اور اس سے اجتناب برتا۔ وہ اس حدیث کو بھی جانتا ہے جس کا دائرہ محدود ہے اور اسے بھی جو ہمہ گیر اور سب کو شامل ہے۔ وہ ہر حدیث کو اس کے محل و مقام پر رکھتا ہے اور یوں ہی واضح اور مبہم حدیثوں کو پہچانتا ہے۔

کبھی رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کلام دو رخ لئے ہوتا تھا، کچھ کلام وہ جو کسی وقت یا افراد سے مخصوص ہوتا تھا اور کچھ وہ جو تمام اوقات اور تمام افراد کو شامل ہوتا تھا اور ایسے افراد بھی سن لیا کرتے تھے کہ جو کچھ ہی نہ سکتے تھے کہ اللہ نے اس سے کیا مراد لیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اس سے مقصد کیا ہے۔ تو یہ سننے والے اسے سن تو لیتے تھے اور کچھ اس کا مفہوم بھی قرار دے لیتے تھے مگر اس کے حقیقی معنی اور مقصد اور وجہ سے ناواقف ہوتے تھے اور سب اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں سب ایسے تھے کہ جنہیں آپ سے سوال کرنے کی ہمت ہو، بلکہ وہ تو یہ چاہا کرتے تھے کہ کوئی صحرائی بدو یا پردیسی آ جائے اور وہ کچھ پوچھے تو یہ بھی سن لیں مگر میرے سامنے سے کوئی چیز نہ گزرتی تھی مگر یہ کہ میں اس کے متعلق پوچھتا تھا اور پھر اسے یاد رکھتا تھا۔ یہ ہیں لوگوں کے احادیث و روایت میں اختلاف کے وجوہ و اسباب۔ (نہج البلاغہ خطبہ نمبر ۲۱۰، بحار، اصول کافی، تحف العقول، احتجاج الاحتجاج)

تہذیب التہذیب جلد ۱۱، صفحہ ۳۰۹ تا ۳۱۱ پر لکھا ہے کہ ابن حبان کے مطابق رقاشی خدا کے نیک بندوں میں سے تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو خوف خدا میں رات کو رویا کرتے ہیں لیکن وہ شوق عبادت کے سبب حفظ حدیث سے غافل رہا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ حسن بصری کی گفتگو کو انس بن مالک کی طرف منسوب کرکے اس کی روایت رسول اکرمؐ سے کرتا تھا۔ تعجب کے حصول کے علاوہ اس سے روایت بیان کرنا حلال نہیں ہے۔ یزید بن ابان رقاشی نے ۱۲۰ھ سے پہلے وفات پائی۔

وہب کی روایت کا جائزہ

وہب کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام تنہائی میں زبور پڑھ رہے تھے کہ ایک سنہری کبوتری ان کے آگے آکر گری۔ آپ اسے پکڑنے کیلئے اٹھے لیکن وہ اڑ کر تھوڑی دور جا کر بیٹھ گئی۔ آپ اسے پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے گئے یہاں تک کہ روشندان سے آپ کی نظر اوریا کی بیوی پر پڑی جو اس وقت نہا رہی تھی۔ حضرت داؤدؑ اس کے حسن صبیح کو دیکھ کر متاثر ہوئے۔ اوریا کی بیوی کو جونہی یہ محسوس ہوا کہ حضرت داؤدؑ کی نظر اس پر پڑ رہی ہے تو اس نے اپنا بدن اپنے بالوں سے چھپایا۔ اس کی یہ ادا حضرت داؤدؑ کو بھا گئی۔ اس کے بعد انہوں نے اس کے شوہر کو محاذ جنگ پر بھیج دیا جہاں وہ مارا گیا۔ پھر آپ نے اس کی بیوی سے شادی کرلی۔ خدا نے ان کو اس خطا پر متوجہ کرنے کے لئے ان کے پاس دو فرشتوں کو ان کی محراب میں بھیجا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

اس روایت کا عجیب پہلو یہ ہے کہ کہیں "وہب کہتا ہے" اور کہیں "اہل کتاب خیال کرتے ہیں" آیا ہے۔ وہب اہل کتاب کا حوالہ دے کر خود بری الذمہ ہوگیا ہے۔ جب ہم تورات کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ سموئیل دوم کے گیارہویں باب میں لکھا ہے کہ جب حضرت داؤدؑ نے اوریا کی بیوی کو دیکھا تو آپ دل ہار گئے۔ چنانچہ آپ نے اس کو اپنے محل میں بلایا اور نعوذ باللہ اس سے زنا کیا اور وہ حاملہ ہوگئی۔ سفر سموئیل باب ۱۱ اور باب ۱۲ کے لئے صفحہ ۳۷۶ پر ضمیمہ نمبر ۳ دیکھیں۔

جب ہم وہب کی روایت اور سموئیل دوم کے گیارہویں باب کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہب کی روایت میں کچھ باتیں سفر سموئیل سے اخذ کی گئی ہیں اور کچھ باتیں شاید دوسری اسرائیلی کتاب سے لی گئی ہیں۔ وہب اہل کتاب کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا اور اس پر فخر کرتا تھا۔ اس طرح کی روایات کو اسرائیلی روایات یا اسرائیلیات کہا جاتا ہے۔

حسن بصری کی روایت کا جائزہ

حسن بصری کی روایت میں بھی وہی وہب والی باتیں کہی گئی ہیں البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ حسن بصری نے ابتداء میں یہ کہا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے اوقات کار کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔

ہمیں نہیں معلوم کہ مذکورہ بالا جملہ حسن بصری کے زور تخیل کا نتیجہ ہے یا کسی اسرائیلی روایت سے یہ جملہ نقل کیا گیا ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو حسن نے اس روایت کی سند کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے اس کو بطور "مرسل روایت" بیان کیا ہے۔ اگر حسن یہ کہتے کہ میں نے یہ روایت وہب یا اسرائیلی روایات کے کسی راوی سے سنی ہے تو محققین کو آسانی ہوتی اور وہ کہہ سکتے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے لیکن حسن نے روایت کو مرسل انداز میں بیان کر کے شبہات کو جنم دیا ہے۔ لوگوں نے حسن کی روایت کو اس لئے زیادہ اہمیت دی ہے کیونکہ وہ عقائد میں مکتب خلافت کے رہنما تھے۔ اسی لئے ان کی روایت نے اسلامی عقائد پر منفی اثرات مرتب کئے۔

مکتب خلفاء کے اکثر رواۃ کی سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ وہ اسرائیلیات کو کسی سند اور اہل کتاب کی نسبت کے بغیر بیان کرتے ہیں۔ اسی لئے لوگوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ یہ اسلامی روایت ہے جبکہ وہ روایت درحقیقت یہود و نصاریٰ کی تحریف شدہ کتابوں سے ماخوذ ہوتی ہے۔

رقاشی کی روایت کا جائزہ

رقاشی نے اپنے سامعین کو یہ تاثر دیا کہ اس نے یہ روایت رسول کریمؐ کے صحابی انسؓ سے سنی ہے اور انسؓ نے یہ روایت رسول کریمؐ سے سنی تھی اور یوں اس نے یہودیوں کی تحریف شدہ روایت کو رسول اکرمؐ اور ان کے صحابی سے منسوب کرنے کی کوشش کی جبکہ محدثین اس کی اس عادت سے بخوبی واقف ہیں کہ وہ حسن بصری کی خودساختہ باتوں کو انس کی طرف نسبت دے کر حدیث رسولؐ میں بدل دیا کرتا تھا۔ یہ کیسا دور گریاں تھا جسے رسولؐ اور صحابہ رسول پر جھوٹ بولتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اور پھر ہمیں طبری سے لے کر سیوطی تک ایسے مفسرین پر تعجب ہوتا ہے جنہوں نے آنکھیں بند کر کے اسرائیلی روایت کے پرچارکوں کی بیان کردہ روایتوں کو من و عن اپنی تفسیروں میں نقل کیا۔

سچ یہ ہے کہ عالم اسلام میں اسرائیلیات پھیلانے والے صرف یہی تین افراد نہیں تھے بلکہ کچھ صحابہ اور تابعین نے بھی اس میں حصہ ڈالا ہے جن کی نشاندہی ہم نے اپنی کتاب احیائے دین میں ائمہ اہلبیتؑ کا کردار میں کی ہے۔ سردست ہم اسرائیلیات کے چار مبلغین کا ذکر کرتے ہیں

۱۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص ایک غزوہ میں اہل کتاب کی کتابوں سے لدے ہوئے دو اونٹ عبداللہ کے ہاتھ لگے تھے۔ اس صحابی نے ان کتابوں سے خوب استفادہ کیا تھا۔ پھر اس نے اہل کتاب کی روایت کو کسی سند کے بغیر مسلمانوں میں پھیلایا۔

۲۔ تمیم داری اس عیسائی راہب نے عہد رسولؐ میں اسلام قبول کیا تھا۔ یہ شخص حضرت عمرؓ کے عہد میں خطبہ جمعہ سے قبل اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہفتے میں دو دن مسجد نبوی میں قصے بیان کرتا تھا۔

۳۔ کعب الاحبار کعب الاحبار تابعی تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمان ہوا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں مسلمان علماء کی صف میں شامل ہوا۔

بعد ازاں کچھ ایسے افراد منظر عام پر آئے جنہوں نے اہل کتاب کی کچھ روایات اخذ کر کے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ ان افراد میں مقاتل بن سلیمان کا نام سرفہرست ہے۔

۴۔ مقاتل بن سلیمان مقاتل بن سلیمان مروزی ازدی متوفی ۱۵۰ھ مشہور مفسر قرآن ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ لوگ تفسیر میں مقاتل بن سلیمان، شعر میں زہیر بن ابی سلمیٰ اور کلام میں ابوحنیفہ کے دلدادہ اور "علمی فرزند" ہیں۔[1] ہمیں تو حیرت اس بات پر ہے کہ علمائے اسلام نے اسرائیلیات پر کیونکر اعتبار کیا اور ان کو اسلامی مصادر میں نقل کرنے میں کمال انکساری سے کیوں کام لیا۔ (ذرا سوچئے کیا یہ دین و دیانت میں خیانت کے مترادف نہیں)۔

خلاصۂ بحث

وہب بن منبہ نے حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ السلام کے متعلق جھوٹ پر مبنی روایت اہل کتاب کی کتابوں سے نقل کی ہے۔ البتہ اس نے یہ بھلائی ضرور کی ہے کہ اپنی روایت کا سرچشمہ واضح کر دیا اور کہا کہ اہل کتاب اس طرح خیال کرتے ہیں۔

اس کے بعد جب امام حسن بصری کی باری آئی تو انہوں نے تدلیس سے کام لیا اور روایت کا ماخذ بیان کرنے سے گریز کیا۔ حسن بصری کے بعد یزید رقاشی نے حسن بصری سے سنی ہوئی بے سروپا روایت کو صحابی رسول انس بن مالک کی طرف نسبت دے کر اس جھوٹ کو رسول اکرمؐ سے منسوب کیا۔

---

[1] ۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۱۶۰، حالات نمبر ۱۳۲۷ء۔ وفیات الاعیان، ج ۴، ص ۳۴۱، حالات نمبر ۷۳۰ء۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۲۷۹۔ میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۱۷۲، حالات نمبر ۸۷۴۱۔

کتبِ خلفاء میں اس طرح کی تدلیس اور غلط نسبتیں عام ہیں۔ مگر اسرائیلی روایت صرف انسؓ کی طرف ہی منسوب نہیں کی گئیں بلکہ کتبِ خلفاء کے راویوں نے اسرائیلی روایات ابنِ عباسؓ کی طرف منسوب کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ (اپنے وقت کے یہ ممتاز علماء صرف ایک ہی گھاٹ کا پانی پئے ہوئے تھے۔ اگر یہ "کوثر" سے پانی پی کر بیان سمجھاتے تو ایسی غلطی نہ کرتے)۔

یوں تدلیس اور غلط اسناد سے مروی تورات کی یہ جھوٹی روایت آہستہ آہستہ قرآن مجید کی تفاسیر میں داخل ہو گئیں اور اس کی وجہ سے سیرتِ انبیاء کے متعلق مسلمانوں میں غلط طرزِ فکر پیدا ہوا۔ عجیب بات یہ ہے کہ صرف انبیائے بنی اسرائیل ہی کی آبرو میں خلل نہیں ڈالا گیا بلکہ خواجہ لولاکؐ کی ذاتِ اقدس کو بھی معرضِ اشتباہ میں ڈالا گیا۔ اس سلسلے میں حضرت زید بن حارثہؓ کی مطلقہ جناب زینب بنت جحشؓ اور حضرت رسالت پناہ (ص) سے نکاح کے متعلق بھی بے سروپا روایت تراشی گئی لیکن ہم اس جھوٹی روایت کو نقل کرنے سے پہلے اس سلسلے کی صحیح روایت پیش کرتے ہیں۔

رسولِ اکرمؐ اور حضرت زینبؓ کے نکاح کی صحیح روایت

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَهَا (سورۂ احزاب آیت ۳۷) کی تفسیر میں خازن لکھتے ہیں کہ اس سلسلے کی صحیح ترین روایت وہ ہے جسے سفیان بن عیینہ نے علی بن زید بن جدعان سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام زین العابدینؑ نے کہا کہ حسن بصری وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

میں (راوی) نے کہا فرزندِ رسولؐ! حسن کہتا ہے کہ زیدؓ رسولِ اکرمؐ کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہؐ! میں زینبؓ کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ رسولِ اکرمؐ کو ان کی یہ بات بھلی معلوم ہوئی مگر آپ نے اس سے کہا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ٹھہرائے رکھو اور اس معاملے میں خدا سے ڈرو۔

یہ سن کر امام زین العابدینؑ نے فرمایا نہیں۔ ایسا نہیں ہے! بات یہ ہے کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو یہ خبر دی کہ زینبؓ عنقریب ان کے حبالۂ نکاح میں آئیں گی۔ اور زیدؓ انہیں طلاق دے دیں گے۔ چنانچہ جب زیدؓ رسولِ اکرمؐ کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہؐ! میں زینبؓ کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو رسولِ اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس ٹھہرائے رکھو۔ اسی لئے خدا نے آنحضرتؐ سے فرمایا کہ "آپ نے زیدؓ سے یہ کیوں کہا کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس ٹھہرائے رکھو جبکہ میں آپ کو یہ خبر دے چکا ہوں کہ اس کی بیوی عنقریب آپ کی بیوی بننے والی ہے۔

یہ روایت نقل کرنے کے بعد خازن نے لکھا ہے کہ یہ بات انبیائے کرامؑ کے شایانِ شان نہیں اور ان کے مقام سے میل نہیں کھاتی۔ یہ تلاوت کے بھی عین مطابق ہے۔ الی آخرہ۔

زینبؓ کی زیدؓ سے شادی اور پھر ان سے طلاق کے بعد رسول اکرمؐ سے نکاح کی تفصیل قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد ہم کتب خلفاء کی روایات بیان کریں گے۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ○ وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ○ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ○ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ○ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ○ کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسولؐ کسی امر میں فیصلہ کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ اور جو خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہوگا۔ اور جب آپ اس شخص سے جس پر خدا نے احسان کیا اور آپ نے بھی احسان کیا یہ کہہ رہے تھے کہ تم اپنی بیوی کو اپنے پاس ٹھہرائے رکھو اور خدا سے ڈرو، اور آپ اپنے دل میں اس بات کو چھپاتے تھے جس کو خدا ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ خدا ہی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ پھر جب زیدؓ نے اس عورت سے کوئی حاجت متعلق نہ رکھی (یعنی طلاق دے دی) تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مومنین کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہ رہے جب وہ انہیں چھوڑ دیں۔ اور خدا کا حکم بہرصورت نافذ ہو کر رہتا ہے۔ نبی پر اس کام میں کچھ تنگی نہیں جو خدا نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اور جو انبیاء پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی خدا کا یہی دستور رہا ہے۔ اور خدا کا حکم صحیح اندازے کے مطابق مقرر کیا ہوا ہوتا ہے۔ (اور) جو خدا کے پیغام (جوں کا توں) پہنچاتے اور اسی سے ڈرتے اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور خدا ہی حساب لینے کے لئے کافی ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ خدا کے رسول اور سلسلہ انبیاء کے خاتم ہیں اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ (سورۂ احزاب آیت ۳۶ تا ۴۰)

مکتب خلفاء کی تاویل

طبری نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے اپنی پھوپھی کی بیٹی زینبؓ کا نکاح زید بن حارثہؓ سے کیا تھا۔ ایک دن رسول اکرمؐ کسی کام کے سلسلے میں زیدؓ کے گھر گئے۔ اس وقت زیدؓ گھر سے

[illegible] نکلے، گھر میں بیٹھی ہوئی تھیں [illegible] جو کہ ان کی محبت آپ کے دل میں پیدا ہوئی تو [illegible] (یعنی زیدؓ) [illegible]

اس کے بعد زیدؓ [illegible] رسول اللہ سے پوچھا [illegible] تکلیف ہے؟

زیدؓ نے کہا کہ مجھے اس سے کوئی تکلیف نہیں [illegible] بعض کی [illegible] روایت [illegible] کے ضمن میں پیش کریں گے۔

مذکورہ روایت [illegible] حسن بصری [illegible] یہاں ہم صرف اس بات کا [illegible] ہیں [illegible] ہوئے تھے لیکن [illegible] متعلق روایت [illegible] اس روایت کی سند [illegible] اس وقت تک [illegible] روایت [illegible] ہے۔

اس روایت کا [illegible] حضرت زینبؓ [illegible] آپ اس پر [illegible] خواہش پیدا ہوئی [illegible] طلاق [illegible] سے شادی کر لیں مگر آپ نے اپنی خواہش [illegible]

جن لوگوں نے یہ روایت [illegible] حضرت زینبؓ [illegible] کی پھوپھی کی بیٹی تھیں اور [illegible] بہت [illegible] سول اکرمؐ [illegible] پہلے [illegible] روایت [illegible] سے رسول اکرمؐ پر [illegible] پردہ [illegible] غیر صحیح روایت ہے۔

حضرت زیدؓ کی سرگزشت

زید بن حارثہ [illegible] چھوٹے تھے [illegible] قبیلے [illegible] ہاتھوں قید ہو کر [illegible] غلام بن گئے۔ [illegible] خوش نہیں تھی۔ حضرت خدیجہ سے ان کو خرید لیا اور رسول اکرمؐ کو بخش دیا۔ اس وقت زیدؓ کی عمر [illegible] تھی اور ابھی رسول اکرمؐ [illegible]

تفسیر طبری [illegible]

اعلان نہیں کیا تھا۔ زیدؓ رسول اکرمؐ کے زیر سایہ پرورش پانے لگے۔ کسی طرح سے زیدؓ کے خاندان کو پتا چل گیا کہ زیدؓ مکہ میں محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب کے پاس ہیں۔ چنانچہ ان کے والد اور چچا ان کو واپس لینے کے لئے مکہ آئے اور انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی: اے فرزند عبدالمطلب! اے فرزند ہاشم! اے سید لقوم کے فرزند ہم اپنے بیٹے کے سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارا بیٹا اس وقت آپ کا غلام ہے۔ آپ ہم پر احسان فرمائیں اور اس کا فدیہ لے کر اسے آزاد کر دیں تاکہ ہم اسے اپنے ساتھ وطن واپس لے جائیں۔

رسول کرمؐ نے فرمایا تمہارے بیٹے کا کیا نام ہے؟

انہوں نے کہا: زید بن حارثہؓ ہے۔

رسول کرمؐ نے فرمایا اس کے علاوہ تمہاری کوئی دوسری خواہش ہو تو وہ بھی بیان کرو۔

انہوں نے کہا نہیں۔ ہماری بس یہی ایک خواہش ہے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: اس کو بلا لیتے ہیں اور چناؤ کا حق دیتے ہیں۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو تم شوق سے اسے لے جاؤ اور اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں اس کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔

انہوں نے کہا: آپ نے نہ صرف انصاف بلکہ ہم پر احسان بھی کیا ہے۔

رسول کرمؐ نے زیدؓ کو آواز دی۔ جب وہ آئے تو آپ نے پوچھا کیا تم ان لوگوں کو جانتے ہو؟

زیدؓ نے کہا: جی ہاں! یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا تم مجھے بھی جانتے ہو اور میرا جو سلوک تمہارے ساتھ رہا ہے اسے بھی جانتے ہو۔ اب تم کو اختیار ہے چاہو تو یہاں میرے پاس رہو اور چاہو تو ان کے ساتھ چلے جاؤ۔

زیدؓ نے کہا: میں ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔ میں آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ آپ میرے لئے باپ اور چچا کی جگہ ہیں۔

یہ سن کر ان کے والد اور چچا نے کہا زید! تجھ پر افسوس ہے کہ تو آزادی پر غلامی کو اور اپنے باپ اور خاندان پر محمدؐ کو ترجیح دے رہا ہے۔

زیدؓ نے کہا ہاں! انہوں نے مجھے اتنے پیار سے رکھا ہے کہ میں ان پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

جب رسول اکرمؐ نے زیدؓ کی یہ محبت دیکھی تو آپ اسے اپنے ساتھ لے کر صحن کعبہ میں تشریف لائے اور فرمایا اے لوگو! گواہ رہنا آج سے زیدؓ میرا بیٹا ہے۔ یہ میری میراث پائے گا اور میں اس کی میراث پاؤں گا۔

جب زیدؓ کے والد اور چچا نے رسول اکرمؐ کا یہ اعلان سنا تو دونوں بڑے اطمینان سے واپس چلے گئے۔

اس اعلان کے بعد زیدؓ رسول اکرمؐ کی طرف منسوب ہو گئے اور انہیں زیدؓ بن محمدؐ کہا جانے لگا۔

۱۔ اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج ۲، ص ۲۳۴۔

جب زیدؓ جوان ہوئے تو آنحضرتؐ نے ان کی شادی اپنی خادمہ برہ عرف ام ایمن حبشی سے کر دی۔ زیدؓ سے پہلے اس حبشی خاتون کی شادی ایک حبشی غلام سے ہوئی تھی جس سے ایک لڑکا ایمن پیدا ہوا تھا۔ اسی نسبت سے ان کی کنیت ام ایمنؓ تھی۔ مکہ میں ام ایمنؓ سے اسامہ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔[1]

حضرت زیدؓ کا حضرت زینبؓ سے نکاح

ہجرت مدینہ کے بعد امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی زینبؓ بنت جحش سے کئی صحابہ نے خواستگاری کی۔ انہوں نے اپنے بھائی کو رسول اکرمؐ سے مشورے کے لیے بھیجا۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا وہ اس سے نکاح کیوں نہیں کر لیتی جو اسے کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی تعلیم دے۔

زینبؓ نے پوچھا اس سے آپ کی مراد کون ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: زیدؓ۔

یہ سن کر وہ ناراض ہو گئیں اور کہنے لگیں کہ آپ اپنی پھوپھی کی بیٹی کو اپنے آزاد کردہ غلام سے بیاہنا چاہتے ہیں۔ میں اس سے نکاح نہیں کروں گی۔ میں حسب نسب میں اس سے کہیں بہتر ہوں۔ اسی وقت خدا نے یہ آیت نازل فرمائی "کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی امر میں فیصلہ کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔ اور جو خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہوگا۔" زینبؓ بنت جحش نے یہ آیت سنی تو آنحضرتؐ کے فرمان پر سر تسلیم خم کر دیا۔ چنانچہ آپ نے زید بن حارثہؓ سے ان کی شادی کر دی۔

شادی کے بعد زینبؓ کی باتیں زیدؓ کے لیے باعث آزار تھیں چنانچہ زیدؓ ان کے اس رویے سے تنگ آ چکے تھے۔ وہ ان کے اس رویے کی رسول اکرمؐ سے شکایت کیا کرتے تھے اور انہیں طلاق دینا چاہتے تھے لیکن رسول اکرمؐ زیدؓ کو سمجھاتے تھے کہ میاں خدا کا خوف کرو اور اپنے ارادے سے باز رہو۔ پھر خدا کی مشیت کا تقاضا ہوا کہ زینبؓ کا نکاح رسول اکرمؐ سے کر دیا جائے تاکہ اسلام میں متبنّیٰ کا وہ حق نہ سمجھا جائے جو حقیقی بیٹے کا ہے۔ چونکہ خدا کی یہ بڑی مصلحت مقصود تھی اس لیے اس نے آپ کو وحی غیر متلو کے ذریعے اس امر سے آگاہ کیا۔

ادھر رسول اکرمؐ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر آپ نے زینبؓ سے نکاح کر لیا تو لوگ باتیں بنائیں گے کہ محمدؐ کیسا نبی ہے جو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرتا ہے۔ اس لیے آپ زیدؓ کو سمجھاتے رہے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ٹھہرائے رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو۔ لیکن زیدؓ نے جو اپنی بیوی کے رویے سے تنگ تھے ان کو طلاق دے دی۔ جب زینبؓ کی عدت پوری ہو گئی تو سورۂ احزاب کی چار آیات بیک وقت اتریں جن میں زیدؓ اور زینبؓ کی

1۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۰۳۔ طبقات ج ۳ ص ۲۵۔ حالات ۱۲ صحابہ ج ۳ ص ۱۱۵۔ حالات ... ص ۲۵ ...۔

ناچاقی کا تذکرہ کیا گیا اور متبنیٰ گیری کی رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہوا فلما قضی زید منہا وطرا زوجنکہا لکی لا یکون علی المؤمنین حرج

خدا نے متبنیٰ گیری کی رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کرتے ہوئے فرمایا

وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ○ ادعوھم لاباءھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا اباءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم خدا نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا۔ یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں۔ جبکہ خدا حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ (اے ایمان والو!) تم منہ بولے بیٹوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارو کہ خدا کے نزدیک یہی بات درست ہے۔ اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو دین میں وہ تمہارے بھائی اور دوست ہیں (سورۂ احزاب آیت ۴، ۵)

حضرت داؤدؑ اور حضرت رسولِ اکرمؐ کے متعلق قرآنی آیات کی تفسیر کے لئے جب مسلمانوں نے جھوٹی روایات کا سہارا لیا تو عصمتِ انبیاءؑ کا مقام مجروح ہو گیا۔

اب ہم کچھ مزید آیات پیش کرتے ہیں جن کی تاویل میں لوگوں کو مغالطہ ہوا جس سے عصمتِ انبیاء میں خلل پڑا۔ درحقیقت یہ ہے کہ ان آیات سے استدلال کرنے والوں کے پاس کوئی روایت بھی موجود نہیں ہے

عصمتِ انبیاء سے متعلق آیات کی غلط تاویلات

۱۔ حضرت آدمؑ کی طرف لفظ عصیان کی نسبت دی گئی ہے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے وعصی آدم ربہ فغوی ○ چونکہ آدمؑ نے اپنے رب کے حکم کے خلاف کیا تھا اس لئے ان کا آرام ختم ہو گیا۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۱)

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی کا واقعہ قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوا ہے فجعلھم جذاذا الا کبیرا لھم لعلھم الیہ یرجعون ○ قالوا من فعل ھذا بالھتنا انہ لمن الظلمین ○ قالوا سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم ○ قالوا فاتوا بہ علی اعین الناس لعلھم یشھدون ○ قالوا ءانت فعلت ھذا بالھتنا یا ابراھیم ○ قال بل فعلہ کبیرھم ھذا فسئلوھم ان کانوا ینطقون ○ فرجعوا الی انفسھم فقالوا انکم انتم الظلمون ○ ثم نکسوا علی رءوسھم لقد علمت ما ھؤلاء ینطقون ○ پھر (ابراہیمؑ نے) ان (بتوں) کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو نہ توڑا تاکہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں۔ (بتوں کا یہ حشر دیکھ کر) ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ برتاؤ کس نے کیا ہے؟ وہ تو یقیناً کوئی ظالم ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان کو برا بھلا کہتے سنا ہے اس کا نام ابراہیمؑ ہے۔ وہ بولے اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تاکہ وہ گواہ رہیں۔ (جب ابراہیمؑ آئے تو بت پرستوں نے) کہا ابراہیمؑ ہمارے معبودوں سے

ساتھ یہ برتاؤ تم نے کیا ہے؟ (ابراہیمؑ نے) کہا بلکہ یہ ان کے بڑے (بت) نے کیا ہے۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو ان ہی سے پوچھ دیکھو۔ انہوں نے اپنے دل میں سوچا تو آپس میں کہنے لگے یقیناً تم ہی لوگ ظالم ہو۔ پھر (شرمندہ ہو کر) سر جھکا دیئے (اور کہنے لگے) تم جانتے ہو کہ یہ بول نہیں سکتے۔ (سورۂ انبیاء آیت ۵۸تا۶۵)

پہلی آیت سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت آدمؑ نے خدا کی نافرمانی کی اور وہ گمراہ ہو گئے۔ دوسری آیت سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے بت پرستوں سے یہ کہہ کر کہ یہ بت میں نے نہیں بلکہ بڑے بت نے توڑے ہیں جھوٹ بولا تھا۔

۳۔ حضرت یوسفؑ کے قصے میں قرآن مجید کہتا ہے فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّاذَا تَفْقِدُونَ ۝ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُم مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ۝ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِن كُنتُمْ كَاذِبِينَ ۝ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَن وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝ قَالُوا إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ أَنتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ۝ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ اس کے بعد جب یوسفؑ نے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے تھیلے میں آبخورہ رکھ دیا۔ پھر (جب وہ آبادی سے باہر نکل گئے تو بادشاہ کا) ایک نوکر پکارا کہ اے قافلے والو تم چور ہو۔ وہ ان کی طرف مڑ کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟ وہ بولے کہ بادشاہ کا آبخورہ گم ہو گیا ہے اور جو شخص اس کو لے آئے اس کو ایک اونٹ کا بار غلہ انعام میں ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ ہم (اس) ملک میں اس لئے نہیں آئے کہ خرابی کریں اور نہ ہم چور ہیں۔ نوکروں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلے (یعنی چوری ثابت ہوئی) تو اس کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے تھیلے میں وہ آبخورہ ملے وہی اس کا بدل قرار دیا جائے۔ ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر (یوسفؑ نے) اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں کو دیکھنا شروع کیا۔ پھر اپنے بھائی کے تھیلے میں سے آبخورہ برآمد کر لیا۔ اس طرح ہم نے یوسفؑ کے لئے تدبیر کی (ورنہ) بادشاہ کے قانون کی رو سے وہ مشیت خدا کے سوا اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔ (برادران یوسف نے) کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو (کچھ عجب نہیں کیونکہ) اس سے پہلے اس کے ایک بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ یوسفؑ نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا اور ان پر ظاہر نہ ہونے دیا اور کہا

کہ تم بڑے بدقماش ہو۔ اور جو تم بیان کرتے ہو خدا اسے خوب جانتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! اس کے والد بہت بوڑھے ہیں (اور اس سے بہت پیار کرتے ہیں) تو (اس کو چھوڑ دیجئے اور) اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والے ہیں (سورۂ یوسف آیت ۷۷ تا ۷۸)

۴۔ حضرت یونس کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے وذا النون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ فنادی فی الظلمت ان لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ○ فاستجبنا لہ و نجیناہ من الغم و کذالک ننجی المؤمنین ○ اور ذوالنون کو یاد کرو جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہو کر) غصے میں چل دیئے اور اپنے تئیں سوچا کہ ہم ان کا رزق تنگ نہیں کریں گے۔ پھر اندھیرے میں پکارنے لگے کہ اے خدا! تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو پاک ہے اور بے شک میں قصوروار ہوں۔ تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات دی اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں۔ (سورۂ انبیاء آیت ۸۷، ۸۸)

اس آیت میں ان لن نقدر علیہ سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت یونس نے یہ خیال کیا تھا کہ خدا ان پر قابو حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ سوچ ان کو قصوروار ٹھہراتی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انا فتحنا لک فتحا مبینا ○ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر و یتم نعمتہ علیک و یھدیک صراطا مستقیما ○ و ینصرک اللہ نصرا عزیزا ○ (اے رسول) بے شک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا کی ہے تاکہ خدا (اہل مکہ کی طرف سے) آپ پر لگے والے اگلے پچھلے الزام ختم کر دے اور آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے اور آپ کو سیدھے راستے کی ہدایت دے اور زبردست طریقے سے آپ کی مدد کرے۔ (سورۂ فتح آیت ۱ تا ۳)

اکثر علماء اور مترجمین نے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر کا یہ ترجمہ کیا ہے "تاکہ خدا آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے" اور یوں انہوں نے بزعم خویش یہ استدلال کیا ہے کہ نبی کریمؐ سے بھی گناہ سرزد ہوتے تھے۔ البتہ خدا نے انہیں معافی دیدی تھی۔ ع بخدا دیوانہ باش و با مصطفیٰ ہشیار باش!

قرآن میں اس طرح کی کچھ اور متشابہ آیات بھی ہیں جن سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ نبیوں سے بھی گناہ ہوتے تھے اور وہ من کل الجہات معصوم نہیں تھے البتہ خدا نے انہیں وہ گناہ معاف کر دیئے تھے۔ ہم ان آیات کی تاویل پیش کرنے سے پہلے کچھ کلمات کی تفسیر اور ان آیات کے چیدہ چیدہ الفاظ کی لغوی تشریح پیش کرتے ہیں۔

کچھ کلمات کی تفسیر

۱۔ اوامر و نواہی کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) خدا کے کچھ اوامر و نواہی ایسے ہیں جن کی مخالفت کا اثر صرف دنیاوی زندگی تک محدود رہتا ہے اور

آخرت میں ان کی کوئی جزا یا سزا نہیں ہوتی۔ مثلاً خدا فرماتا ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو۔ (سورۂ اعراف آیت ۳۱)

کسی بھی کام میں حد سے تجاوز کرنے کو اسراف کہتے ہیں۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ کھانے پینے میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔ اب اگر کوئی مسلمان اپنی بھوک سے کچھ زیادہ کھالے یا پیاس سے زیادہ پانی پی لے تو اس کا اثر معدے پر ضرور پڑے گا لیکن وہ عذاب آخرت کا مستحق نہیں۔ اس طرح کے امر کو "امر ارشادی" اور اس طرح کی نہی کو "نہی ارشادی" کہا جاتا ہے۔

(۲) کچھ اوامر ونواہی ایسے ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا واجب اور ترک کرنا حرام ہوتا ہے۔ ایسے امور کی مخالفت کی جزا یا سزا صرف دنیا تک ہی محدود نہیں ہوتی بلکہ آخرت میں بھی اس کا حساب دینا پڑے گا۔ ایسے امر کو "امر مولوی" اور ایسی نہی کو "نہی مولوی" کہا جاتا ہے۔

۲۔ ترک اولیٰ وہ انسانی فعل جس کا نہ کرنا کرنے سے بہتر ہو جیسا کہ ہم نبیوں کے افعال کے متعلق قرآن کریم سے اس کے دو موارد پیش کریں گے۔

۳۔ معصیت عصی امرہ یعصیہ عصیانا ومعصیۃ وہ اس کی طاعت سے نکل گیا اور اس نے اس کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ اس سے اسم فاعل عاصی اور عصیّ آتا ہے۔

کلام میں یہ لفظ (امر) بھی معصیت کے مشتقات کے بعد آتا ہے۔ مثلاً

(۱) حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھی (حضرت خضر) سے کہا ستجدنی ان شاء اللہ صابرا ولا اعصی لک امرا ○ خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ (سورۂ کہف، آیت ۶۹)

(۲) دوزخ پر مقرر فرشتوں کی فرمانبرداری کے متعلق قرآن کہتا ہے علیہا ملائکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون ○ دوزخ پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں خدا ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔ (سورۂ تحریم آیت ۶)

جب مفہوم واضح ہو تو لفظ امر بیان نہیں کیا جاتا مثلاً

وعصی آدم ربہ فغوی اور بعض اوقات عصی فعل کا مفعول بیان نہیں کیا جاتا مثلاً فکذب وعصی اس (فرعون) نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ (سورۂ نازعات آیت ۲۱)

۴۔ الذنب ذنب ہر عمل کے اس نتیجے کو کہا جاتا ہے جو مستقبل میں ظاہر ہو اور یہ نتیجہ کبھی دنیاوی زندگی تک محدود ہوتا ہے۔ اور انسان کا واسطہ ایسے فرد یا ایسی جماعت سے پڑتا ہے جو اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ کے واقعے میں بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے انہیں قوم فرعون کی طرف مبعوث کیا تو انہوں نے خدا

سے درخواست کی وَاِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا یَتَّقُوْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ○ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ○ وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ○ قَالَ کَلَّا فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَکُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ○ جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ اس ظالم قوم کے پاس جاؤ (یعنی) قوم فرعون کے پاس۔ کیا یہ ڈرتے نہیں۔ انہوں نے کہا پروردگارا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے جھٹلا نہ دیں۔ میرا دل تنگ ہو رہا ہے اور میری زبان رکتی ہے۔ تو ہارون کو حکم بھیج (کہ میرے ساتھ چلیں) ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ بھی ہے۔ سو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ مجھے مار ہی نہ ڈالیں۔ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں تم دونوں ہماری نشانیاں لیکر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ (سورۂ شعراء آیت ۱۰تا۱۵)

آیئے دیکھیں کہ حضرت موسیٰ نے قوم فرعون کا کون سا گناہ کیا تھا جس کے متعلق ان کو ڈر تھا کہ قبطی انہیں اس کی پاداش میں مار ڈالیں گے۔ خدا نے اس واقعے کی تفصیل یوں بیان کی ہے وَدَخَلَ الْمَدِیْنَةَ عَلٰی حِیْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِیْهَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَکَزَهٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْهِ ۔۔ وہ (موسیٰ) ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ گہری نیند سو رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں دو آدمی لڑ رہے تھے۔ ایک تو موسیٰ کی قوم کا تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے۔ تو جو آدمی ان کی قوم کا تھا اس نے دوسرے آدمی کے مقابلے میں جو دشمنوں میں سے تھا مدد کے لیے پکارا۔ تو موسیٰ نے اس کو مکا مارا اور اس کا کام تمام کردیا۔" کہا کہ یہ کام تو (اغوائے) شیطان سے ہوا اور یقیناً شیطان (انسان کا) دشمن اور صریح گمراہ کرنے والا ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ پروردگار میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ پس تو مجھے بخش دے تو خدا نے ان کو بخش دیا۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار تو نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں (آئندہ) کبھی مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا۔ الغرض صبح کے وقت موسیٰ شہر میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے) تو ناگہاں وہی آدمی جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی پھر ان کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ یقیناً تو صریح گمراہی میں ہے۔ جب موسیٰ نے چاہا کہ اس آدمی کو جو ان دونوں کا دشمن تھا پکڑ لیں تو وہ (موسیٰ کی قوم کا آدمی) بول اٹھا کہ اے موسیٰ جس طرح تم نے کل اس آدمی کو مار ڈالا تھا اسی طرح چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو۔ تم تو یہی چاہتے ہو کہ ملک میں تشدد کرتے پھرو اور تم صلاح کرنا نہیں چاہتے۔ اور ادھر ایک شخص شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا کہ اے موسیٰ شہر کے رؤسا تمہارے قتل کی سازش کر رہے ہیں لہذا تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ موسیٰ شہر سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے اور) دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے بچائے۔ (سورۂ قصص آیت ۱۵تا۲۱)

حضرت موسیٰ نے فرعون کے خاندان کے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا اور اس کے بدلے میں قوم فرعون سے

اس کے قتل کی سازش کی تھی۔ حضرت موسیٰ کے اس فعل کا عوض اسی دنیا تک محدود تھا۔

اوامر مولویہ اور نواہی مولویہ کی خلاف ورزی کا خمیازہ آخرت میں بھگتنا پڑتا ہے۔
اکثر گناہوں کا خمیازہ دنیا اور آخرت دونوں میں بھگتنا پڑتا ہے۔

لغوی تشریح

۱۔ ذاالأید آد، یئید، أیدًا مضبوط اور طاقتور ہوا۔ ذاالأید طاقت ور۔
۲۔ اوّاب اَوْب تاوبًا اس نے رجوع کیا۔ اوّاب بروزن توّاب معصیت چھوڑ کر اور اطاعت اختیار کر کے خدا کی طرف رجوع کرنے والا۔
۳۔ تشطط شطط فیصلہ میں ظلم کرنا۔ ناانصافی کرنا۔
۴۔ اکفلنیہا کفلہ کفلًا و کفالۃ کفالت کرنا اور چرانا۔ اکفلنیہا یعنی وہ بھیڑ میرے حوالے کر دے تاکہ میں اسے چراؤں۔
۵۔ عزّنی فی الخطاب گفتگو میں وہ مجھ پر غالب آیا۔ عزّہ عزًّا اس پر غالب آیا۔
۶۔ الخلطاء اس کی واحد خلیط ہے یعنی دوست، ہمسایہ اور شریک۔
۷۔ ظنّ کسی علامت کو دیکھ کر کسی چیز کا گمان کرنا۔ کبھی ظن یقین کے درجے پر بھی پہنچ جاتا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے وظنّ داؤد انّما فتنّاہ یعنی داؤد کو یقین ہو گیا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے۔ کبھی ظن مرتبہ گمان سے بھی نیچے وہم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حضرت یونسؑ کے متعلق آیا ہے فظنّ ان لن نقدر علیہ یعنی ان کو وہم (شبہ) ہوا کہ ہم ان پر رزق تنگ نہیں کریں گے۔
۸۔ فتنّاہ فتنۃ امتحان۔ آزمائش
۹۔ خرّ بلندی سے نیچے گرا۔ خرّ راکعًا رکوع کے لئے جھکا۔
۱۰۔ أناب، ناب الی الشیء نوبًا و نوبۃ ایک کے بعد دوبارہ اس نے کسی چیز کی طرف رجوع کیا۔ أناب العبد الی اللہ بندے نے خدا کی طرف رجوع کیا اور تمام مشکلات میں خدا پر بھروسا کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کو منیب کہا گیا ہے کیونکہ وہ تمام امور میں خدا کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔
۱۱۔ فغفرنا ولیغفر غفرہ مغفرۃ غفرًا و غفرانًا اس نے اس پر پردہ ڈالا اور اسے چھپا دیا۔ اس سے اسم فاعل غافر اور غفور آتا ہے۔ اور بطور مبالغہ غفّار بھی آتا ہے۔ جس چیز پر آپ پردہ ڈالتے اور اسے چھپاتے ہیں اس کے لئے عربی زبان میں غفرتہ آتا ہے یعنی آپ نے اس پر پردہ ڈالا اور چھپا دیا۔ جنگ میں استعمال ہونے والی خود کو مغفر اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ سر اور گردن کو چھپا دیتی ہے۔ غفر اللہ ذنوبہ کا مطلب ہے خدا نے اس کے گناہ چھپا دیئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ

گناہ کی وجہ سے جو دنیا و آخرت میں اثرات مرتب ہونے تھے خدا نے وہ تمام اثرات مٹا دیئے۔

۱۲۔ لزُلفی زلف الیہ زُلفًا و زُلفی وازدلف اس کے قریب ہوا۔ زُلفۃ یعنی قریب ہونا۔

۱۳۔ مآب آب یؤوب اوبًا و ایابًا ومآبًا یعنی لوٹ آیا۔ لفظ مآب لوٹنے کے اسم زمان ومکان سے سے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے رسالت مآب۔ عزت مآب۔ غفران مآب۔

۱۴۔ خلیفۃ اس لفظ کی تشریح گزر چکی ہے۔ ہمارے سابقہ بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفۃ اللہ فی الارض سے مطلق نوع انسان مراد نہیں ہے بلکہ لوگوں کی رہنمائی اور ان کے مابین فیصلوں کے لئے خدا کی طرف سے مقرر کردہ پیشوا مراد ہیں جیسا کہ حضرت داؤدؑ کے سلسلے میں آیا ہے یا داؤدُ انا جعلناک خلیفۃً فی الأرضِ فاحکُم بَینَ الناسِ بالحق

۱۵۔ الخیرۃ خار الشیء علی غیرہ خیرۃ وخیرۃ وخیرًا ایک چیز کو دوسری چیز سے افضل قرار دینا۔

۱۶۔ وطرًا وطرٌ وہ ضرورت جس کے لئے انسان کو اہتمام کرنا پڑے۔ جب اس کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے تو کہا جاتا ہے قضی وطرہٗ

۱۷۔ ادعیاؤھم الادعیاء اس کی واحد الدعیّ ہے یعنی وہ شخص جو کسی کی طرف منسوب ہو لیکن اس کے نطفے سے نہ ہو۔ لے پالک اس کا واضح ترین مصداق ہے۔

۱۸۔ سُنّۃ اللہ وہ نظام جو خدا نے اپنی مخلوق کے لئے مقرر کیا ہے۔ سُنّۃ اللہِ فی الذین خلوا یعنی خدا کے وہ احکام اور شریعت جو خاتم الانبیاءؐ سے پہلے دوسرے انبیاء پر نازل ہوئے۔

۱۹۔ قدرًا مقدورًا قدر اللہُ الأمرَ بمقدرۃ یعنی خدا نے اس امر کی تدبیر کی اور اس کو نافذ کرنے کا ارادہ کیا۔ قدر اللہُ الرِّزقَ یعنی خدا نے رزق تنگ کردیا۔

۲۰۔ جُذاذا جذّ الشیءَ جذًّا اس نے چیز کو قطع کیا۔ جذّہٗ یعنی اس نے کسی چیز کو کاٹا یا توڑا۔ جُذاذ یعنی کٹی ہوئی یا ٹوٹی ہوئی چیز۔

۲۱۔ فتی نوجوان۔ بھرپور جوان جو عالم شباب میں قدم رکھے۔ (جیسے لا فتی الا علیؑ یعنی نہیں کوئی جوان مگر علیؑ) غلام اور کنیز کو بھی شفقت سے فتی کہا جاتا ہے۔

۲۲۔ نکسوا نکس راسہٗ ونکس علی راسہٖ عاجزی اور فروتنی سے سر جھکالیا۔

۲۳۔ السقایۃ آبخورا۔ پانی کا کوزہ یا غلہ ناپنے کا پیمانہ

۲۴۔ العیر۔ لوگوں کا وہ گروہ جس کے پاس لدا ہوا سامان موجود ہو۔ گدھوں اور اونٹوں کے قافلے کے لئے بھی کبھی ایک لفظ "عیر" بولا جاتا ہے۔

۲۵۔ صُواع یہاں اس لفظ سے بادشاہ کا مرصع آبخورا مراد ہے۔

۲۶۔ زعیم زعم یزعم زعماً و زعامۃً ضامن اور کفیل بنا۔ اس سے اسم فاعل "زعیم" ہے۔

تاویل آیات

ہم بعض آیات کی تاویل کی ابتدا لغوی معنی سے کریں گے۔ پھر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی احادیث کی روشنی میں ان کی تاویل پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی جب مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا کہ کیا ہمارے بتوں کا یہ حشر تم نے کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا تھا: بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ○

حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول جھوٹ نہیں بلکہ توریہ تھا کیونکہ آپ نے شرط عائد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "اگر یہ بول سکتے ہیں تو ان ہی سے پوچھ دیکھو۔"

چونکہ ان کے سارے بت بول نہیں سکتے تھے اس لئے یہ کارروائی بڑے بت کی نہیں تھی۔

اس انداز تکلم سے حضرت ابراہیمؑ نے مشرکین کو غفلت سے جگانے کی کوشش کی اور آپ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ کیونکہ بت پرست شرمندہ ہو کر کہنے لگے "تم جانتے ہو کہ یہ بول نہیں سکتے۔"

۲۔ حضرت یوسفؑ کی بھائیوں سے گفتگو حضرت یوسفؑ کے چوب داروں نے ان کے حکم سے یہ منادی کی تھی کہ "اے قافلے والو! تم چور ہو۔" حضرت یوسفؑ کا یہ حکم جھوٹ پر مبنی نہیں تھا۔ حضرت کے حکم کا مقصد یہ تھا کہ انہوں نے یوسفؑ کو اس کے باپ سے چرا لیا تھا۔ جہاں تک مرصع آبخورے کی بات ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے انبار خانہ کے منشی نے نَفْقِدُ (گم ہو گیا ہے) کہا تھا۔ جھوٹ تو تب ہوتا جب وہ سرق (چوری ہو گیا ہے) کہتا۔ یہ کلام بھی توریہ پر مبنی تھا جیسا کہ ہمارے بیان سے واضح ہو چکا ہے۔

۳۔ ذنب رسول اکرمؐ کا مفہوم خدا نے اپنے رسولؐ سے فرمایا: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ○ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا ○ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ (سورۂ فتح آیت ۱-۴)

لغوی تشریح

۱۔ فتحنا اس آیت میں فتح سے مراد "صلح حدیبیہ" ہے۔ خدا نے اس معاہدے کو فتح سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں قریش کی قوت پاش پاش ہو گئی اور اس معاہدے کی وجہ سے ہی آنحضرت

☆ فتح کا لغوی اطلاق دراصل مشکلوں، دشمنوں اور رکاوٹوں کے دور ہو جانے پر ہوتا ہے جیسے کہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے الفتح ازالۃ الاغلاق و الاشکال۔ دشمنوں کے دور ہونے اور مشکلوں کے چھٹ جانے میں کھل جانے کا مفہوم پنہاں ہے۔

حدیبیہ اس مقام سے جسے آج کل شمیسی کہتے ہیں۔ جدہ کی طرف سے مکہ مکرمہ جائیں تو یہیں حد حرم پر واقع ہے۔ اب اس کا صرف نام بدل گیا ہے۔ مکہ مکرمہ سے اس کا فاصلہ بائیس تئیس کلومیٹر ہے۔

کے خلاف چڑھائی کرنے سے باز آ گئے اور پھر تھوڑے ہی عرصے بعد مکہ فتح ہو گیا۔

۲۔ یَغْفِرَ: غَفَرَ چھپا دینا۔

۳۔ ذنب: راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ ذنب یعنی کسی چیز کی دم پکڑنا۔ مثلاً اَذْنَبْتُهُ کے معنی ہیں میں نے اس کی دم پکڑی۔ یہ لفظ ہر ایسے فعل کے لئے بولا جاتا ہے جس کا انجام بخیر نہ ہو۔ کسی چیز کی دم پکڑنے کے عمل کو مدنظر رکھ کر گناہ کو بھی ذنب کہا جاتا ہے۔ ذنب کی جمع ذُنُوب ہے۔

آیات کی لغوی تاویل

صلح حدیبیہ کی شرائط بہت سے مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں تھیں۔ بقول واقدی حضرت عمرؓ نے جوش کے عالم میں رسول اکرمؐ سے پوچھا یا رسول اللہؐ! کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: کیوں نہیں۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا پھر آپ ذلت آمیز شرائط کیوں تسلیم کر رہے ہیں؟۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کی خلاف ورزی ہرگز نہیں کروں گا اور وہ بھی مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔

اس کے باوجود حضرت عمرؓ رسول اکرمؐ کے ساتھ جسارت آمیز گفتگو کرتے رہے۔ پھر انہوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ سے ملاقات کی اور ان سے بھی اس سلسلے میں بات کی مگر ان دونوں نے اُن سے اتفاق نہیں کیا۔ اس واقعے کے بعد حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ اس دن میرے دل میں رسالت کے بارے میں شک پیدا ہوا تھا اور میں نے رسول اکرمؐ سے ایسے تلخ سوالات کئے تھے جیسے بعد میں کبھی نہیں کئے۔[1] صلح حدیبیہ کے بعد خدا نے سورۂ فتح نازل فرمائی جس میں رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کو یہ بتایا گیا تھا کہ یہ "صلح" درحقیقت رسول اکرمؐ اور مسلمانوں کی "فتح" ہے۔

مشرکین مکہ کی نظر میں رسول اکرمؐ نے — تیرہ برس تک "مکہ میں" "توحید کی دعوت دے کر اور ان کے معبودوں کا انکار کر کے — جرم اور گناہ کیا تھا۔ "ہجرت" کے بعد جنگ بدر کے مقتولین کا قتل اہل مکہ کی نظر میں رسول اکرمؐ کا ایک اور سنگین گناہ تھا۔

سورۂ فتح کی ابتدائی آیت بتاتی ہے کہ خدا نے اس صلح کے ذریعے اپنے حبیبؐ کے وہ تمام اگلے پچھلے گناہ ڈھانپ دیئے ہیں — جو مشرکین مکہ کی نظر میں آپ کے گناہ تھے یعنی تبلیغ اور جہاد — کیونکہ اب وہ لوگ

1۔ مغازی واقدی ج ۱، صفحہ ۲۰۶ و ۲۰۷۔ اس مفہوم سے ملتی جلتی روایت صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ فتح، باب قولہ اذ یبایعونک تحت الشجرۃ، ج ۳، ص ۲۷ میں بھی ہے۔

ان باتوں کا تذکرہ کرنا نہ چھوڑیں گے جن کو وہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ سمجھتے تھے۔ اس صلح کی وجہ سے ان باتوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ آیت میں رسول اکرمؐ کے ذمے کسی حقیقی گناہ کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس تبلیغ و جہاد کا تذکرہ ہے جسے مشرکین مکہ گناہ سمجھتے تھے۔ اور ایسے ہی جیسے حضرت موسیٰؑ نے اپنے متعلق کہا تھا ولھم علی ذنب فاخاف ان یقتلون یعنی میں ان کی نظر میں مجرم ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے مار ہی نہ ڈالیں۔

جس طرح سے حضرت موسیٰؑ کا قتل قبطیوں کی نظر میں ان کا گناہ تھا اسی طرح سے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی دعوت اسلام کفار اہل مکہ کی نظر میں گناہ تھی۔

معنوی تاویل کی اتنی ہی بحث کافی ہے۔ اب ہم وارثان قرآن کی زبان مبارک سے ادا شدہ تاویل نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

تاویل آیات بزبان وارثان قرآن

شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مامون رشید نے امام علی رضاؑ سے مباحثہ کے لیے مسلمان، یہودی، عیسائی، مجوسی اور ستارہ پرست علماء کو اپنے دربار میں مدعو کیا۔ مسلمانوں میں سے علی بن جہم کو بلایا گیا تھا۔ وہ حرف آشنا امام علی رضاؑ سے جو تاویل قرآن سے آشنا تھے عصمت انبیاء کے موضوع پر مباحثہ کا آغاز کرتے ہوئے بولا

فرزند رسولؐ! عصمت انبیاء کے متعلق آپ کا کیا عقیدہ ہے؟

امام علی رضاؑ نے فرمایا: ہم انبیاء علیہم السلام کو معصوم مانتے ہیں۔

علی بن جہم نے کہا، پھر ان آیات کا کیا مطلب ہے؟

(۱) وعصی آدم ربہ فغوی

(۲) وذا النون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ

(۳) ولقد ھمت بہ وھم بھا

(۴) وظن داؤد انما فتناہ

(۵) وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ

وارث قرآن امام علی رضاؑ نے "قاری قرآن" علی بن جہم سے فرمایا تف ہے تم پر تم کو زیبا نہیں کہ انبیاء سے غلط باتیں منسوب کرو۔ خدا سے ڈرو اور اپنی رائے سے قرآن کی تاویل نہ کرو کیونکہ خدا نے کہا ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم۔ (سورہ آل عمران آیت ۷)

(۱) وعصی آدم ربہ فغوی کی حقیقت یہ ہے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو زمین پر اپنی حجت اور

خلیفہ بنایا تھا۔ انہیں جنت میں رہنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ اور یہ کہ ان سے جو معصیت ہوئی وہ جنت میں ہوئی تاکہ مقدرات الٰہی کی تکمیل ہو سکے۔ جب وہ زمین پر خدا کے خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کوئی معصیت نہیں کی۔ چنانچہ خدا نے ان کو منتخب فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ (سورۂ آل عمران آیت ۳۳)

(۲) وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت یونسؑ نے یہ خیال کیا کہ خدا ان پر رزق تنگ نہیں کرے گا۔ کیا تم نے خدائے عزوجل کا یہ ارشاد نہیں سنا وَاَمَّا اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ جب خدا انسان کو آزماتا ہے تو اس پر رزق تنگ کر دیتا ہے۔ (سورۂ فجر آیت ۱۶) اگر حضرت یونسؑ یہ خیال کرتے کہ خدا ان پر قابو حاصل نہیں کر سکتا تو وہ نبی کی بجائے کافر ہو جاتے۔

(۳) لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا کی حقیقت یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کیا تھا اور حضرت یوسفؑ نے بھی یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اگر زلیخا نے ان کو مجبور کیا تو وہ اسے قتل کر دیں گے۔ خدا نے ان پر احسان کیا اور ان کو قتل اور بدکاری دونوں سے بچا لیا۔ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ یعنی ہم نے اپنی تدبیر سے ان کے لئے برائی کا رخ موڑ دیا۔ اس آیت میں السُّوْٓءَ سے مراد قتل اور وَالْفَحْشَآءَ سے مراد زنا ہے۔

پھر امام علی رضاؑ نے علی بن جہم سے پوچھا کہ حضرت داؤدؑ کے متعلق تم لوگ کیا کہتے ہو؟

علی بن جہم بولا کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت داؤدؑ محراب میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابلیس ایک خوبصورت پرندے کی شکل میں نمودار ہوا۔ حضرت داؤدؑ نے نماز توڑ دی اور اسے پکڑنے بھاگے۔ وہ پرندہ ایک طرف کو اڑ گیا۔ آپ بھی اس کے پیچھے پیچھے گئے۔ وہ اڑ کر چھت پر جا بیٹھا۔ آپ اس کو پکڑنے کے لئے چھت پر چڑھے۔ پھر وہ چھت سے اڑ کر اوریا کے گھر کے صحن میں جا بیٹھا۔ حضرت داؤدؑ نے جو ادھر دیکھا تو دیکھا کہ اوریا کی بیوی نہا رہی ہے۔ اس عورت کو دیکھ کر آپ دل ہار بیٹھے۔ اس وقت اوریا محاذ جنگ پر گیا ہوا تھا۔ حضرت داؤدؑ نے سالار لشکر کو لکھا کہ اوریا کو لشکر سے آگے آگے رکھو۔ سالار لشکر نے حکم کی تعمیل کی مگر اوریا کو اس جہاد میں فتح اور مشرکین کو شکست ہوئی۔ یہ بات حضرت داؤدؑ کو گراں گزری۔ انہوں نے سالار لشکر کو دوبارہ لکھا کہ تم اوریا کو تابوت سے آگے رکھو۔ اب کی بار اوریا قتل ہو گیا۔ اوریا کے قتل کے بعد حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔

علی بن جہم کا یہ جواب سن کر امام علی رضاؑ نے اپنا ہاتھ ماتھے پر مارا اور فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پھر آپ نے فرمایا تم نے کہا کہ حضرت داؤدؑ نماز چھوڑ کر ایک پرندے کو پکڑنے کے لئے بھاگے۔ تم نے اس سے تو خدا کے نبی کی نماز کی توہین کی ہے۔ پھر تم نے خدا کے نبی پر یہ الزام لگایا کہ وہ دوسرے کی بیوی پر دل دے بیٹھے۔ پھر تم نے خدا کے نبی پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے ایک مومن کے قتل کی سازش کی۔

علی بن جہم نے کہا فرزند رسولؐ! پھر آپ بتائیں کہ حضرت داؤدؑ نے کون سی خطا کی تھی؟

امام علی رضاؑ نے فرمایا کہ حضرت داؤدؑ کو یہ گمان گزرا کہ وہ خلق میں سب سے بڑے عالم ہیں چنانچہ خدا نے ان کے پاس دو فرشتوں کو انسانی صورت میں بھیجا جو دیوار پھاند کر ان کی محراب میں آ گئے۔ ان میں سے ایک نے آپ کے سامنے استغاثہ پیش کیا کہ **خصمان بغی بعضنا علی بعض فاحکم بیننا بالحق** جیسے ہی مدعی کا بیان تمام ہوا حضرت داؤدؑ نے فریق ثانی کا موقف سنے بغیر فوراً یہ فیصلہ سنا دیا **لقد ظلمک بسؤال نعجتک الی نعاجہ** اس نے تمہاری دنبی مانگ کر تم پر ظلم کیا ہے۔

عدالت کا یہ طریقہ درست نہیں تھا۔ درست طریقہ یہ تھا کہ آپ مدعی سے گواہ طلب کرتے اور فریق ثانی کا موقف بھی سنتے۔ بس یہ بات تھی۔ تم نے حضرت داؤدؑ سے جو افسانہ منسوب کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے پھر اس قصے کے بیان کے آخر میں تمہیں یہ آیت دکھائی نہیں دیتی **یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق** اے داؤدؑ! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ آپ لوگوں کے مابین انصاف سے فیصلہ کیا کریں۔

علی ابن جہم نے کہا فرزند رسولؐ! پھر اوریا کی بیوہ کا کیا قصہ ہے؟

امام علی رضاؑ نے فرمایا حضرت داؤدؑ کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ جس عورت کا شوہر مر جاتا یا قتل ہو جاتا تو اس کی بیوہ عقد ثانی نہیں کرتی تھی۔ اوریا کی موت کے بعد خدا نے بیوگان سے نکاح کی ترغیب دینے کے لئے حضرت داؤدؑ کو حکم دیا کہ وہ اس دستور کا خاتمہ کریں اور اوریا کی بیوہ سے نکاح کریں۔ چنانچہ اس سماج سے حضرت داؤدؑ نے اس دستور کو ختم کرنے کے لئے اوریا کی بیوہ سے نکاح کیا۔ حضرت داؤدؑ کا یہ عمل لوگوں کو ناگوار گزرا۔ الحدیث[1]

حضرت داؤدؑ کے متعلق اس افسانے کے ضمن میں حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں اگر میرے پاس ایسا شخص لایا جائے جو یہ کہتا ہو کہ حضرت داؤدؑ نے اوریا کی بیوی سے نکاح کیا تھا تو میں اس پر دو حدیں جاری کروں گا۔ ایک عصمت نبوت کو پامال کرنے کی حد اور دوسری قذف کی حد۔[2]

حضرت امیر المومنینؑ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ جس نے حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریا کی بیوی کا افسانہ بیان کیا جیسے کہ قصہ گو بیان کرتے ہیں تو میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا۔

ایک اور روایت میں حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں یہ انبیائے کرام پر بہتان تراشی کی سزا ہے۔[3]

امام جعفر صادقؑ سے بھی پہلی روایت جیسی ایک روایت منقول ہے۔

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۷۳۔ بحوالہ امالی، شیخ صدوق ص ۵۵ جدید ایڈیشن، ص ۹۰۔ عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۱۹۳
۲۔ تفسیر مجمع البیان۔ تفسیر نور الثقلین۔ تنزیہ الانبیاء از سید مرتضیٰ علم الہدیٰ، ص ۹۲۔
۳۔ تفسیر جامع، ج ۳، ص ۳۲۵۔ تفسیر مجمع البیان، ج ۲۳، ص ۱۹۲۔ تفسیر نور الثقلین، ج ۴، ص ۴۳۶۔

ایک روایت میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ حضرت داؤدؑ کے زمانے میں بیوہ عورتیں عقد ثانی نہیں کرتی تھیں۔ جب اوریا قتل ہوا اور اس کی بیوہ کی عدت پوری ہوئی تو حضرت داؤدؑ نے اس سے نکاح کیا۔ لوگوں کو ان کا یہ عمل ناگوار گزرا۔[1]

تفسیر قمی کی روایت کا جواب

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ تفسیر قمی جو شیعہ تفسیر ہے اس میں بھی یہ روایت موجود ہے کہ

"ایک مرتبہ حضرت داؤدؑ اپنی محراب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک پرندہ ان کے سامنے آیا۔ حضرت داؤدؑ کو وہ پرندہ بہت بھلا معلوم ہوا۔ آپ کو نماز یاد نہ رہی اور آپ اسے پکڑنے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ پرندہ اڑ کر حضرت داؤدؑ اور اوریا کی مشترکہ دیوار پر جا بیٹھا۔ حضرت داؤدؑ پرندے کو پکڑنے کے لئے دیوار پر گئے تو آپ کو دوسری طرف ایک عورت نظر آئی جو نہا رہی تھی۔ جب عورت نے حضرت داؤدؑ کا سایہ دیکھا تو اس نے اپنے بال کھول کر اپنا بدن ڈھانپنے کی کوشش کی۔ حضرت داؤدؑ اس کو دیکھتے ہی دل ہار گئے۔ پھر آپ اپنی محراب میں واپس آگئے۔ اس کا شوہر اوریا جہاد پر گیا ہوا تھا۔ حضرت داؤدؑ نے سالار لشکر کو لکھا کہ وہ فلاں جگہ جائیں اور اپنے اور دشمنوں کے درمیان تابوت رکھیں اور اوریا کو تابوت کے آگے رکھیں۔ چنانچہ سالار لشکر نے آپ کے حکم کی تعمیل میں اوریا کو تابوت کے آگے رکھا جس کے نتیجے میں اوریا قتل ہو گیا اور حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔"[2]

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اس روایت کے راوی نے مکتب خلفاء کی بیان کردہ متعدد روایات کو جمع کیا ہے۔ اس نے اپنے خیالات سے متاثر ہو کر کچھ باتوں کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔ پھر اس نے امام صادقؑ سے روایت نقل کی ہے۔ اور اب ہم یہاں سند روایت سے تعرض کئے بغیر متن روایت کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جب دو متعارض احادیث وارد ہوں تو اہلسنت کی روایات کو چھوڑ دو۔[3]

(۲) امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کے متعلق تراشی گئی روایت کا اہلبیت نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ راوی نے کہا حضرت داؤدؑ اور اوریا کی بیوی کے بارے میں لوگ جو کہتے ہیں اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا اہلسنت کے لوگ یہ بات کہتے ہیں۔[4]

۱۔ بحار الانوار، ج ۱۴ ص ۲۳۔ تفسیر در المنثور، ج ۵، ص ۳۰۶۔ بحوالہ عیون الاخبار

۲۔ بحار الانوار، ج ۳ ص ۲۰۔ بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی، ص ۵۶۲۔ کتاب الاسرائیلیات و اثرھا فی کتب التفسیر ص ۲۳۳ طبع بیروت پہلا ایڈیشن۔

۳۔ معالم المدرستین ج ۳ ص ۳۲۵، پانچواں ایڈیشن۔

۴۔ بحار الانوار، ج ۱۴ ص ۲۶۔

اس حدیث میں امام جعفر صادقؑ سے منسوب فرمایا ہے کہ مذکورہ قصے کا تعلق جمہور سے ہے یعنی مکتب خلفاء سے وابستہ افراد اس قصے کے راوی ہیں اور وہی اس پر اعتقاد بھی رکھتے ہیں۔

اس طرح کی روایات کا نام ہم نے روایات **منتقلہ** رکھا ہے یعنی ایسی روایات جو مکتب خلفاء سے منتقل ہو کر کتب اہلبیتؑ میں در آئی ہیں۔[1]

حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق مذکورہ افسانے کا جب ہم مکتب خلفاء کی کتب تاریخ و تفسیر سے مآخذ تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ اس روایت کے راویوں نے اس قصے کی نسبت رسول اکرمؐ کی طرف نہیں دی اور یہ نہیں کہا کہ رسول اکرمؐ نے ایسا فرمایا ہے۔

زیادہ سے زیادہ اس قصے کی صرف ایک روایت ایسی ملتی ہے جس میں اس واقعے کی نسبت رسول اکرمؐ کی طرف بیان کی گئی ہے۔ اس کے متعلق ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سیوطی نے اس روایت کو یزید رقاشی کی سند سے انس بن مالک اور رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے۔ یزید رقاشی کے متعلق ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

جہاں تک حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت زینبؓ کے نکاح کا مسئلہ ہے تو زیدؓ کے نکاح میں بھی مصلحت تھی۔ اور جب رسول اکرمؐ نے ان کی مطلقہ سے نکاح کیا تو اس میں بھی مصلحت تھی۔

رسول اکرمؐ نے حضرت زینب بنت جحشؓ سے حضرت زیدؓ کا نکاح اس لئے کیا تھا کہ قریش اپنے آپ کو حسب نسب میں دوسروں سے برتر سمجھتے تھے۔ حضرت رسول اکرمؐ نے حضرت زیدؓ کا حضرت زینبؓ سے نکاح کرا کے یہ سبق دیا کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ حسب نسب کی وجہ سے کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں ہے۔ اور جب حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دی تو رسول اکرمؐ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر کے متبنّیٰ گیری کی قدیم رسم کو ختم کر دیا اور آپ کی ذات بابرکات سے یہ اصلاح شروع ہوئی۔

اگر حضرت داؤدؑ اوریا کی بیوہ "بت سبع" سے عقد کر کے رسم جاہلیت کو اسلامی قانون سے نہ بدلتے تو بنی اسرائیل کی بیوہ عورتیں ہمیشہ عقد ثانی سے محروم رہتیں۔ اسی طرح سے اگر رسول اکرمؐ حضرت زیدؓ کی مطلقہ سے عقد نہ کرتے اور متبنّیٰ گیری کی رسم کو ختم نہ کرتے تو قیامت تک یہ رسم جاری رہتی۔

الغرض دونوں انبیاءؑ نے اپنے اپنے کردار سے جاہلیت کے قانون کو ختم کیا اور اس کی جگہ اسلامی قانون متعارف کرایا۔ رسول اکرمؐ نے دور جاہلیت میں جاری سود کے قانون کو ختم کیا اور دور جاہلیت میں بہنے والے خون کا انتقام لینے کے قانون کو ختم کیا اور اسلامی قانون جاری کیا۔ حجۃ الوداع کے دن رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا:

"میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلبؓ کے سود کو ختم کرتا ہوں۔" "نیز" "میں اپنے چچا زاد ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون معاف کرتا ہوں۔"[2]

۱۔ ... الفروع ... کتاب الروضہ ... جلد ...

۲۔ سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۲۷۵، طبع مصر ۱۳۵۶ھ ... خطبہ حجۃ الوداع۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی اوریا کی بیوہ سے شادی اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب زید بن حارثہؓ کی مطلقہ سے شادی کی اصل حقیقت یہی تھی جو ہم نے بیان کی ہے لیکن ہم بہت افسوس کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اسرائیلی روایات مختلف ذرائع سے اسلامی مصادر میں شامل ہو چکی ہیں جس کی وجہ سے حق کا چہرہ دھندلا گیا ہے اور تحقیق کرنے والوں کے لئے حق و صداقت تک رسائی مشکل ہو گئی ہے۔ مذکورہ روایات کی وجہ سے حق کو باطل اور باطل کو حق بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی۔ انبیاء کے خلاف ردی داری پر مبنی روایات پھیلانے میں اموی حکمرانوں مثلاً یزید بن معاویہ [1] اور مروانی حکمرانوں کا بڑا ہاتھ ہے۔ وہ انتہائی عیاش لوگ تھے۔ انہوں نے اپنی عیاشی کو جواز فراہم کرنے کے لئے انبیائے کرام کی کردار کشی کی کوشش کی تاکہ کوئی مسلمان انہیں ٹوک نہ سکے اور اگر کسی مسلمان کو غیرت ملی سے یہ مجال ہو جائے تو ان مسلمانوں سے ذریعے اس کا منہ بند کر دیا جائے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

اقبال

☆ یعقوبی اور بعض دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ جس سال معاویہ نے یزید کو بلاد روم کی فتح کے لئے بھیجا تھا مسلمانوں نے "غذقذونہ" پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ وہاں عیسائیوں کی ایک خانقاہ تھی جس کا نام "دیر مران" تھا۔ یزید اس خانقاہ میں اپنی ایک لونڈی کے ساتھ داد عیش دیتا تھا۔ اسی دوران میں چیچک کی وبا پھوٹ پڑی اور مسلمان لشکر کے سپاہی مکھیوں کی طرح مرنے لگے۔ ہر چند لوگوں نے اصرار کیا کہ یہاں سے جلد از جلد کوچ کرنا چاہیے لیکن یزید نے کسی کی بات پر کان نہیں دھرا بلکہ یہ شعر کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ جب تک ام کلثوم مصری آغوش میں ہے مجھے کسی کی پروا نہیں، وہ کچھ بھی ہو کرے مجھے کیا غم

یزید سے شراب کی تعریف میں بھی بیہودہ اشعار منقول ہیں۔ یزید کو عیاشی اور حوس گزرانی کے سوا کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ وہ اپنا بیشتر وقت عیسائیوں کی خانقاہوں میں گزارتا تھا جو اس زمانے میں پاپی کاموں کا مرکز سمجھی جاتی تھیں۔ لہو و لعب میں وہ اتنا مشہور تھا کہ خود معاویہ نے اس سے سرزنش کی تھی۔ القلقشندی نے صبح الاعشیٰ (جلد ۲ صفحہ ۳۸۶) میں نقل کیا ہے کہ جب معاویہ کو اطلاع ملی کہ یزید عیش و عشرت میں پڑا ہوا ہے تو معاویہ نے اسے لکھا

میرے کانوں تک جو تیرے متعلق خبروں کے مشتاق رہتے ہیں وہ صحیح طور پر ایسی خبریں پہنچی ہیں جو مجھے بہت سے صدمہ ہوا۔ ... تو نے معیوب روش اختیار کی ہے اور فضائل و مکارم کے حصول کی جگہ لہو و لعب میں مبتلا ہو گیا ہے۔ کاش تو جب جوان تھا تب ہی ...۔ اس خط سے یزید کی سیرت و کردار پر صاف طور سے روشنی پڑتی ہے۔

نبیوں اور ان کی امتوں کے معرکے

آسمانی شریعتوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں آنے والے حکمرانوں، امراء اور رؤسا نے الوہیت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا بلکہ ان کا دعویٰ ربوبیت تھی۔

جیسا کہ ہم نے مختلف اقوام کی تاریخ میں دیکھا یہ مانتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام موجودات کا خالق ہے یہاں تک کہ وہ خالق کائنات کو کسی دوسرے نام سے پکارتے ہیں مثلاً یہودی خدا کو یہوواہ کہتے ہیں۔

اسی طرح قوم نوح اور مشرکین عرب بھی اللہ تعالیٰ کو ہی ارض و سما کا خالق کہتے تھے جیسا کہ قرآن ان کے متعلق بتاتا ہے ولئن سألتهم من خلق السموات والأرض ليقولن الله ○ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ (سورہ لقمان آیت ۲۵) ولئن سألتهم من خلق السموات والأرض ليقولن خلقهن العزيز العليم ○ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ انہیں غالب اور علیم نے پیدا کیا ہے۔ (سورہ زخرف آیت ۹) ولئن سألتهم من خلقهم ليقولن الله فأنى يؤفكون ○ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔ تو پھر یہ کہاں بہکے جا رہے ہیں؟ (سورہ زخرف آیت ۸۷)

ہم اپنی بحث کا آغاز حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے معرکے سے کرتے ہیں کیونکہ اس معرکے سے مختلف مطالب واضح ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا معرکہ

قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر حضرت موسیٰ اور ان کے دور کے طاغوت فرعون کا ذکر آیا ہے۔ ایک جگہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب موسیٰ نے دربار میں پہنچ کر فرعون کو دعوت دی اور اس سے بات چیت کی اور اپنے معجزات بھی دکھائے تو فرعون نے منادی کرا کے مصر کا جلسہ بلایا اور ان سے کہا انا ربكم الأعلى میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ (سورہ نازعات آیت ۲۴)

فرعون کا مقصد یہ تھا کہ مثلاً جب یہ موسیٰ کہتے ہیں کہ "رب" کی ضرورت ہے جو ان کا مالک ہو، جو پالے، غذا دے اور پانی پلائے تو یہ تمام خصوصیات اس (فرعون) میں بھی ہیں۔

أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے؟ اور (نیل کی) یہ نہریں جو میرے (حکم کے تحت) بہہ رہی ہیں میری نہیں ہیں۔ (سورۂ زخرف آیت ۵۱)

فرعون نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ ملک مصر کی تمام چیزیں اس کے کنٹرول میں تھیں۔ اسے پتہ تھا کہ لوگوں کا آب و دانہ اس کے کنٹرول میں ہے۔ وہ جب چاہے لوگوں کا پانی کاٹ دے اور روزی بند کر دے۔ چنانچہ لوگوں کی زندگی کے فیصلے کرنے کا حق اس کا ہے۔ لوگ اپنے مقدمے فیصل کرانے اسی طاغوت[1] کے پاس جاتے تھے۔ اس کے دماغ میں یہ خناس سما گیا تھا کہ وہ لوگوں کا "رب" ہے لہٰذا اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ دین یعنی قانون ہے چنانچہ لوگوں کو اس کا حکم ماننا چاہیے خواہ وہ یہ حکم دے کہ بنی اسرائیل قبطیوں کی خدمت کریں اور خواہ یہ حکم دے کہ بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔ کسی کو اس کے اس حکم کے آگے لب کشائی کا حق نہیں۔ فرعون نے کبھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ میں نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔[2] وہ یہی کہتا تھا کہ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ یعنی میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ میری مرضی کے بغیر پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ میرے حکم کے بغیر کوئی سانس نہیں لے سکتا۔ حکم میرا ہے۔ فیصلہ میرا ہے۔ اختیار میرا ہے۔ اس لئے میرے دین و قانون اور میرے نظام کو مانو۔[3]

اب دیکھیں اس کے دعویٰ ربوبیت کے مقابلے میں حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کیا پیغام لائے تھے۔ خدا نے ان دونوں بھائیوں سے خطاب کرتے ہوئے ان کی رسالت کا مقصد واضح کر دیا تھا۔
اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝ فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ۔ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔ یقیناً وہ سرکش ہو چکا ہے۔ تم جا کر اس سے کہو

☆ طاغوت کے معنی ہیں وہ جو سرکشی میں اپنی حد سے تجاوز کر جائے۔ مستبد اور ڈکٹیٹر کے الفاظ جو یونانی فلاسفر اور علمائے سیاست نے ایجاد کئے ہیں اور اب بھی استعمال ہوتے ہیں ان سے یہ لفظ زیادہ جامع ہے کیونکہ مستبد کے معنی ہیں خودسر حاکم، تو اس سے یہ مراد ہے کہ وہ خود اپنی مرضی سے لوگوں پر حکومت کرتا ہو اور اپنی ہی خواہشات کو پورا کرتا ہو۔ مگر طاغوت وہ خودسر اور سرکش ہے جو تمام معقول حدود سے تجاوز کر جائے اور سب کے حقوق پامال کرے۔ اس کی نفسانی اور شہوانی خواہشات اس قدر حد سے بڑھ جائیں کہ وہ تمام حدود کو توڑ دے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ طاغوت سے مراد بت ہے۔ یہ درست ہے کہ بت بھی طاغوت کا ایک مصداق ہے لیکن یہ معنی لغت کے لحاظ سے کچھ زیادہ صحیح نہیں۔ نہ عام طور پر یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سورۂ نساء کی ساٹھویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے: يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ یعنی یہ لوگ اپنے مقدمے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کو نہ مانیں۔ اگر طاغوت سے مراد بت ہو تو کوئی اپنا مقدمہ فیصلے کے لئے بت کے پاس نہیں لے جاتا۔ معلوم ہوا کہ اس سے مراد بت نہیں۔ (گفتار عاشورا، مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان کی آیت اللہ محمود طالقانی کی تقریر سے اقتباس)۔

☆ تفسیر المیزان (فارسی) ج ۸ ص ۲۶۷ پر علامہ طباطبائی "فرعون کا کیا مسلک تھا" کے زیر عنوان لکھتے ہیں: فرعون خدا کے وجود و صانع کا منکر تھا۔ وہ "ستاروں" کو اس جہان آب و گل کا مدبر مانتا تھا اور خود کو لوگوں کا مدبر اور مربی کہتا تھا۔

☆ آج کے سرمایہ دار ممالک جو چھوٹے ملکوں کو Subjugate کر رہے ہیں اور دنیا کا 80% سے زائد سرمایہ، بڑے ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مدد سے Capture کرنے کے لئے جو World Order نافذ کرنا چاہتے ہیں وہ فرعونیت کا ہی احیاء ہے۔

...اور کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے پیغامبر ہیں۔ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کر اور انہیں آزار نہ دے۔ ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی لے کر آئے ہیں (سورۂ طٰہٰ آیت ۴۳ و ۴۷)

اس آیت میں لفظ رب دو دفعہ آیا ہے گویا رب جلیل نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ سے یہ فرمایا اے موسیٰ و ہارونؑ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے جا کر یہ بتاؤ کہ جس رب نے تجھے پیدا کیا ہے اور جو تمام جہانوں کا رب ہے ہم اسی کے حکم سے تجھے یہ سمجھانے آئے ہیں کہ تو نے جو ربوبیت کا دعویٰ کر رکھا ہے وہ غلط ہے اور ہم اپنے دعویٰ کی صداقت کے لئے اپنے رب کی طرف سے نشانی بھی لائے ہیں۔

فرعون نے یہ نشانی دیکھیں۔ اس کے بعد اس نے حضرت موسیٰ سے مباحثہ کرتے ہوئے کہا کہ تم دونوں میری ربوبیت کو نہیں مانتے اور سمجھتے ہو کہ میرے سوا کوئی اور رب بھی ہے اور نظام حیات اسی کے زیر حکم چل رہا ہے تو مجھے بتاؤ تو سہی کہ وہ رب کون ہے؟ **فمن ربکما یا موسیٰ** ○ اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟ (سورۂ طٰہٰ آیت ۴۹)

اس پر حضرت موسیٰ نے فرمایا **ربنا الذی اعطی کل شیء خلقه ثم هدی** ○ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو مناسب صفت عطا کی ہے۔ پھر ہدایت بھی دی ہے۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۰) یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے چیزوں کو بنانے کے بعد یونہی نہیں چھوڑ بلکہ ان کی بقا اور ارتقا کی راہ بھی معین کر دی ہے۔ اسی فطری ہدایت کو خدا نے سورہ اعلیٰ میں **فسوّی** (تکوینی ہدایت کی استعداد) سے تعبیر فرمایا ہے۔ **والذی قدر** یعنی وہی خدا ہے جس نے زندگی کے پیمانے مقرر کئے ہیں۔ **"فهدی"** یعنی خدا نے ہر چیز کو اس کی فطرت اور حالات کے مطابق ہدایت دی ہے۔ اسی نے چاند سورج کو "تسخیری" ہدایت دی ہے چیونٹی اور ہاتھی کو "فطری" ہدایت دی ہے اور انسانوں کو نبیوں کے ذریعے "تشریعی" ہدایت سے بہرہ مند فرمایا ہے۔

جب حضرت موسیٰ نے اپنے رب کا جامع تعارف پیش کیا تو فرعون نے اپنا بھرم رکھنے کے لئے حضرت موسیٰ سے استدلال میں شبہ پیدا کرتے ہوئے کہا **فما بال القرون الاولی** ○ پھر ان لوگوں کا کیا ہوگا جو پہلے گزر چکے ہیں؟ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۱) دراصل فرعون کا اعتراض یہ ہے کہ اے موسیٰ اگر تمہاری بات سچی مان لی جائے کہ جو نبیوں کے ذریعے رب نے "قانون اور دین" نازل کرتا ہے تو تم تو اب رسول بن کے آئے ہو۔ تم سے پچھلی قوموں کا کیا ہوگا؟ ان کے پاس تمہارے رب کے کون سے رسول آئے تھے؟

قال علمها عند ربی فی کتب لا یضل ربی ولا ینسی ○ الذی جعل لکم الارض مهدا و سلک لکم فیها سبلا و انزل من السماء ماء فاخرجنا به ازواجا من نبات شتی ○ کلوا وارعوا انعامکم

حضرت موسیٰ نے کہا ان باتوں کا علم میرے رب کے پاس اس کی کتاب میں محفوظ ہے۔ وہ نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارا بنایا اور اس میں تمہارے لئے رستے بنائے۔ اور اسی نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس سے نوع بہ اقسام کے نباتات کے جوڑے نکالے کہ تم بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۲-۵۴)

آپ (علیہ السلام) نے اختتام پر حضرت موسیٰ نے فرعون کے اس دعوے کی "کیا مصر کی حکومت میری نہیں ہے اور یہ (نیل کی) نہریں جو میرے (محل کے) نیچے بہہ رہی ہیں میری نہیں ہیں۔" پر رد کر دی۔

آپ نے فرمایا: لوگو! فرعون کے دعوے سے دھوکا نہ کھاؤ۔ تمہارا رب وہی ہے۔ تمہارا رب وہ ہے جس نے زمین کا فرش بچھایا اور اسے تمہارے لیے گہوارہ بنایا اور اس میں چلنے کے لیے راستے مقرر کئے۔ چرند میں بشمول ملک مصر بلا شرکت غیرے اسی خداوند تعالیٰ کی ہے جو خود لاشریک ہے۔ فرعون کا دعویٰ بھی غلط ہے کہ مصر کے دریا اس کے حکم سے بہہ رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا آسمان سے بارش برساتا ہے جس کے پانی سے سب دریا بہتے ہیں۔ نیل بھی باقی دریاؤں کی طرح سے ایک دریا ہے۔ اگر بالفرض نیل فرعون کے دم قدم سے بہتا ہے تو باقی دریا کس کے حکم سے بہہ رہے ہیں؟ خدا ہی اس پانی کے ذریعے زمین سے نباتات اگاتا ہے جس سے انسان اور حیوان دونوں مستفید ہو رہے ہیں۔

الغرض حضرت موسیٰ نے تبلیغ کا حق ادا کیا اور فرعون کے سامنے آیات تکوینی اور اپنی نبوت کے ثبوت پیش کئے۔ ولقد اریناہ آیاتنا کلہا فکذب وابی ○ اور ہم نے فرعون کو اپنی تمام نشانیاں دکھائیں مگر اس نے تمام کو جھٹلایا اور انکار کیا۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۶)

پھر اس نے لوگوں کو دھوکا دینے اور اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دینے کے لیے کہا: اجئتنا لتخرجنا من ارضنا بسحرک یا موسیٰ ○ فلنأتینک بسحر مثلہ فاجعل بیننا وبینک موعدا لا نخلفہ نحن ولا انت مکانا سوی ○ (اے موسیٰ!) کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو۔ ہم بھی تمہارے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے۔ پس ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو کہ نہ تو ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم۔ اور (یہ مقابلہ) کھلے میدان میں ہو۔
(سورۂ طٰہٰ آیت ۵۷، ۵۸)

فرعون نے اس طرح حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو یہ پیغام دیا کہ تم لوگ یہاں ہمارے بعد آ کر آباد ہوئے ہو اور ہم قدیم سے رہتے ہیں۔ یہ سرزمین صدیوں سے ہماری اور ہمارے بزرگوں کی جاگیر ہے۔ اب تم ہمیں ہماری آبائی سرزمین سے بے دخل کر کے اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہو۔ فرعون نے جہاں ان الفاظ سے بنی اسرائیل اور ان کی ہجرت کا طعنہ دیا وہاں اس نے عام دین قوم کے جذبات کو بھی حضرت موسیٰ کے خلاف ابھارنے کی کوشش کی۔ پھر اس نے عصا اور ید بیضا جیسے معجزات کے متعلق کہا کہ ہم ان سے ذرہ برابر بھی متاثر نہیں ہیں کیونکہ یہ سب جادو ہے اور ہم اس کا توڑ جادو سے پیش کر کے تمہیں لاجواب کر دیں گے۔

اس زمانے میں جادو عام تھا اور فرعون کو ماننے والے بہت سے لوگ جادو جانتے تھے۔ جادو ظاہر داری اور نظر بندی کا سبب ہوتا ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جس طرح خدا نے حضرت ابراہیم کے لیے آگ کو گلزار بنا دیا تھا اسی طرح اس نے حضرت موسیٰ کو بھی معجزے عطا کئے تھے لیکن لوگوں کی اکثریت حق و باطل اور وہم و حقیقت کا فرق سمجھ نہیں پائی۔

فرعون لوگوں کے اس حرج کو سمجھتا تھا اس لئے اس نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ تم مقابلے کے لئے ایک دن مقرر کرلو تاکہ اہل شہر جادوگروں کے شعبدوں اور تمہارے معجزے کو دیکھ کر خود فیصلہ کریں کہ تمہارے معجزے کی کیا حقیقت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ مقابلہ کھلے میدان میں ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کو دیکھیں

قال موعدکم یوم الزینۃ و ان یحشر الناس ضحی ۝ (موسیٰ نے) کہا کہ زینت کا دن طے کیا جاتا ہے لوگ اس دن چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۹) حضرت موسیٰ نے مقابلے کیلئے یوم زینت یعنی عید کا دن چنا کیونکہ اس دن عام تعطیل ہوتی تھی اور بڑے بڑے میدانوں میں لوگ جشن مناتے تھے۔

فتولی فرعون فجمع کیدہ ثم اتی ۝ یہ سن کر فرعون چلا گیا اور شعبدہ بازی کا سامان جمع کر کے پھر آیا۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۶۰)

خدا نے سورۂ شعراء میں بھی حضرت موسیٰ اور فرعون کی گفتگو کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے

فاتیا فرعون فقولا انا رسول رب العالمین ۝ قال فرعون وما رب العالمین ۝ قال رب السموات والارض وما بینھما ان کنتم موقنین ۝ قال لمن حولہ الا تستمعون ۝ قال ربکم و رب آبائکم الاولین ۝ قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون ۝ قال رب المشرق والمغرب وما بینھما ان کنتم تعقلون ۝ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ فرعون نے کہا کہ عالمین کا رب کون ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم اس کا یقین کرو۔ فرعون اپنے درباریوں سے بولا کہ کیا تم ان کی یہ (عجیب) باتیں سن رہے ہو؟ موسیٰ نے کہا کہ وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے باپ دادا کا بھی رب ہے۔ (فرعون نے) کہا کہ یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے پاگل ہے۔ (مگر) موسیٰ (رکے نہیں بلکہ) بولے کہ وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے بشرطیکہ تم غور کرو۔ (سورۂ شعراء آیت ۱۶،۲۳ تا ۲۸)

اس کے بعد فرعون نے حضرت موسیٰ سے معجزہ طلب کیا۔ آپ نے اس کے سامنے عصا اور ید بیضا کا معجزہ پیش کیا۔ اس کے بعد کی سرگزشت قرآن مجید نے یوں بیان فرمائی ہے

قال للملا حولہ ان ھذا لساحر علیم ۝ یرید ان یخرجکم من ارضکم بسحرہ فماذا تامرون ۝ قالوا ارجہ و اخاہ وابعث فی المدائن حاشرین ۝ یاتوک بکل سحار علیم ۝ فجمع السحرۃ لمیقات یوم معلوم ۝ وقیل للناس ھل انتم مجتمعون ۝ لعلنا نتبع السحرۃ ان کانوا ھم الغالبین ۝ فلما جاء السحرۃ قالوا لفرعون ائن لنا لاجرا ان کنا نحن الغالبین ۝ قال نعم و انکم اذا لمن المقربین ۝ قال لھم موسی القوا ما انتم ملقون ۝ فالقوا حبالھم و عصیھم وقالوا بعزۃ فرعون انا لنحن الغالبون ۝ فرعون نے اپنے گرد بیٹھے سرداروں سے کہا یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم کو اپنے جادو (کے زور) سے تمہارے ملک سے نکال دے۔ بتاؤ تمہاری رائے کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ

کو اور اس کے بھائی کو روک لیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں جب جادوگر متعین دن مقررہ جگہ پر جمع ہوگئے تو لوگوں سے کہا گیا کہ تم سب بھی جمع ہو جاؤ شاید کہ ہم جادوگروں کے دین پر ہی رہ جائیں اگر وہ غالب رہے۔ جب جادوگر میدان میں آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں اور تم مقربوں میں بھی داخل کر لئے جاؤ گے۔ موسیٰ نے ان سے کہا کہ پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم، ہم ہی غالب رہیں گے۔ (سورۂ شعراء آیت ۳۴ تا ۴۴) ☆

اس واقعے کا مزید تسلسل سورۂ اعراف میں یوں بیان ہوا ہے

فَلَمَّا اَلْقَوْا سَحَرُوْا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝ وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر انہیں خوفزدہ کر دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا۔ اور (اس وقت) ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ اب تم بھی اپنا عصا پھینکو۔ وہ فوراً (اژدہا بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل جائے گا۔ یہ کیفیت دیکھ کر سب جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم عالمین کے رب پر ایمان لے آئے ہیں جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے (بگڑ کر) کہا کہ تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے؟ یہ مکر ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو۔ سو عنقریب تم کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ میں پہلے مختلف سمتوں سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا پھر تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ وہ بولے کہ ہم تو اپنے رب کی طرف پلٹ آئے ہیں۔ اور تو اس لئے برہم ہے کہ جب ہمارے رب کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے لئے صبر و استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں مسلمان کی موت نصیب فرما۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۱۶ تا ۱۲۶)

سورۂ مبارکہ شعراء میں آگے فرعون کا یہ جملہ بھی نقل ہوا ہے اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ یہی تمہارا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔

☆ سورۂ شعراء میں ہے کہ فرعون نے اپنے گرد بیٹھے سرداروں سے کہا۔ اور سورۂ اعراف کی آیت ۱۰۹، ۱۱۰ میں ہے کہ "قوم فرعون کے امراء نے فرعون سے کہا کہ یہ شخص یقیناً ایک ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ آپ کو آپ کے ملک سے نکال دے تو آپ کا کیا حکم ہے؟" ان دونوں مکالمات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون اور فرعون کی قوم کے امراء ایک ہی راگ الاپ رہے تھے کہ حضرت موسیٰ ایک جادوگر ہیں جو جادو کے زور سے ان کو ان کی سرزمین سے بے دخل کر دینا چاہتے ہیں

حضرت موسیٰ اور فرعون کے مکالموں میں لفظ رب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ فرعون نے رب اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ فرعون کے اس دعوے کی قلعی کھولنے کے لئے رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کو نبی بنا کر بھیجا اور ان سے فرمایا کہ فرعون رب بن بیٹھا ہے اور تم اس کے پاس جا کر اسے یہ پیغام پہنچاؤ انا رسولا ربک یعنی ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں اور اس سے کہو جئناک بآیۃ من ربک یعنی ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس نشانی بھی لائے ہیں۔

اور جب خدا کے فرمان کے مطابق حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون نے اسے حق تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تو اس نے کہا فمن ربکما یا موسیٰ اے موسیٰ اگر میں تمہارا رب نہیں ہوں تو تم دونوں کا رب کون ہے؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ہدی ○ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو خلق کیا اور پھر اسے ہدایت بخشی۔ اس کے بعد جب فرعون نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو پچھلوں کا کیا بنے گا؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا علمہا عند ربی ان کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ اور رب کی شان ربوبیت یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ بنایا ہے۔ الذی جعل لکم الارض مہدا۔

اس واقعے کو قرآن مجید میں ایک اور مقام پر یوں بیان کیا گیا ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون سے فرمایا کہ دیکھو جب تم فرعون کے پاس جاؤ تو اس سے کہو انا رسول رب العالمین یعنی ہم دونوں رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں۔ فرعون نے کہا وما رب العالمین یہ رب العالمین کون ہے؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا رب السموات والارض وما بینہما وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ اور ربکم ورب آبائکم الاولین وہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا رب ہے۔ اور یہ کہ رب المشرق والمغرب وما بینہما وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔

جب حضرت موسیٰ کا عصا اژدہا بن کر جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل گیا تو جادوگر سجدے میں گر گئے اور بولے آمنا برب العالمین ○ رب موسیٰ وہارون ○ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ اور جب فرعون نے انہیں دھمکی دی کہ وہ ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ کر انہیں سولی دے دے گا تو جادوگروں نے قوت ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا لا ضیر انا الی ربنا منقلبون ○ وما تنقم منا الا ان آمنا بآیات ربنا لما جاءتنا ربنا افرغ علینا صبرا وتوفنا مسلمین ○ ہمیں کچھ پروا نہیں کیونکہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔ اور تو ہم کو اس بات کی سزا دے گا کہ جب ہمارے رب کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے سینے صبر و ثبات سے لبریز فرما دے اور ہمیں مسلمان کی موت نصیب فرما۔

قرآن مجید نے اس واقعے کو کئی جگہ دہرایا ہے جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے کئی بار عقیدہ ربوبیت پر فرعون سے مباحثہ کیا۔ جس طرح قوم فرعون پر کبھی طوفان کا عذاب آیا، کبھی ٹڈی دل کا، کبھی جوؤں کا، کبھی مینڈکوں کا اور کبھی خون کا عذاب آیا اسی طرح فرعون کے ساتھ دونوں بھائیوں کا مباحثہ بھی کئی بار ہوا۔ اور ان تمام مباحثوں کا بنیادی نکتہ ربوبیت کا عقیدہ ہی تھا۔ دونوں رسولوں یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے بار بار فرعون سے یہی کہا کہ ہمارا تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ ہمارا رب سابقہ امتوں کا رب ہے اور ہمارا رب تمہارے آباؤ اجداد کا رب ہے۔ الغرض دونوں بھائیوں نے اس نکتے کو بار بار واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کا رب ہے۔ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اسے اس کی فطرت کے مطابق ہدایت بخشی۔

حضرت موسیٰ کے مقابلے پر آنے والے جادوگر اپنے فن کے ماہر تھے۔ وہ جادو کی باریکیوں کو خوب جانتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ جونہی لوگوں کی نظربندی کے لمحات ختم ہوں گے ان کی رسیاں اور لاٹھیاں دوبارہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئیں گی۔ جب حضرت موسیٰ کا عصا اژدہا بن کر رسیوں سے بنے سانپوں کو نگل گیا تو پہلے پہل جادوگر سمجھے کہ یہ بھی ہماری طرح کا شعبدہ ہے لیکن جب کافی دیر گزر گئی اور ان کی رسیاں دوبارہ ظاہر نہ ہوئیں تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ جسے جادو سمجھ رہے تھے وہ جادو نہیں بلکہ نبوت کا معجزہ ہے۔ معجزہ دیکھ کر ان کو یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ یہ کام انسان کے بس سے باہر ہے رب العالمین کی قدرت کے بغیر یہ وقوع پذیر نہیں ہو سکتا اس لئے وہ فوراً سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے کہ ہم دونوں جہان کے پروردگار پر ایمان لائے جو کہ موسیٰ اور ہارونؑ کا رب ہے اور اسی نے ان کو رسول بنا کر لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا جہاد توحید

حضرت موسیٰ سے قبل حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو توحید الٰہی کی دعوت دی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی قوم سے جو جہاد کیا تھا خدا نے اس جہاد کے ایک ایک گوشے کو واضح کیا ہے اور اس کا تذکرہ سورۂ انبیاء سورہ شعراء اور سورۂ صافات میں کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح انہوں نے مشرکین کے غلط عقائد کا بطلان کیا تھا۔ جب ان کی قوم تبلیغ کے باوجود بت پرستی سے باز نہ آئی تو انہوں نے کلدان کے بتخانے میں بتوں کو توڑ کر عملی طور پر ان لوگوں کو سمجھایا کہ اگر ان کے بتوں میں ذرا سی بھی قوت ہوتی تو وہ اپنا دفاع کرتے۔ اور جو بت خود اپنا دفاع نہیں کر سکتے وہ بھلا دوسروں کا کیا دفاع کریں گے؟

قرآن مجید بتاتا ہے کہ مشرکین ان پر سخت برہم ہوئے۔ انہوں نے بت شکنی کے جرم میں حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا مگر خدا نے آگ کو ان کے لئے گلزار بنا دیا۔ اس موضوع پر ہم توحید ربوبیت کے

میں ہو چکی ہے۔ یہاں صرف یہ آیت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں قَالُوٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝ (مشرکین نے) کہا کہ ابراہیمؑ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ برتاؤ تم نے کیا ہے؟ (ابراہیمؑ نے) کہا بلکہ یہ ان کے بڑے (بت) نے کیا ہے۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو ان ہی سے پوچھ دیکھو۔

بالفاظ دیگر حضرت ابراہیمؑ نے جھوٹ نہیں بولا تھا بلکہ شرطیہ جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ اگر یہ بول سکتے ہیں تو پھر یہ ساری کارروائی بڑے بت کی ہے۔ اگر یہ نہیں بول سکتے تو پھر یہ بڑے بت کی کارستانی کیسے ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں کچھ لوگ چاند، سورج اور ستاروں کی بھی پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان اجرام کو پوجنے والوں سے بھی مباحثے کیے۔ البتہ قرآن مجید میں خدا نے یہ نہیں بتایا کہ وہ لوگ کس لحاظ سے ان اجرام کو اپنا رب مانتے تھے۔ مشرکین کے حالات میں ہمیں یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو رب اور الٰہ کے معنی میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ جبکہ ہمارے مرسلین نے مشرکین سے توحید عبادت اور توحید ربوبیت دونوں موضوعات پر مباحثے کیے تھے۔ قرآن اجرام فلکی کے پجاریوں اور حضرت ابراہیمؑ کے مباحثے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۚ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۚ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ۗ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۗ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ اور ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت دکھلائے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ پس جب رات آئی اور ان کو (آسمان میں) ایک تارا نظر پڑا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے پسند نہیں پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے؟ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا رب میری ہدایت نہ کرے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پھر جب انہوں نے چمکتے ہوئے سورج کو دیکھا تو کہنے لگے یہ میرا رب ہے؟ یہ ان میں سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے اے قوم! تم جن چیزوں کو خدا کا شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ میں تو اس ذات کی طرف متوجہ ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے۔ میں صدق دل سے اسی کے سرنگوں ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور جب ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو؟ اس نے تو مجھے ہدایت دی ہے اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بالکل نہیں ڈرتا مگر یہ کہ میرا رب کوئی بات چاہے کیونکہ

اس کا علم ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟ (سورۂ انعام آیت ۸۰ تا [illegible])

واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستوں سے ان کی زبان میں گفتگو کی تھی۔

مجھے زبانِ محبت میں بات کرنا ہے
میں چاہتا ہوں مخاطب بھی ہم زباں ہوتا

وہ ان سے "ہم زبان" ہو کر بات کر رہے تھے تاکہ اپنی بات ان کے دل میں اتار سکیں۔ ان کا [illegible] مقصد یہ نہیں تھا [illegible] "کیا یہ میرا رب ہے؟" آپ کا یہ جملہ اسی طرح توبیخ اور استفہام پر مبنی تھا جس طرح بت پرستوں کے ساتھ آپ کی گفتگو توبیخ اور استفہام پر مبنی تھی۔

تربیت اجسام کے متعلق حضرت ابراہیم کا جہاد

قدیم زمانے میں بہت سے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ستارے ہماری دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

☆ علم نجوم قدیم علم ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم ریاضی (Astronomy) اور دوسرا علم نجوم احکامی Astrology۔ تقریباً چار ہزار سال قبل [illegible] (عراق، بابل) میں قدیم کلدانی تہذیب کے باشندے Astronomy جانتے تھے۔ وہ چاند گرہن، سورج گرہن اور موسم (بارش، خشک سالی وغیرہ) کے لئے مختلف حساب کتاب کے ذریعے پیشین گوئیاں کیا کرتے تھے۔ کلدانی (Chaldeans) شمس، قمر اور زہرہ کی پرستش کرتے تھے اس لئے بعد میں Astronomy کا حساب رکھنے والے ستارہ پرست لوگ Astrology یعنی نجوم اور کہانت میں مبتلا ہو گئے۔ اس دور کے کاہن اور نجومی بادشاہوں کی ملاقات کے لئے [illegible] دشمنوں [illegible] مستقبل [illegible] Astrology سے کام لیتے تھے۔ ان کے بعد Assyrians [illegible] مصر [illegible] ہوا اور پھر [illegible] میں پھیل گیا اور یوں علم نجوم عام ہو گیا [illegible] ہندوستان [illegible] اس بات کے شاہد ہیں۔

[illegible] کی پیشین گوئی۔ حضرت ابراہیم کی ولادت کے خوف سے نمرود نے ہزاروں بے گناہ بچوں [illegible] حضرت ابراہیم [illegible] کی طرح نمرود کے درباری نجومیوں کی پیشین گوئی کے سبب [illegible] معصوم [illegible] مگر حضرت [illegible] پیدا ہوئے۔ الحمد للہ الذی یفعل ما یشاء ولا یفعل ما یشاء غیرہ۔

قرآن مجید نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ (ع) اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ (ع) کا خصوصی تذکرہ کیا ہے [illegible] کا دعویٰ کرنے والے حکمرانوں اور ان کی قوموں کو توحید کا سبق پڑھایا تھا [illegible] کائنات میں خالق کائنات کی ذات ہی سوتِ حقیقی ہے اور خدا جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ [illegible] وہ آپ کو ہر مصیبت سے دور کر سکتا ہے اور راحت کے دن کو قریب لا سکتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ستارے اور سیارے تیز سورج کی شعاعیں اور چاندنی کرنیں فصلوں کے اگنے، پھلوں کے پکنے [illegible] اور صحرا میں قافلوں اور [illegible] میں جہازوں کو راستہ بتانے میں مددگار ہوتے ہیں لیکن نجومیوں کا یہ جو کہنا ہے کہ ستارے [illegible] زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں یہ ایک مہمل بات ہے۔ ہمیں اس بات سے انکار نہیں ہے کہ نجوم ایک علم ہے [illegible] پیشین گوئیاں کی جا سکتی ہیں مگر یہ کوئی [illegible] علم نہیں ہے اور رسول اور اہلبیت رسول نے بھی اس علم [illegible] نہیں کی۔

جان اور نیک و بد کی علامت، روشنی کے ہونے یا نہ ہونے، خوش بختی و بد بختی، خوشحالی و بدحالی، صحت و بیماری، موت کی کثرت یا قلت اور افراد میں محبت و نفرت کا تعلق بھی ستاروں کی چال سے ہے۔ اسی سبب یہ لوگ کچھ مخصوص اوقات میں ستاروں کی عبادت کرتے تھے۔ وہ ان کیلئے خوشبودار دھونیاں جلاتے اور (اشلوک و بھجن کی طرح) دعائیہ گیت گاتے تھے۔ وہ ستاروں سے اپنے لئے خیر و برکت مانگا کرتے تھے۔

جس طرح شراب "نیک" شے ہے مگر اس کا پینا منع ہے اسی طرح نجوم بھی ایک "علم ہے" مگر اس علم پر عمل کرنا منع ہے قرآن کا فرمان ہے کہ شراب اور جوئے میں نفع بھی ہے اور معاشی نقصانات بہت زیادہ اور فائدے کم ہیں اور یہ بات آل حضرت امام جعفر صادق کا قول ہے: هو علم قلت منافعه وكثرت مضراته (نجوم) یہ علم ہے جس کے فائدے کم اور نقصانات زیادہ ہیں۔ (بحار الانوار جلد ۵۸، ص ۲۲۳)

امام جعفر صادق سے مشہور روایت ہے کہ یہاں عبد الملک بن اعین علم نجوم کے مطابق عمل کرتے تھے۔ مثلاً جب صبح کے وقت گھر سے نکلتے تو دیکھتے کہ قمر در عقرب ہے اور اگر باہر جائیں گے تو ایسا ہو جائے گا ویسا ہو جائے گا۔ چنانچہ ایک دن وہ امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں "علم نجوم" میں "مبتلا" ہو گیا ہوں۔ میں کتابوں سے علاج کیے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ امام علیہ السلام نے تعجب کے ساتھ پوچھا کیا تم ان کتابوں پر عمل کرتے ہو؟

عبد الملک نے کہا جی ہاں۔

امام نے فرمایا جاؤ ان سب کتابوں کو جلادو۔ (وسائل الشیعہ، جلد ۸) مگر ہم محبان اہلبیت شوق سے نجوم کی کتابیں پڑھتے ہیں اور اب وہ سب بیمار فال والے سے جنتریاں خریدتے ہیں حتی کہ نحس اور لوح ہوتے ہیں اور ان چیزوں کو معصومین سے غلط طور پر منسوب کرتے ہیں۔ عید المبارک کو حضرت آدم سے حضرت خاتم تک سب شریعتوں میں نیک دن قرار دیا گیا ہے جبکہ یہ جنتریاں مرتب کرنے والے غلط طور پر اس مبارک دن کو بھی نحس اور منحوس لکھتے ہیں۔ شروع شروع میں ہندو اپنے جنتر منتر اور ٹونے ٹوٹکے جنتریوں میں چھاپتے تھے۔ آج بھی نورانی دنیا اور روحانی دنیا چھاپنے والے اہلبیت کے پیرو ہیں اور حق ان جیسے کو فروغ دینے والے ہیں۔ معلوم نہیں مذہب اہلبیت کے ماننے والوں نے جنتریاں شائع کرنا کب شروع کیں؟ اللهم اخرجنا من ظلمات الوهم واكرمنا بنور الفهم۔

نجومیوں کی مذمت میں حضرت علی کی متعدد احادیث ہیں اور امام جعفر صادق بحار الانوار جلد ۵۸ ص ۲۲۶ میں فرماتے ہیں المنجم کالکاهن والکاهن کالساحر والساحر کالکافر والکافر فی النار۔ یعنی نجومی جہنمی ہیں۔

جب منجم نے ... کہا کہ ابن عباس کی تفسیر قرآن لکھواتے ہوئے یہ کہا کہ عنقریب مجھے موت آ جائے گی اور میری سب کی لڑکی سب سے چھوٹی ہوگی تو ابن عباس سخت برہم ہوگئے۔ وہ یہ کہہ کر ان کی لکھوائی ہوئی تفسیر پوچھنے لگے کہ بیٹا تم کو یہ کب سے ہو گئے؟ بیٹا نے ان سے کہا کہ یہ خبر میرے مولا نے مجھے دی ہے۔ میں نے جو لکھوایا ہے یہ ہے ہو تو پھر تم یہ تفسیر چھوڑ دو۔ اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس جس بات کی بات کہہ رہے تھے اس کا تعلق علم غیب سے تھا۔ غیب کی یہ خبریں نجومیوں کی پیشین گوئیوں سے قطعاً مختلف چیز ہے۔

علم نجوم کی کے مطالعے اور مشاہدے کے لئے Astronomy سیکھنے میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے کوئی حرج نہیں ہے جبکہ Astrology سیکھنا اور اس پر عمل کرنا تعلیمات اہلبیت کی رو سے ممنوع اور مذموم ہے۔

ایک عرصہ قبل مجھے ایک قلمی مخطوطہ پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا جو کہ سکاکی المتوفی ۶۲۶ ہجری کی طرف منسوب تھا۔ اس میں ستاروں سے مربوط دعائیں ثبت تھیں۔ ان کتیبوں میں درج دعائیں سات ستاروں سے متعلق بھی تھیں جن میں سے ہر ستارے سے مخصوص وقت پر کیا جاتا اور ان سے مرادیں مانگی گئی تھیں۔ البتہ میرے خیال میں اس تحریر کا سکاکی سے منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔

ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں صابئین کے کچھ فرقوں کا ذکر کیا ہے جو ستاروں کی عبادت کرتے تھے اور ان کی مرادیں مانگتے تھے۔[1]

حضرت ابراہیمؑ نے بھی ستارہ پرستوں سے مباحثہ کیا تھا اور انہیں اپنی مشہور دلچسپ دلیل سے جواب دیا تھا۔ آپ نے جب ستارے کو طلوع کرتے ہوئے دیکھا تو ستارہ پرستوں سے فرمایا اچھا یہ میرا رب ہے ستارہ پرستوں نے بھی یقیناً تصدیق کی ہوگی کہ ہاں یہی ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ اور جب ستارہ ڈوب گیا تو آپ نے کہا لا احب الآفلین میں ڈوب جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آپ کے استدلال کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ ستارہ خدا ہوتا تو کبھی نہ ڈوبتا۔ اس کا ابھرنا اور ڈوبنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اپنی گردش میں اپنی مرضی کا مالک نہیں بلکہ کوئی اور ہے جس کے بنائے ہوئے نظام کے تحت یہ ابھرتا اور ڈوبتا ہے۔ آپ کی اس زبردست دلیل نے ستارہ پرستوں کو خاموش کر دیا اور ان میں مزید بحث کا یارا نہ رہا۔

ستارہ پرستوں کی دلیل توڑنے کے بعد حضرت خلیلؑ نے لوگوں کو مالک حقیقی کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ○ میں تو اس ذات کی طرف متوجہ ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ میں خدا کے آگے سرنگوں ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

متقن نظام رب کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کا جہاد

قرآن مجید کہتا ہے: الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ ان آتاہ اللہ الملک اذ قال ابراھیم ربی الذی یحیی و یمیت قال انا احیی و امیت قال ابراھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور) کے سبب سے کہ خدا نے اس کو سلطنت دی تھی ابراہیم سے حجت کر رہا تھا۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ تو اس نے کہا کہ جلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ خدا تو سورج کو مشرق

۱۔ الفہرست ص ۳۸۶ تا ۳۹۰۔

ہے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ (یہ دلیل سن کر) کافر ہکا بکا رہ گیا۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۵۸)

حیات و موت کے متعلق حضرت ابراہیمؑ نے وہی منطق پیش کی جو خدا نے سورۂ اعلیٰ میں پیش کی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ سبح اسم ربک الاعلی ○ الذی خلق فسوی ○ والذی قدر فھدی والذی اخرج المرعی ○ فجعلہ غثاء احوی ○ بنام خدائے رحمٰن و رحیم۔ (اے پیغمبرؐ) اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو جو حواس و قیاس سے ماوراء ہے۔ جس نے (انسان کو) بنایا اور بالکل ٹھیک بنایا۔ اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا۔ پھر (اس کو) سیدھا رستا دکھایا۔ اور جس نے گھاس اگائی۔ پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا۔ (سورہ اعلیٰ آیت ۱ تا ۵) پیدا ہونا "صرف گھاس کے لئے مخصوص نہیں ہے ساری مخلوق اس قانون قدرت کی پابند ہے۔ جس طرح سے گھاس اگتی ہے اور کچھ دن بہار دکھلا کر مرجھا جاتی ہے اسی طرح سے ہر مخلوق پیدا ہو کر پہلے جوبن دکھاتی ہے پھر اپنی مقررہ میعاد پوری کر کے ختم ہو جاتی ہے۔ ہر موجود کو زندگی اور موت دینے والے کو "رب" کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا استدلال بہت واضح اور محکم تھا لیکن نمرود نے اس معاملے کو خلط ملط کر دیا۔ وہ بولا اے ابراہیمؑ اگر تم کہتے ہو کہ رب وہ ہے جو زندگی بخشے اور موت دے۔ تمہاری اس دلیل کے مطابق تو میں خود رب ہوں۔ پھر اس نے اپنی ربوبیت کا اظہار کرنے کے لئے سزائے موت پانے والے قیدی کو آزاد کر دیا اور ایک راہ گیر کو پکڑ کر قتل کروا دیا اور بولا دیکھو اے جوان! جسے موت ہوئی تھی اسے میں نے زندگی بخش دی اور جسے بہت حیات ملی ہوئی تھی اسے میں نے موت دیدی۔ لہٰذا اس دلیل کے تحت تم مجھے اپنا رب تسلیم کرو۔

اس طرح نمرود نے حاضرین کو کنفیوز کرنا چاہا۔ اس نے اثبات ربوبیت کے لئے جب یہ مغالطہ آمیز دلیل پیش کی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس سے حیات و موت کے موضوع پر مزید بحث کرنا مناسب نہ جانا۔ چنانچہ آپ نے پہلے سے بھی زیادہ ٹھوس دلیل پیش کرتے ہوئے کہا ان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب خدا وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تو خدا ہے تو اس کو مغرب سے نکال کر دکھا حضرت ابراہیمؑ کی یہ دلیل اتنی وزنی تھی کہ طاغوت لاجواب ہو کر رہ گیا

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا اپنے اپنے دور میں ایسے طاغوتوں سے واسطہ پڑا جو ربوبیت کے دعویدار تھے اور سمجھتے تھے کہ انہیں انسانوں کے لئے نظام حیات تشکیل دینے کا حق حاصل ہے۔ دونوں طاغوتوں کے دعوے قریباً قریباً یکساں تھے اور خدا کی مرضی کے نمائندوں کا جواب بھی قریباً قریباً یکساں تھا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ دونوں نے یہ پیغام دیا کہ انسانوں کے پروردگار نے ان کیلئے ایک نظام حیات مقرر کیا ہے۔ وہ تمام موجودات کا رب ہے اور تمام موجودات کو اسی نے زندگی کی نعمت سے مالا مال کیا ہے۔ پھر اسی نے ان کی بقا و ارتقا کا بھی انتظام کیا ہے۔ اس نے ہر جاندار کی فطرت میں یہ شعور ودیعت کیا ہے کہ کس طرح اپنی نسل بڑھائے۔ جو رب موجودات کو زندگی بخشتا ہے وہی انہیں موت سے بھی ہمکنار کرتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے مشرکین سے فرمایا تھا فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ○ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ○ یقیناً وہ (بت) میرے دشمن ہیں مگر (خدائے) رب العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری ہدایت کرتا ہے۔ (سورۂ شعراء آیت ۷۷، ۷۸)

حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے فرمایا تھا رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو مناسب خلقت بخشی اور پھر اس کے لئے ہدایت کا سامان کیا۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۰)

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے جوابات میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ربوبیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ○ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ○ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ○ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ○ (میرا رب) وہ ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے اور وہ مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا اور اسی سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔ (سورۂ شعراء آیت ۷۹ تا ۸۲)

انبیائے کرام نے اپنی اپنی قوم سے توحید خداوندی کے متعلق عظیم الشان مباحثے کئے اور قرآن مجید میں ان کے مباحثوں اور دلیلوں کا تذکرہ موجود ہے۔ ہر نبی نے اپنی قوم کی فکری رہنمائی کی اور اس قوم کے عقائد و نظریات کو مدنظر رکھ کر خدا کی الوہیت اور ربوبیت کی وضاحت کی۔ انبیائے کرامؑ کے دلائل کے حسین موتی پورے قرآن میں جا بجا بکھرے نظر آتے ہیں۔ مگر قرآن مجید تاریخ کی کتاب نہیں کہ اس میں واقعات تسلسل سے بیان کیا گیا ہو۔

انبیائے کرامؑ نے زیادہ تر مباحثے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے موضوع پر کئے تھے اور انہوں نے اپنے بنیادی پیغامات میں یہ بتایا تھا کہ رب العالمین ہی تمام انسانوں کا رب ہے اور اسی نے تمام جانداروں کے لئے ایک نظام زندگی تشکیل دیا ہے۔ اس نے اپنے منتخب بندوں کو جو دین دے کر دنیا میں بھیجا ہے اس کا نام ہر دور میں اسلام رہا ہے۔ تمام انبیائے کرامؑ دین اسلام ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں۔

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام انبیاء ایک ہی دین کے مبلغ تھے تو پھر شریعتیں منسوخ کیوں ہوتی رہیں؟ اس کا جواب ہم ان شاء اللہ اگلے باب میں پیش کریں گے۔

شریعتوں کا منسوخ ہونا

ہم تمام شریعتوں کا اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں جس سے قرآن مجید اور اسلامی مصادر کی رو سے ان شریعتوں کی منسوخی کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اس بحث کی قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ کہ جن کی قومیں نابود ہو کر نسیاً منسیاً ہو چکی ہیں ہم ان کے متعلق بحث نہیں کریں گے۔

ہماری بحث حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین کے متعلق ہوگی کیونکہ ان انبیاءؑ کی شریعتیں ان کے بعد بھی باقی رہیں۔ انبیاءؑ کے گزرنے کے دور کی ترتیب کے لحاظ سے ہم ان کی شریعتوں کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت آدمؑ کی شریعت

حضرت رسول اکرمؐ فرماتے ہیں: یوم الجمعة سید الایام واعظمها عند الله۔ خلق الله فیه آدم وفیه ادخل الجنة، وفیه اهبط الی الارض[1] ونزل معه الحجر الاسود[2] جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار اور خدا کے نزدیک سب سے بڑا دن ہے۔ خدا نے اسی دن آدمؑ کو پیدا کیا، اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا، اسی دن ان کو زمین پر اتارا اور ان کے ساتھ حجر اسود کو بھی اتارا۔

دوسری روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں: خلق الله الانبیاء والائمة - الاوصیاء - یوم الجمعة[3] اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ائمہ - یعنی اوصیاء - کو جمعہ کے دن پیدا کیا۔

صحیح روایت میں آیا ہے کہ جبرئیلؑ حضرت آدمؑ کو مکہ لے گئے اور ان کو حج کے مناسک سکھائے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ بیت اللہ کے مقام پر ایک بادل نے سایہ کیا۔ وہاں جبرئیلؑ نے حضرت آدمؑ سے سات مرتبہ طواف کروایا۔ بعد ازاں وہ ان کو لے کر صفا اور مروہ گئے جہاں سات بار سعی کرائی۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۸ مطبوعہ یورپ، مسند احمد جلد ۲ ص ۲۳۲۔

[2] صحیح مسلم میں یہ حدیث یوں آئی ہے: خیر یوم طلعت علیه الشمس یوم الجمعة فیه خلق آدم وفیه ادخل الجنة
سب سے اچھا دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ ہے کہ اس روز آدمؑ پیدا ہوئے اور اسی روز جنت میں داخل کئے گئے تھے۔

[3] ... رقی (متوفی ۳۲۳ھ) ص ۳۱ مطبوعہ ...

[4] مادہ جمعہ، سفینۃ البحار۔

پھر ان کو ۹ ذی الحجہ کو عرفات لے گئے جہاں انہوں نے عصر کے وقت تک سچے رب سے گڑگڑا کر دعا کی۔ رب کریم نے ان کی توبہ قبول کی اور صبح ہونے تک حضرت آدمؑ مناجات میں مصروف رہے۔ پھر حضرت جبرئیل ۱۰ ذی الحجہ کی صبح ان کو منیٰ لے آئے اور قبولیت توبہ کی علامت کے طور پر ان کا سر مونڈا۔ پھر ان کو وہاں سے دوبارہ مکہ لے گئے اور وہاں بیت اللہ کے مقام کے گرد سات مرتبہ طواف کرایا۔ اس کے بعد حضرت آدمؑ نے رضائے الٰہی کے لئے نماز پڑھی۔ اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ ان کو صفا و مروہ لے گئے اور وہاں سات مرتبہ سعی کروائی۔ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کی توبہ قبول کرنے کے بعد ان کی ملاقات کرائی اور پھر خدا نے حضرت آدمؑ کو اپنا نبی چن لیا۔[1]

حضرت نوحؑ کی شریعت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ پیشتر اس کے کہ ان پر دردناک عذاب نازل ہو اپنی قوم کو ڈراؤ۔ انہوں نے کہا کہ اے قوم! میں تم کو صاف صاف سمجھائے دیتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرو اور میری بات مانو (سورۂ نوح آیت ۱-۳)

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ انہوں نے کہا کہ اپنے خداؤں کو نہ چھوڑنا اور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر سے بھی منہ نہ موڑنا۔ (سورۂ نوح آیت ۲۳)

سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۳ ہمارے موضوع سے زیادہ متعلق ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ اس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستا مقرر کیا ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا اور جس کی وحی (اے پیغمبرؐ) ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کا حکم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

لغوی تشریح

۱۔ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر: علامہ مجلسی نے امام صادقؑ سے بحار الانوار میں، ابن کلبی نے کتاب الاصنام میں اور بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں درج بالا آیت کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ہم بحار الانوار سے نقل کر رہے ہیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۱ ق ۱ ص ۱۲، ۱۵، ۲۶ مطبوعہ یورپ۔ مسند احمد جلد ۵ ص ۱۷۸، ۲۶۵۔ مسند طیالسی ح ۴۷۸۔ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۱۶۷، ۱۹۸۔ نیز حضرت آدمؑ کے حج کے ضمن میں کچھ اختلاف کے ساتھ متعدد روایات مروی ہیں۔

ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر یہ پانچوں اپنے زمانے کے مشہور عابد اور خدا پرست لوگ تھے۔ جب یہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کی قوم کو ان کی موت کا بہت افسوس ہوا۔ ابلیس ملعون ان کے پاس گیا اور بولا غم نہ کرو میں تمہیں ان کی مورتیاں بنا دیتا ہوں۔ جب تم ان مورتیوں کو دیکھو گے تو تمہارا غم بھی ہلکا ہو جائے گا اور تمہیں عبادت کی ترغیب بھی ملتی رہے گی۔ چنانچہ اس نے ان کے لئے پانچ مورتیاں بنائیں۔ وہ لوگ ان مورتیوں کو دیکھ کر خوش ہوئے اور اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ جب سردی اور گرمی میں شدت پیدا ہوئی تو لوگوں نے ان مورتیوں کے لئے گھر بنائے۔ پہلی نسل تو بدستور اللہ کی عبادت کرتی رہی لیکن جب دوسری نسل آئی تو اس نے ان مورتیوں کو پوجنا شروع کر دیا کیونکہ انہیں یہ غلط فہمی ہوئی تھی کہ ان کے "باپ دادا" ان مورتیوں کو پوجتے تھے اور یوں بت پرستی کا رواج ہوا جسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ نوحؑ میں اس طرح بیان کیا ہے

وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۔[1]

۲- وَصَّى الرَّجُلُ غَيْرَهُ يُوَصِّيهِ بِأَنْ يَفْعَلَ كَذَا ایک شخص نے دوسرے کو وصیت کی کہ وہ اس کی طرف سے فلاں کام کرے کیونکہ اس میں اس کام کے کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ وَصَّى اللهُ بِكَذَا یعنی خدا نے فلاں کام کی وصیت کی گویا خدا نے فلاں کام کا حکم دیا اور اس کی ادائیگی بندوں پر فرض کی۔[2]

مختصر تفسیر آیات

ابتدائی آیات بتاتی ہیں کہ خدا نے حضرت نوحؑ کو رسول بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہ اپنی قوم کو خدا کے عذاب سے ڈرائیں۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے فرمایا اے قوم! میں تم کو خدا کے عذاب سے خبردار کرتا ہوں اور اس کا یہ پیغام پہنچاتا ہوں کہ خدا سے ڈرو، اس کی عبادت کرو اور اس کے جن اوامر و نواہی کا میں حکم دیتا ہوں ان میں میری اطاعت کرو۔ حضرت نوحؑ کی قوم نے ان کی دعوت مسترد کر دی اور ایک دوسرے سے کہا کہ خبردار اپنے بتوں کی پوجا کبھی نہ چھوڑنا۔

بعد کی آیات بتاتی ہیں کہ دین اور شریعت کا سلسلہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہی وہ دین ہے جس کی وصیت ہم نے حضرت نوحؑ کو کی تھی اور اسی دین اور شریعت کی وصیت ہم نے نبی خاتمؐ پر کی ہے اور ان کے علاوہ اسی دین کی وصیت ہم نے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو کی تھی اور ہم نے مذکورہ تمام رسولوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔[3]

۱- بحار الانوار ج ۳ ص ۲۴۸ - ۲۵۳ - صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۳۹ اور تفسیر سورۂ نوح۔

۲- معجم الفاظ القرآن الکریم مادۂ وصی۔

۳- تفسیر تبیان ج ۲ ص ۵۵۳ اور تفسیر مجمع البیان ج ۹ ص ۲۲ میں اس آیت کی تفسیر دیکھئے۔

اس کے علاوہ حسب ذیل آیات بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہیں:

سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ○ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ○ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِیْنَ ○ وَاِنَّ مِنْ شِیْعَتِہٖ لَاِبْرٰهِیْمَ ○ اِذْ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ○ سارى خدائی میں نوحؑ پر سلام۔ نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔ یقیناً ابراہیمؑ ان کے پیروکاروں میں سے تھے۔ جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوئے۔ (سورۂ صافات، آیت ۷۹تا۸۳)

شیعتہ۔ شِیْعَۃُ الرَّجُلِ اَتْبَاعُہٗ وَاَنْصَارُہٗ[1] وَالشِّیْعَۃُ الْجَمَاعَۃُ الْمُتَابِعَۃُ لِرَئِیْسٍ لَّھُمْ[2] کسی شخص کے پیروکاروں اور مددگاروں کو اس کے شیعہ کہا جاتا ہے۔ شیعہ اس جماعت کو کہتے ہیں جو اپنے حاکم کی اطاعت پر ثابت قدم ہو اور آیت میں شیعتہ میں ضمیر "ہ" کا مرجع حضرت نوحؑ ہیں۔ مقصد آیت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ دین نوحؑ کے پیروکار تھے۔[3]

حضرت ابراہیمؑ کی شریعت

یہاں ہم موضوع سے متعلق چند آیات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ ارشاد باری ہے

۱۔ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ○ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ۔ جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے بیت اللہ کی جگہ مہیا کی (تو ان سے فرمایا) کسی چیز کو میرا شریک نہ بنانا اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھنا۔ (اے ابراہیمؑ) لوگوں میں حج کے لئے ندا کر دو۔ لوگ تمہاری طرف دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے ان میں پیدل بھی ہوں گے اور وہ بھی جنہوں نے دبلے پتلے اونٹوں پر دور دراز مقامات سے قطع مسافت کی ہوگی تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کے لئے حاضر ہوں اور قربانی کے معین دنوں میں چوپایوں پر جو خدا نے ان کو دیئے ہیں (ذبح کرتے وقت) خدا کا نام لیں۔ (سورۂ حج، آیت ۲۶تا۲۸)

۲۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ○ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ

۱۔ لسان العرب مادہ شیع۔

۲۔ تفسیر المیزان ج ۲ ص ۱۴۷ مطبوعہ الحجر پریس، ایران ۱۳۹۷ھ۔

۳۔ تفسیر التبیان، تفسیر مجمع البیان، تفسیر الطبری، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر در منثور سیوطی۔

الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) مقام ابراہیمؑ کو نماز کی جگہ بناؤ اور ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے عہد لیا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھو۔ اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے (تو دعا کئے جاتے تھے کہ) اے ہمارے رب ہماری یہ خدمت قبول فرما بے شک تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد[1] میں سے ایک امت کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہمیں عبادت کے طور طریقے بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما بے شک تو توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۲۵ ۔ ۱۲۷ و ۱۲۸)

۲۔ وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (یہود و نصاریٰ) کہتے ہیں کہ تم بھی یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تاکہ ہدایت پا سکو۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ نہیں بلکہ ہم دین ابراہیمؑ پر ہیں جو باطل سے کنارہ کش ہو کر خدائے واحد کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اے مسلمانو تم کہو کہ ہم خدا پر اور جو کتاب ہم پر اتری ہے اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر اترے ہیں اور جو کتابیں موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو دیگر پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان سب پر ایمان لائے۔ ہم پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۳۵، ۱۳۶)

۳۔ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی تھے بلکہ باطل سے کنارہ کش ہو کر خدائے واحد کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ (سورۂ آل عمران آیت ۶۷)

۴۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ دین ابراہیمؑ کی پیروی کرو جو باطل سے کنارہ کش ہو کر خدائے واحد کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ (سورۂ آل عمران آیت ۹۵)

۵۔ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے صحیح دین بتا دیا ہے جو ایک مضبوط دین ہے (یعنی)

---

[1] [illegible] حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ [illegible] امت مسلمہ [illegible]

باطل سے علیحدہ ہو کر صرف ایک خدا کے ہو گئے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ (سورۂ انعام آیت ۱۶۱)

۔ ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا وما کان من المشرکین پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے دین حنیف کی پیروی کریں اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ (سورۂ نحل آیت ۱۲۳)

لغوی تشریح

بوأنا بوأت المنزل لفلان یعنی میں نے اس کے لیے مکان مہیا کیا۔ بوأته فیه یعنی میں نے اسے مکان میں رہائش دی۔ بوأته منزلا یعنی میں نے اسے گھر میں ٹھہرایا۔

۲۔ اذن بالشیء تاذینا یعنی اس نے ایک چیز کا بار بار اعلان کیا۔ اذان "تاذین" سے اسم مصدر ہے جیسا کہ سلام تسلیم سے اسم مصدر ہے۔

۳۔ رجالا رجل یرجل رجلا فهو رجل و راجل یعنی پیدل چلنے والا، راہگیر۔ اس کی جمع رجال ہے۔

۴۔ البهیمة چار ٹانگیں رکھنے والا چوپایہ۔

۵۔ ضامر جملٌ ضامرٌ و ناقة ضامرة و ضامر کم گوشت رکھنے والا دبلا پتلا اونٹ یا اونٹنی۔

۶۔ فجّ ایک پہاڑ میں موجود درہ یا دو پہاڑوں کے درمیان وسیع راستہ۔

۷۔ مثابة لوگوں کے پلٹنے کا مقام۔ واذ جعلنا البیت مثابة للناس اور جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بنایا یعنی جہاں حاجی جوق در جوق ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ مثابة کا مطلب ثواب کا مقام بھی ہے۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ جب ہم نے خانۂ کعبہ کو حج و عمرہ کی وجہ سے ثواب کا مقام اور جائے امن قرار دیا۔

۸۔ مناسک النسک عبادت۔ نسک نسکا اس نے شوق و ذوق سے اللہ کی عبادت کی۔ منسک وہ عمل ہے جس سے خدا کا تقرب تلاش کیا جاتا ہو۔ مثلاً حج میں قربانی کرنا۔ ذبح ہونے والے جانور کو نسیکہ کہا جاتا ہے اور مقام عبادت کو منسک کہا جاتا ہے اور موسم حج اور اعمال حج کے عرفات، مشعر اور منیٰ جیسے مقامات کو مناسک کہا جاتا ہے۔

۹۔ مقام ابراهیم خانہ کعبہ کے سامنے ایک پتھر جس پر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان ثبت ہیں۔

۔ حنیفا الحنف یعنی گمراہی چھوڑ کر ہدایت کی طرف مائل ہونا۔ الجنف یعنی ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا۔ حنیفیت یعنی شریعت ابراہیمؑ

۔ قیما القیم والقیمة سیدھا اور معتدل جس میں کوئی کجی نہ ہو۔

۔ ملة دین، خواہ حق ہو یا باطل۔ جب اس کی اضافت اللہ تعالیٰ، انبیاء اور مسلمانوں کی طرف ہو تو اس سے دین حق مراد ہوتا ہے۔

مختصر تفسیر آیات

اے پیغمبر! آپ اس وقت کو یاد کریں جب ہم نے ابراہیمؑ کو یک گھر بنانے کی ذمہ داری سونپی۔ اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو اپنے رب سے یہ دعا بھی کئے جا رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ہماری یہ خدمت قبول فرما اور ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری ذریت میں بھی ایک فرمانبردار امت کا مقصد قائم فرما اور ہمیں حج کے مناسک تعلیم فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے لخت جگر حضرت اسماعیلؑ کو اللہ کی راہ میں ذبح کر رہے ہیں۔ انبیاء کا خواب بھی وحی الٰہی کی ایک قسم ہوتا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ اس وقت تک کام کاج کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور وہ اپنے والد کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر میں حصہ لے چکے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کے سامنے اپنا خواب بیان کیا تو سعادت مند بیٹے نے کہا یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے اس پر عمل کیجئے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ جب باپ بیٹا دونوں حکم الٰہی کے سامنے تسلیم ہو گئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے نور چشم کو ذبح کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹا دیا اور ان کے گلے پر چھری چلائی تو قدرت کی ندا آئی "اے ابراہیمؑ! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا" اور فرمایا یہ جو اس خواب کی تعبیر جو تم نے دیکھا تھا۔ ہم تمہارے بیٹے کو ذبح کرانا نہیں چاہتے تھے بلکہ تمہیں آزما رہے تھے اور اللہ نے فدیے کے طور پر ایک دنبہ بھیج دیا جسے حضرت ابراہیمؑ نے منیٰ میں ذبح کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو حج کے لئے بلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بھی بتایا کہ قیامت تک لوگ ان کی پکار پر اکناف عالم سے پیدل اور سواریوں پر آتے رہیں گے اور حج کی سعادت حاصل کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ بیت اللہ لوگوں کے جمع ہونے، ثواب حاصل کرنے اور امن پانے کا مقام ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ مقام ابراہیمؑ کو اپنے مصلیٰ قرار دیں۔ علاوہ ازیں دوسری آیت میں رب دو جہان نے فرمایا کہ ابراہیمؑ باطل سے کنارہ کش تھے اور وہ خدا کے مخلص بندے اور سچے فرمانبردار تھے۔ وہ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی اور نہ ہی مشرکوں میں سے تھے۔ اس سلسلے میں اہل کتاب لغو کچھ خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء کو بالخصوص اور ان کی امت کو بالعموم دین ابراہیمؑ کی پیروی کا حکم دیا۔

خدا نے رسول اکرمؐ سے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے صحیح دین بتا دیا ہے وہ ایک خالص دین ہے۔ باطل سے کنارہ کش ہونے والے ابراہیمؑ کا دین — یعنی شرک کے مقابل دین اسلام۔

خدا نے رسول اکرمؐ کو جو کہ دعائے خلیل کا ثمر ہیں ان کے جد امجد کے دین پر کاربند رہنے کا حکم دیا جس کا واضح ترین مظہر مناسک حج ہیں اور یہ وہی مناسک ہیں جو خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو تعلیم فرمائے تھے

خلاصۂ بحث

حضرت آدمؑ کے زمانے میں جمعہ مبارک دن تھا اور حضرت خاتمؐ نے بھی اپنی امت کے لئے جمعہ کو مبارک دن قرار دیا۔ حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ نے حج کیا تھا اور حضرت خاتمؐ نے بھی حج کیا اور اپنی امت کو بھی حج کا حکم دیا۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

خدا نے رسول اکرمؐ کے لئے وہی شریعت منتخب کی جس کی وصیت اس نے حضرت نوحؑ کو کی تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ شریعت میں حضرت نوحؑ کے پیرو تھے اور خدا نے رسول اکرمؐ کو شریعت ابراہیمؑ کی پیروی کا حکم دیا تھا۔ بنابریں ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اکرمؐ حضرت ابراہیمؑ کے دین قیم پر کاربند تھے اور حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کے پیرو تھے اور حضرت نوحؑ حضرت آدمؑ کے پیرو تھے اور یوں تمام انبیاء ایک ہی سلسلے کی کڑی تھے۔

نام احمدؐ نام جملہ انبیاء ست
چونکہ صد آمد نود ہم پیش ما ست

حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت خاتمؐ تک شریعتوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر نئی آنے والی شریعت سابقہ شریعت کی تجدید کرتی تھی اور کبھی کبھی سابقہ شریعت کی تکمیل کرتی تھی۔ آنحضرتؐ کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے۔ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے حج کیا تھا اور حضرت خلیلؑ نے بھی حج کیا تھا۔ البتہ اتنا فرق ضرور تھا کہ حضرت آدمؑ کے وقت خانہ کعبہ تعمیر نہیں ہوا تھا جبکہ حضرت خلیلؑ نے بیت شریف کو تعمیر کیا اور پھر اس کا حج کیا۔ حضرت خاتم الانبیاءؐ نے اپنے دور میں مناسک حج کی تکمیل کی۔ آپ نے احرام کے لئے بحکم خدا سے میقات مقرر فرمائے اور مقام ابراہیمؑ کو مصلیٰ قرار دیا اور تمام مناسک حج کی وضاحت فرمائی۔

خدا نے حضرت آدمؑ پر اس دور کے تقاضوں کے مطابق شریعت نازل فرمائی۔ ان کی شریعت کے احکام زراعت اور دودھ دینے والے چوپاؤں تک ہی محدود تھے کیونکہ انسانیت کے آغاز پر انسان صرف انہی دو چیزوں سے استفادہ کرنے کے قابل تھا۔ ایک عرصہ بعد جب حضرت نوحؑ کا زمانہ آیا تو اس وقت اولاد آدم اطراف و اکناف میں پھیل چکی تھی اور انہوں نے بہت سے شہر بسا لئے تھے۔ لہٰذا اس دور میں ایک شریعت کی ضرورت تھی جو تجارت اور اجتماعی رہن سہن کے مسائل کا حل پیش کر سکے چنانچہ خدا نے حضرت نوحؑ پر ایک شریعت نازل کی جو اس زمانے کے مسائل کا حل پیش کرتی تھی۔ خدا نے اجتماعی مسائل کے لئے ایک ہی شریعت حضرت نوحؑ پر نازل کی تھی جیسی حضرت محمد مصطفیٰؐ پر نازل ہوئی تھی۔

قوموں کی تاریخ کا یہ عجیب رجحان ہے کہ اپنے انبیاء کے بعد وہ انحرافات کا شکار ہوتی رہی ہیں۔
حضرت آدمؑ نے اپنی اولاد کو توحید کی تعلیم دی تھی لیکن حضرت نوحؑ کا زمانہ آنے تک نسل آدم توحید کو چھوڑ کر بت پرستی میں مبتلا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے حضرت نوحؑ کو از سر نو توحید کی دعوت دینی پڑی اور لوگوں کو شرک اور بت پرستی سے روکنا پڑا۔ حضرت نوحؑ کی طرح سے حضرت خلیلؑ اور حضرت خاتم الانبیاءؐ کو بھی توحید کی تعلیم دینے کے لیے بہت زیادہ جدوجہد کرنی پڑی۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت خاتم الانبیاءؐ تبلیغ کے ابتدائی دنوں میں عرب کے بازاروں اور چوپالوں میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کرتے تھے: يا ايها الناس قولوا لا اله الا الله تفلحوا لوگو! لا الہ الا اللہ کا اقرار کرو تا کہ تم دونوں جہانوں میں فلاح پاسکو۔

کچھ قوموں میں عادات سے ربوبیت کا دعویٰ پیدا ہوا جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں نمرود اپنی سلطنت کا رب بنا ہوا تھا اور حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں فرعون انا ربکم الاعلی کا ڈنکا بجا رہا تھا۔ حضرت خلیلؑ اور حضرت کلیمؑ کو ان دونوں طاقتوں کی ربوبیت کی نفی کرنے اور خدائے واحد کی ربوبیت کا پرچار کرنے میں بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور بڑی سخت جدوجہد کرنا پڑی۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ نمرود نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تو حضرت ابراہیمؑ نے اس سے فرمایا: "میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔"

اور جب حضرت موسیٰؑ فرعون کے سامنے گئے تو انہوں نے اس کے دعوائے ربوبیت کو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا اور فرمایا: ربنا الذی اعطی کل شیء خلقه ثم هدی ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو مناسب خلقت دی پھر اسے ہدایت بخشی۔

حضرت موسیٰؑ کے قول کی ترجمانی قرآن مجید نے ان الفاظ سے کی گئی ہے: سبح اسم ربک الاعلی ○ الذی خلق فسوی ○ والذی قدر فهدی ○ والذی اخرج المرعی ○ فجعله غثاء احوی ○ (اے رسولؐ) اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجئے جو سب سے بالاتر ہے۔ جس نے (انسان کو) بنایا اور بالکل ٹھیک بنایا۔ اور جس نے (اس کا) اندازہ مقرر کیا۔ پھر (اس کو) سیدھا راستہ دکھایا۔ اور جس نے چارہ اگایا۔ پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا۔ (سورۂ اعلیٰ آیت ۱تا۵) اور فرمایا: ان ربکم الله الذی خلق السموات والارض ○ بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ (سورۂ اعراف آیت ۵۴)

بعض زمانوں کی مخاطب قومیں یا تو عقیدۂ توحید سے منحرف ہوتی رہیں یا پھر ان میں سے کچھ قومیں عملی طور پر اخلاق اسلامی سے منحرف ہوئیں جیسا کہ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی قومیں اپنی بداعمالیوں میں گرفتار ہوئی تھیں۔

جب ہم قرآن مجید اور احادیث نبوی اور انبیائے کرام کے آثار اور اسلامی مصادر میں ان کے حالات پڑھتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہر آنے والے نبی نے جانے والے نبی کی شریعت کا از سر نو احیاء کیا اور اس کی تحریفات دور کر کے سابقہ نبی کی شریعت کو اس کی اصل شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کیا اور اسی حال سے ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ ہم اپنے اصول عقائد کے اظہار کے لئے کہیں آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسی و عیسی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم و نحن لہ مسلمون ۝ اے مسلمانو! کہو کہ ہم خدا پر اور جو کتاب ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیمؑ اسماعیلؑ، اسحاقؑ یعقوبؑ اور اولاد یعقوبؑ پر اترے ہیں اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو دیگر پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان سب پر ایمان لائے۔ ہم پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (خدائے واحد) کے فرمانبردار ہیں۔
(سورہ بقرہ آیت ۱۳۶)

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب تمام انبیاء کی شریعتیں ایک تھیں تو پھر خدا نے پچھلی شریعتوں کو منسوخ کیوں کیا اور ان کی جگہ شریعت کے نئے احکام کیوں نازل فرمائے؟ جبکہ نسخ کا ثبوت قرآن مجید میں موجود ہے۔ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر ۝ ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اس کے حکم کو بدل دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۰۶)

علاوہ ازیں اس مقام پر سوال کرنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ جب شریعتیں ایک تھیں تو پھر ان میں تبدیلی کا کیا مقصد تھا؟ جبکہ تبدیلی کا تذکرہ قرآن عظیم کی اس آیت میں موجود ہے۔ واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر بل اکثرھم لا یعلمون ۝ جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے۔ کافر کہتے ہیں کہ (اے محمدؐ) تم تو یونہی اپنی طرف سے بنا لاتے ہو جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی اکثریت کو علم ہی نہیں۔ (سورہ نحل آیت ۱۰)

اس سوال کا جواب ہم آگے پیش کریں گے اور اس سوال کے جواب کے لئے لفظ نسخ اور لفظ آیۃ پر تفصیلی بحث کریں گے کیونکہ اس کے بغیر اس سوال کا جواب دینا ممکن نہیں ہے۔

نسخ اور اصطلاحات کا مفہوم

(۱) **لغت** میں جب دوسری چیز کا ہٹانا یا اس کو ہٹا دینا نسخ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں **ازالة شيء بشيء يعقبه**
یعنی دھوپ نے سایہ کو ہٹا دیا ہے تو کہتے ہیں **نسخت الشمس الظل**۔

اسلامی اصطلاح میں یہ شریعت کے احکام کا دوسری شریعت کے احکام کی وجہ سے منسوخ ہو جانا ہے۔ سابقہ شریعتوں کے بعض احکام شریعت محمدیہ کے احکام سے منسوخ ہوئے۔ نیز نسخ کی ایک خاص قسم یہ بھی ہے کہ ایک وقتی اور عارضی حکم دوسرے حکم کے ساتھ منسوخ کر دیا جائے مثلاً ہجرت کے بعد رسول اللہ نے انصار و مہاجرین کے درمیان ایک دوسرے کا بھائی بنایا تھا اور وہ بھائیوں میں وراثت بھی پاتے تھے لیکن نسخ ہونے کے بعد وراثت کی یہ روایت ختم کر کے حقیقی رشتہ داروں تک محدود کر دی گئی۔

(۲) **آیت** کا لفظ اسلامی اصطلاح میں تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ قرآن مجید میں پیغمبر کے معجزات کو "آیت" کہا گیا ہے جیسا کہ رب العزت کا فرمان ہے
وادخل يدك في جيبك تخرج بيضاء من غير سوء في تسع آيات الى فرعون وقومه ۵ اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالو وہ بے عیب سفید نکلے گا۔ (یہ دو معجزے شامل ہیں) ان نو معجزوں میں جو فرعون اور اس کی قوم کے لئے دیئے گئے ہیں۔ (سورہ نمل آیت ۱۲)

۲۔ قرآن مجید کے ایک جملے کو بھی آیت اور آیات کہا گیا ہے مثلاً سورہ یوسف، سورہ رعد، سورہ یونس اور سورہ نمل کی پہلی آیت کے یہ الفاظ ہیں **الر ۵ تلك آيات الكتاب** یہ کتاب کی آیات ہیں۔

۳۔ قرآن مجید کی ایک فصل کو بھی جس میں شریعت کے کسی حکم کو بیان کیا گیا ہو آیت کہتے ہیں۔ لفظ آیت کی تفصیلی بحث کے لئے القرآن الکریم وروایات المدرستین کی جلد اول میں باب اصطلاحات دیکھئے۔

علاوہ ازیں قرآن مجید کے مدلول و مقصود کو بھی آیت کہا گیا ہے اور نسخ کا تعلق اسی مدلول سے ہوتا ہے قرآن مجید کے جن الفاظ میں وہ حکم بیان ہوا ہے وہ الفاظ منسوخ نہیں ہوتے اور جب الفاظ مشترک معنی ہوتے

تفسیر طبری ج [illegible] ص [illegible] تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۸ در منثور ج ۲ ص ۲۰۵ میں سورہ انفال کی آیت ۷۵ کی تفسیر دیکھئے۔

ہیں تو پھر مقصود کلام و تعیین مراد کے لیے قرینہ مد نظر رکھا جاتا ہے۔

یہ ہے سوادی مطالب میں لفظ "آیت" کا مفہوم۔ اب آیئے آیت نسخ کی تفسیر پر ایک نظر ڈالیں۔

(۱) آیت نسخ

آیت نسخ اور اس کی متعلقہ آیات کو سورہ بقرہ کی آیت ۴۰ تا ۱۵۲ میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم اس موضوع سے متعلق چیدہ چیدہ آیات نقل کرتے ہیں

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ○ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر نازل کی ہیں اور اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا اور میں اس عہد کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو اور ہم نے جو (قرآن) نازل کیا ہے وہ تمہاری تورات کی تصدیق کرتا ہے اس پر ایمان لے آؤ اور اس کے منکر اول نہ بنو اور میری آیتوں کو (تحریف کر کے) معمولی قیمت (منفعت دنیا) پر مت بیچو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اور حق کو باطل سے خلط ملط نہ کرو اور جان بوجھ کر حق نہ چھپاؤ۔ اے بنی اسرائیل! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر نازل کی ہیں اور یہ کہ میں نے تمہیں سارے جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کا بدل نہیں بن سکے گا اور نہ کسی کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی اور کسی طرح کا معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ اور جب ہم نے تم لوگوں سے پختہ عہد لیا اور تم پر کوہ طور کو بلند کیا (اور حکم دیا کہ) جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اور جو اس میں (لکھا) ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بن سکو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَمَّا جَاۗءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى

الکافرین ○ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّکْفُرُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰی مَنْ
یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ○ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ
اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَا اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَیَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِیَآءَ
اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ وَلَقَدْ جَآءَکُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ
ظٰلِمُوْنَ ○ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے رسول بھیجے۔ عیسیٰ بن مریم کو ہم نے
واضح معجزے عطا کئے اور روح القدس کے ذریعے ان کی تائید کی۔ تو جب کوئی رسول تمہارے پاس ایسا پیغام
لے کر آیا جو تم کو پسند نہیں تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ (انبیاء) کو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل
کرتے رہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں (نہیں ایسا نہیں) بلکہ خدا نے ان کے
کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے اور ان میں سے بہت تھوڑے لوگ ایمان لائیں گے۔ اور جب ان کے
پاس خدا کی طرف سے کتاب آئی جو ان کی (آسمانی) کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور وہ اس سے پہلے اسی کی
امید رکھ کر کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔ جس (رسول عربیؐ) کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آیا تو وہ
اس سے کافر ہو گئے۔ پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔ جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے نفس کو بیچ ڈالا وہ
بہت بری ہے یعنی اس ضد سے کہ خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل فرماتا ہے خدا کی
نازل کردہ کتاب سے کفر کرنے لگے۔ اس لئے وہ خدا کے غضب بالائے غضب میں مبتلا ہوئے اور کافروں کے
لئے رسوا کن عذاب ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا نے جو کتاب نازل کی ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے
ہیں ہم تو صرف اسی کتاب کو مانتے ہیں جو ہم پر (پہلے) نازل ہو چکی ہے حالانکہ وہ (سراسر سچی ہے) اور ان کی
(آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے اگر تم مومن ہوتے تو اللہ کے نبیوں کو
پہلے ہی کیوں (ناحق) قتل کرتے۔ اور موسیٰ تمہارے پاس واضح معجزے لے کر آئے لیکن تم نے ان کے
(کوہ طور پر جانے کے) بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ وَمَا یَکْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا
لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ○ مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِکِیْنَ اَنْ
یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ○ مَا نَنْسَخْ مِنْ
اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ اور ہم نے آپ کو واضح
معجزات عطا کئے ہیں اور ان سے انکار وہی کرتے ہیں جو فاسق ہیں اگر یہ لوگ ایمان لاتے اور متقی بن جاتے
تو خدا کے ہاں سے بہت اچھا صلہ پاتے۔ اے کاش وہ یہ بات سمجھتے جو لوگ کافر ہیں خواہ اہل کتاب ہیں

جو مشرک ہیں وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل ہو اور خدا جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص کر لیتا ہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے۔ ہم جس آیت کا حکم منسوخ کر دیتے یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت بھیج دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝ بہت سے اہل کتاب حسد کے مارے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے۔ تو تم انہیں معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ خدا اپنا (دوسرا) حکم بھیجے۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جانے ہوگا یہ صرف ان کے خیالی پلاؤ ہیں۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ ہاں! جو مخلص خدا کے آگے سر جھکا دے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت میں) نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ اور آپ سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ نصاریٰ یہاں تک کہ آپ ان کے دین کی پیروی کریں۔ (اے رسولؐ) ان سے کہہ دیجئے کہ خدا کی ہدایت ہی بس ہدایت ہے اور (اے رسولؐ) اگر آپ علم کے آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو پھر آپ کو خدا (کی پکڑ) سے بچانے والا کوئی یار و ناصر نہ ہوگا اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہیں اور میں نے تمہیں اہل عالم پر فضیلت دی اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کا بدل نہیں بن سکے گا اور کسی کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی اور کسی طرف کا معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

اس مقدماتی تمہید کے بعد خدا نے قرآن میں نسخ کے مقام کی نشاندہی کرتے ہوئے تعمیر کعبہ کے متعلق حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی جانفشانی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

(۱) وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادیں

اتارے تھے۔

(۲) وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے ثواب و اجتماع اور امن کا مقام بنایا

(۳) وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اور ابراہیم اور اسماعیل سے عہد لیا کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے میرے گھر کو پاک صاف رکھیں گے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ... اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ (اے رسولؐ) ہم آپ کے چہرے کو آسمان کی طرف اٹھا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہوں گے۔ تو آپ اپنے چہرے کو مسجد الحرام کی طرف موڑ دیں اور (مسلمانو) تم جہاں بھی ہوا کرو (نماز کے وقت) اپنے چہرے اسی سمت پھیر لیا کرو۔ بے شک جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ (نیا قبلہ) درحقیقت ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اور جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں خدا اس سے غافل نہیں ہے۔ اور (اے رسولؐ) اگر آپ اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے آئیں تب بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے اور آپ بھی ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (نبی خاتمؐ) کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ان میں سے ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپا رہا ہے۔

خدا نے اہل کتاب کے ان مباحثہ کا تذکرہ کیا ہے جو تحویل قبلہ کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہوتا

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ... وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ عنقریب کچھ احمق لوگ کہیں گے کہ اس قبلے سے انہوں نے کیوں منہ موڑ لیا جس کی طرف پہلے سجدہ کیا کرتے تھے۔ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ مشرق اور مغرب خدا ہی کا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ جس قبلے کی طرف آپ پہلے منہ کیا کرتے تھے ہم نے آپ کو اس سے

اس سے پچھلے پاؤں پھر جانے والوں سے جدا کر دیں تاکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ کون رسول کی پیروی کرنے والا ہے اور کون الٹے پاؤں پھرنے والا ہے۔ یہ بات (تحویل قبلہ) اگرچہ سخت گراں تھی مگر جن کو خدا نے ہدایت دی ہے (وہ اسے گراں نہیں سمجھتے) اور خدا تمہاری وہ نمازیں (جو تم نے پہلے بیت المقدس کی طرف پڑھی ہیں) ضائع نہیں کرے گا۔ یقیناً خدا لوگوں پر نہایت مہربان ہے۔

(۲) آیت تبدیل

سورہ نحل میں تبدیلی آیت کا ذکر آیا ہے۔ ہم یہاں اس بحث سے مربوط آیات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ○ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ○ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ○ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ○ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ○ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ○ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ○

اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں۔ اور خدا جو کچھ نازل فرماتا ہے اسے خوب جانتا ہے تو (کافر) کہتے ہیں کہ تم تو یونہی اپنی طرف سے (جھوٹ) گھڑ لاتے ہو حالانکہ ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی ہے۔ (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو روح القدس تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں تاکہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثابت قدم عطا کرے اور یہ فرمانبرداروں کیلئے ہدایت اور بشارت ہے۔ یقیناً جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو خدا کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔ پس تم خدا کے دیئے ہوئے حلال اور پاک رزق میں سے کھاؤ اور خدا کی نعمتوں کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ اس نے تمہارے لئے مردار اور خون اور سور کا گوشت حرام کر دیا ہے اور اس کو بھی جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ پس اگر کوئی شخص (بھوک سے) بے قرار ہو جائے اور وہ گناہ کرنے والا اور حد پار کرنے والا نہ ہو تو خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اپنی زبان سے یہ مت کہتے پھرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کیونکہ اس طرح تم خدا پر جھوٹ باندھنے والے بن جاؤ گے اور جو خدا پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ اور جو یہ

خدا اس سے پہلے آپ کو بتا چکے ہیں وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کر دی تھیں۔ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ دین ابراہیم کی پیروی کریں جو بالکل سیدھا دین ہے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ سبت کا دن انہی لوگوں (یہود) کے لئے مقرر کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا (سورہ نحل آیت ۱۱۸ تا ۱۲۴)

آپ دیکھتے ہیں اس سے قبل صرف یہودیوں پر کون سی چیزیں حرام کی گئیں

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ تورات کے نازل ہونے سے پہلے بنی اسرائیل کے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں سوائے ان کے جو یعقوب نے خود پر اور حرام کر لی تھیں۔ (سورۃ آل عمران آیت ۹۳)

۲۔ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ○ اور ہم نے یہودیوں پر وہ سب جانور حرام کر دیے تھے جن کے کھر چرے ہوئے نہیں تھے اور گایوں اور بھیڑوں کی چربی بھی حرام کی تھی سوائے اس کے جو ان کی پیٹھوں یا آنتوں یا ہڈیوں سے لگی ہوئی ہے۔ ہم نے ان کو یہ ان کی نافرمانی کی سزا دی ہے اور ہم بالکل سچے ہیں۔ (سورہ انعام آیت ۱۴۶)

لغوی تشریح

۱۔ **مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ**

مقصد یہ ہے کہ تورات میں رسول کریم کی بعثت اور قرآن کریم کی صداقت سے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں ان سے قرآن ان کی تصدیق کرنے والے ہیں جیسا کہ تورات کے سفر تثنیہ کے باب ۳۳ میں مذکور ہے۔ اس وقت ہمارے پیش نظر تورات کا عربی نسخہ ہے جو رچرڈ واٹسن نے ۱۸۳۱ء میں لندن سے شائع کیا تھا۔ اس کی عبارت ملاحظہ فرمائیں

الاصحاح الثالث والثلاثون

(۱) فهذه البركة التي بها بارك موسى رجل الله بني اسرائيل قبل موته ○

(۲) وقال جاء الرب من سيناء واشرق لنا من ساعير استعلن من جبل فاران ومعه الوف الاطهار في يمينه سنة من نار ○

(۳) احب الشعوب جميع الاطهار بيده والذين يقتربون من رجليه يقبلون من تعليمه ○

(۴) موسى امرنا بسنة ميراثا لجماعة يعقوب ○

رچرڈ واٹسن ہی نے تورات کا فارسی ترجمہ ۱۸۳۹ء میں لندن سے شائع کیا تھا۔ اس میں لکھا ہے

باب سی و سوم

(۱) و این است دعای خیر که موسی مرد خدا قبل از مردن بر بنی اسرائیل خواند۔

(۲) و گفت که خداوند از سینا برآمد و از سعیر نمودار گشت و از کوه فاران نور افشان شد و با ده ہزار مقربان ورود نمود و از دست راستش شریعتی آتشین برای ایشان رسید۔

(۳) بلکه قبائل را دوست داشت و جمیع مقدسانش در قبضۂ تو هستند و مقربان پای تو بوده تعلیم ترا خواهند پذیرفت

(۴) موسی ما را بشریعت امر کرد که میراث جماعت بنی یعقوب باشد۔

اس عبارت کا انگریزی ترجمہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن کی شائع کردہ تورات میں یوں ہے

CHAPTER 33

1 And this *is* the blessing, wherewith Moses the man of God blessed the children of Israel before his death.

2 And he said, the LORD came from Sinai, and rose up from Seir unto them; he shined forth from mount Paran, and he came with ten thousands of saints: from his right hand *went* a fiery law for them.

3 Yea, he loved the people; all his saints *are* in thy hand: and they sat down at thy feet; *every one* shall receive of thy words.

(4) Moses commanded us a law, even the inheritance of the congregation of Jacob.

فارسی اور انگریزی نسخوں کا ترجمہ یہ ہے

(۱) یہ وہ دعائے خیر ہے جو مرد خدا موسیٰ نے اپنی وفات سے قبل بنی اسرائیل کو دی تھی۔

(۲) اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے اٹھا اور کوہ فاران سے چمکا۔ اور وہ دس ہزار مقربین کے ساتھ لے کر آیا اور اس کے دائیں ہاتھ میں ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔

(۳) وہ قبائل کو عزیز رکھتا ہے اور اس کے تمام مقدس افراد تیرے ہاتھ میں ہیں وہ تیرے قدموں میں بیٹھ کر تیری تعلیمات کو قبول کرتے ہیں۔

(۴) موسیٰ نے ہمیں اس شریعت کا حکم دیا ہے جو اولاد یعقوب کی جماعت کی میراث ہے۔

اس نص میں بھی بتایا گیا ہے کہ کوہ فاران پر خدا کا نور چمکا اور وہ دس ہزار افراد کی جماعت کو لے کر آیا حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پہلی وحی غار حرا میں نازل ہوئی تھی جو کوہ فاران کا ایک غار ہے۔ اور یہ کہ

دس ہزار ... فاران ... (۱) جب مکہ فتح کرنے کیلئے دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مکہ تشریف لے گئے تھے۔
اس طرح حضرت موسیٰ کی پیشگوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی۔

اہل کتاب نے ان بشارتوں کو چھپانے کی مقدور بھر کوششیں کی ہیں جن کا تعلق حضرت خاتم الانبیاء کی بعثت سے ہے۔ اس کی تفصیلی بحث کے لئے ہماری کتاب مائة و خمسون صحابی مختلق جلد دوم کی پانچویں تمہیدی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

مصدق لما معکم کی تفسیر کا تتمہ

تورات کے سفر تثنیہ باب ۳۳ کی مذکورہ چار آیات کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی وفات سے قبل بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ خدا نے تورات کو جبل سینا پر اور انجیل کو کوہ سعیر پر اور قرآن کو کوہ فاران (مکہ) پر نازل فرمایا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ نے رسول اکرمؐ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا: "وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران سے آئے گا۔" اور حضرت موسیٰ کی یہ پیشگوئی یوں پوری ہوئی کہ آپ فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تھے۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا "اس کے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہوگی۔" یعنی اس کی شریعت میں جہاد واجب ہوگا۔

پھر حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا "اس کی امت اس کی تعلیمات پر پورا پورا عمل کرے گی۔" ان الفاظ سے حضرت موسیٰ نے دراصل اپنی امت کی نافرمانیوں پر شدید تنقید کی ہے۔ اس طرح آپ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ وہ تم جیسے لوگ نہیں ہوں گے۔ وہ تمہاری طرح سے بچھڑے کی پوجا نہیں کریں گے اور وہ تمہاری طرح سے بات بات پر اپنے نبی پر تنقید نہیں کریں گے۔

---

(۱) ... بغض و تعصب کا ... جب یہود و نصاریٰ نے دیکھا کہ دس ہزار والی پیشگوئی حرف بحرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ ... سے متعلق ہوتی ہے تو انہوں نے ... میں تحریف کردی جس کا مقصد حضرت موسیٰ کی پیشگوئی کو چھپانا ہے۔

(۲) ... میں جو بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور سے شائع ہوا ہے اس میں اس کا ترجمہ یوں ہے

باب ۳۳

۱ اور مرد خدا موسیٰ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے۔

۲ ... خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشیں شریعت تھی۔

۳ وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔

۴ موسیٰ نے ہم کو شریعت اور یعقوب کی جماعت کے لئے میراث دی۔ (مترجم عفی عنہ)

پھر حضرت موسیٰ سے صاف الفاظ میں فرمایا اس کی شریعت تمام قبائل کے لئے ہوگی جبکہ حضرت موسیٰ کی شریعت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی۔

تورات وانجیل میں حضرت خاتم الانبیاءؐ کا ذکر موجود تھا لیکن یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ نے تحریف کرکے اس کے معانی و مطالب کو بدل دیا مگر اس کے باوجود رسول اکرمؐ کے متعلق آیات آج بھی موجود ہیں۔ رسول اکرمؐ کے عہد میں بھی موجود تھیں۔ اور اگر ہم ان تمام آیات کو جمع کرنا چاہیں تو بات بہت لمبی ہوجائے گی اس لئے ہم یہاں صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کے دور کے اہل کتاب آنحضرتؐ کے شمائل خصائل سے بخوبی واقف تھے اور وہ ان شمائل و خصائل کی وجہ سے دل ہی دل میں کہتے تھے کہ جس رسول کی بشارت تورات وانجیل میں دیکھی ہے وہ رسول یہی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (نبی خاتمؐ) کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ان میں سے ایک گروہ حق کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔"

۲۔ **لا تلبسوا الحق بالباطل** حق کو چھپانے کے لئے اس میں باطل کی آمیزش نہ کرو۔ اور حق کے ساتھ باطل کو ملا کر اسے مشکوک نہ بناؤ۔

۳۔ **عدل:** یعنی فدیہ۔

۴۔ **قفّیٰ** ایک دوسرے کے بعد لگاتار آنا۔

۵۔ **غلف** اغلف کی جمع۔ اغلف اس چیز کو کہا جاتا ہے جو غلاف میں بند ہو۔

۶۔ **یستفتحون** یعنی جب وہ دشمنوں سے لڑتے تھے تو ان کا نام لے کر فتح طلب کرتے تھے اور خدا کی بارگاہ میں ان کو شفیع قرار دے کر کامیابی کی دعا مانگا کرتے تھے۔

۷۔ **ننسھا** ننسئھا کا مخفف ہے۔ نسا الشیء، الامر والنساء کے معانی مؤخر کرنے کے ہیں اور آیت کا معنی ہے کہ "ہم جس آیت کے احکام کو منسوخ کرتے ہیں یا اس کے حکم کو مؤخر کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی دوسری آیت لے آتے ہیں۔

اس مسئلہ کی مزید وضاحت اور اس میں مضمر حکمت کو ہم آگے بیان کریں گے۔

اس آیت میں ننسھا سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ "جب ہم کسی آیت کو فراموش کرا دیتے ہیں" یا اس سے مٹا دیتے ہیں جیسا کہ بعض (مترجمین اور) مفسرین نے یہ معنی کئے ہیں۔

۸۔ **ھادوا و ھودا** ھاد فھو ھائد یعنی وہ یہودی بنا۔ اس سے اسم فاعل ھائد ہے اور اس کی جمع ھودا ہے جیسے عائد و عودا اور نازل و نزلا۔

۹۔ **فضلتکم علی العالمین** میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ میں نے

۱۔ تفسیر قرطبی اور تفسیر طبری میں سعد بن ابی وقاص کی روایت ملاحظہ فرمائیے۔

تمہیں اس وقت کی معاصر اقوام (یعنی مصر کے قبطیوں اور شام کے عمالقہ) پر فضیلت دی تھی۔

۱۱۔ شطرَ شطر الشیء کا ایک معنی کسی شے کی جہت ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔

۱۱ ماکان اللہ لیضیع ایمانکم مقصد آیت یہ ہے کہ تم نے اب تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے جو نمازیں پڑھی ہیں خدا انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ البتہ اب تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ تم کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

۱۲ بدلنا بدل الشیء بالشیء وبدل شیئا مکان شیء آخر ایک چیز کی جگہ دوسری چیز رکھ دی۔ "بدل" اور "عوض" کے معنی میں ایک لطیف فرق ہے۔ عوض کسی چیز کی قیمت کے لئے بولا جاتا ہے۔ مثلاً ھذا الدرھم عوض من خاتمک یہ درہم آپ کی انگوٹھی کا "عوض" ہے جبکہ "بدل" معاوضہ کے بجائے اس کے قائم مقام کے لئے بولا جاتا ہے۔

۱۳۔ روح القدس وہ فرشتہ جو خدا کی طرف سے رسول اکرمؐ پر قرآن، اس کی تفسیر اور احکام لیکر نازل ہوتا تھا۔ (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام)

۱۴۔ ذی ظفر لغت میں ظفر انسان وغیرہ کے ناخن کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور یہاں مقصود ہر وہ حیوان ہے جس کا کھر چرا ہوا نہ ہو جیسے اونٹ، شترمرغ اور بطخ وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

۱۵۔ الحوایا انتڑیاں۔

۱۶۔ ما اختلط بعظم اختلط الشیء بالشیء ایک چیز کا دوسری چیز سے مخلوط ہو جانا۔ اور یہاں وہ چربی مراد ہے جو ہڈیوں پر لگی ہوتی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ آیت تبدیل میں جو کہ سورۂ نحل کی آیات کے مجموعہ میں موجود ہے خدا فرماتا ہے کہ جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت میں تبدیل کرتے ہیں یعنی جب ہم سابقہ شریعت کے احکام کو قرآن کے احکام سے تبدیل کرتے ہیں تو وہ رسول اکرمؐ سے کہتے ہیں کہ تم افترا کر رہے ہو حالانکہ ان کی اکثریت حقیقت نہیں جانتی۔ اے رسولؐ آپ کہہ دیجئے کہ آپ اللہ پر جھوٹ نہیں باندھتے بلکہ آپ کے پاس اللہ کا فرشتہ قرآن لے کر آتا ہے تاکہ مومنین کو راہ ایمان پر ثابت قدم رکھے اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن مسلمانوں کے لئے ہدایت اور بشارت کا باعث ہو۔ آپ افترا پرداز نہیں ہیں۔ افترا تو وہ کرتے ہیں جو خدا کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہی مشرکین خود جھوٹے اور مفتری ہیں۔

اس کے بعد خدا مقام نزاع کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو پاک رزق خدا نے تم کو دیا ہے

ان میں سے کھاؤ۔ مثلاً اونٹ کا گوشت اور حلال جانوروں کی چربی وغیرہ۔ یہ چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حرام تھیں مگر تمہارے لیے حلال ہیں۔ خدا نے تم پر اونٹ اور اس کی چربی کو حرام نہیں کیا بلکہ اس نے تو تمہارے واسطے صرف مردار، خون، سور کا گوشت اور ہر اس جانور کا گوشت حرام کیا ہے جس پر ذبح کرتے وقت لات، منات، عزیٰ اور دیگر بتوں کا نام لیا گیا ہو۔

البتہ اگر تم بھوک سے بے قرار ہو جاؤ تو جان بچانے کی حد تک ان کو کھا سکتے ہو۔ پس تمہارے لئے یہ چیزیں حرام ہیں۔ اس کے علاوہ اور چیزوں کے متعلق زبان سے یہ نہ کہتے پھرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے چونکہ سورہ انعام کی آیت ۱۳۸، ۱۴۰ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ تو مشرکوں کا کام ہے۔ جہاں تک سورہ انعام کی آیت ۱۴۶ کا تعلق ہے تو یہ بتایا جا چکا ہے کہ خدا نے صرف بنی اسرائیل کے لئے اونٹ اور چربی کو حرام کیا تھا اے رسولؐ! ہم نے آپ کو وحی بھیجی ہے کہ حلال اور حرام کے معاملے میں آپ یہود کی بجائے دین ابراہیمی کی پیروی کریں۔ دین ابراہیم میں یہ چیزیں حلال تھیں اور اس کے علاوہ جمعہ کا دن دین ابراہیم میں چھٹی کا دن تھا لیکن یہود کے لئے ہم نے سنیچر (یوم السبت Sabbath) کو چھٹی کا دن قرار دیا تھا اور اس دن ان پر کام کاج کرنا حرام تھا جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت ۱۶۳ میں بتایا گیا ہے۔

تبدیل آیت سے یہاں تورات کے بعض احکام کی قرآن مجید کے بعض احکام سے تبدیلی مراد ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ معاملات و احکامات کے لئے دین ابراہیم کو اصل سند کی حیثیت حاصل ہے۔ اور آیت کے ان الفاظ سے ہمارے اخذ کردہ مفہوم کی تائید ہوتی ہے وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں۔ اور خدا جو کچھ نازل کرتا ہے اسے خوب جانتا ہے لیکن (کافر) کہتے ہیں کہ تم تو اپنی طرف سے (جھوٹ) گھڑ لاتے ہو حالانکہ ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو روح القدس تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں۔

آیت دوم میں مؤنث کے الفاظ ہیں۔ اس میں ضمیر "ہ" لفظ "آیۃ" کے مفہوم "حکم" کی طرف ہے۔ اگر اس ضمیر کا اشارہ لفظ "آیۃ" کی طرف ہوتا تو آیت یوں ہوتی قل نزلھا روح القدس اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تبدیلی سے مراد احکام میں تبدیلی ہے۔ ایک آیت کی دوسری آیت سے تبدیلی مراد نہیں ہے۔

۲۔ آیت نسخ سورۂ بقرہ میں ہے جو مدنی سورہ ہے اور اس کے ساتھ والی آیت میں خدا فرماتا ہے اے بنی اسرائیل! عہد کے حسن کو یاد کرو جب اس نے نزول تورات کے وقت تم سے عہد لیا تھا کہ تم اس عہد کو نبھاؤ گے۔ اور اس نے تم سے کہا تھا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے تم اس پر مضبوطی سے کاربند رہنا اور جو کچھ اس تورات میں موجود ہے تم اس پر عمل کرنا۔ اور اس میں خاتم الانبیاءؐ کی بعثت کی بشارت بھی موجود ہے اور اگر تم

سے نہ بھولو اور خاتم الانبیاء پر ایمان لاؤ تو خدا بھی تم سے کیے ہوئے وعدے پورے کرے گا اور دنیا و آخرت میں تم پر اپنی نعمتوں کی بارش کرے گا۔ ہم نے جو کچھ خاتم الانبیاء پر نازل کیا ہے تم اس پر ایمان لاؤ کیونکہ جس طرح سے تمہاری کتاب ہمارے آخری رسول کی تصدیق کرتی ہے اسی طرح سے ہمارا یہ آخری رسول بھی تمہاری کتاب کی تصدیق کرتا ہے لہٰذا تم جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ اور حق کو باطل کا لباس نہ پہناؤ کیونکہ تم حق کو جانتے ہو۔ خدا نے حضرت موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے جن میں سے ایک رسول عیسیٰ بن مریم تھے جن کی تائید واضح دلائل اور روح القدس سے نازل کی گئی تھی۔ ہماری ان نعمتوں کے باوجود تمہاری ہٹ دھرمی رہی۔ جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسے احکام لے کر آیا جو تم کو ناپسند تھے تو تم نے تکبر کیا اور ہمارے رسولوں کے ایک گروہ کو تم نے ناحق قتل کیا۔ اور یہودی قوم اتنے گر گئے کہ تم نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہمارے دل پردے میں چھپے ہیں اس لئے ہم ان احکام کے درک سے قاصر ہیں۔ اور تمہاری بدنصیبی کی وجہ یہ ہے کہ جب خدا کی طرف سے قرآن آیا تو اگرچہ وہ تمہاری کتاب کی بہت سی باتوں کی تصدیق کرتا تھا پھر بھی تم نے اس کا انکار کیا اور حامل قرآن رسول کو جھٹلایا حالانکہ اس سے قبل جب بھی تمہارا دشمنوں سے مقابلہ ہوا تو تم نے اس کا وسیلہ بنا کر خدا سے فتح و ظفر کی دعا مانگی تھی۔ اس کے باوجود ان کی آمد کے ساتھ تم نے ان کا انکار کیا ہے جبکہ تمہاری تورات پکار پکار کر تم کو بتاتی تھی کہ نبی موعود یہی ہیں اور تم ان کو ان کے شمائل و خصائل سے بخوبی پہچانتے ہو مگر اس کے باوجود تم نے سب کا اور اس پر نازل ہونے والی وحی کا انکار کیا ہے۔ اور جان لو کہ تم نے اس کا انکار کرکے خود اپنا ہی نقصان کیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم کو ان سے کیا پرخاش ہے۔ یہی نا کہ وہ اسحاق کی بجائے اسماعیل کی اولاد سے کیوں ہیں۔ اس میں بھلا خدا کی کیا بات ہے نبوت تو خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا کرے۔ اس کے لئے اولاد یعقوب میں سے ہونا ضروری نہیں ہے۔ تم نے ان کا انکار کر کے خدا کے غضب و لعنت کمائی ہے اور کافروں کے لئے بڑا رسوا کن عذاب ہے۔

اور جب یہودیوں سے کہا جاتا ہے کہ تم ان باتوں پر ایمان لے آؤ جو خاتم الانبیاء پر نازل ہوئی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم بھلا ان پر کیسے ایمان لائیں؟ ہم تو صرف ان باتوں پر ایمان لائیں گے جو اولاد یعقوب کے نبیوں پر نازل ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ کسی اور پر جو پیغام خدا نازل ہوا ہے تو ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہودیوں کا یہ طرز عمل ان کی بدبختی کی دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید ان کی کتاب کی مخالفت کے لئے نہیں بلکہ اس کی تصدیق کرنے کے لئے آیا ہے۔ اور رسول خاتم کی بعثت سے ان کی کتاب کی بشارت پوری ہوئی ہے۔

اے رسول! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے کو مومن سمجھتے ہو تو بتاؤ کہ تمہارے بزرگوں نے نبیوں کو قتل کیوں کیا تھا؟ اور تمہارا یہ کہنا بھی بالکل غلط ہے کہ تم بنی اسرائیل کے انبیاء پر ہی ایمان رکھتے ہو۔ اگر تمہارا یہ دعویٰ سچا ہے تو پھر تم نے موسیٰ کے کھلے معجزات دیکھ کر گوسالہ کو اپنا معبود کیوں بنایا تھا۔

یاد رکھو جس طرح اس نے حضرت موسیٰ پر آیات بینات نازل کی تھیں اسی طرح اس نے حضرت محمد مصطفیٰ پر بھی آیات بینات نازل کی ہیں جن کا انکار فاسق ہی کر سکتے ہیں۔ اگر یہودی ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو خدا ان کو اس کا اجر ضرور دیتا لیکن مکہ کے مشرک ہوں یا مدینے کے اہل کتاب یہ دونوں گروہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر آسمانی کتاب اور بھلائی نازل ہو۔ ان لوگوں کا یہ حسد بالکل بے جا ہے۔ کسی گروہ کو خیر اور بھلائی کے لئے مخصوص کرنا خدا کا اپنا فعل ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت اور بھلائی کے لئے مخصوص کر دے۔ اسے اس کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ خدا جس آیت کو منسوخ کرتا ہے یا جس کے احکام کو بدل دیتا ہے تو اس سے بہتر یا اس جیسے احکام وقتی طور پر عطا کرتا ہے۔ بے شک خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

بہت سے اہل کتاب دل سے اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح سے تمہیں خاتم النبیین کا منکر بنا کر اپنے جیسا کافر بنالیں۔ ان لوگوں کو صرف اس بات سے چڑ ہے کہ نبوت کا سلسلہ ان کی امت سے باہر کیوں چلا گیا ہے۔ تمہارے یہ بدخواہ حق اور حقیقت کو پہچان کر بھی اس کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اور کہتے ہیں کہ جنت میں صرف یہودی یا نصاریٰ ہی جائیں گے اور تم لوگ اسلام لا کر جنت میں کبھی داخل نہ ہو سکو گے۔

آپ ان سے پوچھیں کہ تمہارے پاس اس دعوے کی کوئی دلیل ہے تو پیش کرو۔ جنت سلامتی والوں کا گھر ہے۔ جو بھی اسلام لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو خدا اس کو ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

یہود و نصاریٰ تم سے حسد کرتے ہیں اور جب تک تم اپنے دین پر قائم ہو یہ تم سے کبھی راضی نہ ہوں گے بلکہ اگر (خدانخواستہ) تم ان کے دین کو اختیار کر لو تو پھر دوسری بات ہے۔

اس کے بعد خدا یہودیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ اے بنی اسرائیل! میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے ہیں۔ میں نے تم کو تمہاری معاصر اقوام یعنی مصر کے قبطیوں اور شام کے عمالقہ پر فضیلت بخشی تھی۔ تمہیں چاہیے کہ قیامت کے دن کی ہولناکی کو اپنے سامنے رکھو اور اس دن سے ڈرتے رہو۔

ان آیات کے بعد خدا نے تحویل قبلہ کا ذکر کیا ہے جو رسول خداؐ اور یہودیوں میں باعث نزاع بنا تھا۔ خدا نے تحویل قبلہ کے متعلق فرمایا کہ اے رسول! ہم دیکھ رہے تھے کہ ایک عرصے سے آپ کا چہرہ آسمان کی طرف اٹھ رہا تھا اور آپ چاہتے تھے کہ ہم بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو آپ کا قبلہ مقرر کریں۔ چنانچہ ہم آپ کا رخ اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہوں گے۔ لہٰذا آج سے آپ اور آپ کے پیروکار جہاں کہیں بھی ہوں اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف کر لیا کریں۔

اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ جو آپ سے تحویل قبلہ پر بحث کر رہے ہیں اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ کعبہ کی طرف آپ کا منہ کرنا خدا کے حکم سے ہے لیکن یہ ان کی ہٹ ہے کہ آپ ان کے سامنے کوئی بھی معجزات پیش کریں وہ نہ تو آپ کا حکم مانیں گے اور نہ ہی آپ کے قبلے کو مانیں گے۔ اور نہ ان میں سے

حتیٰ یہ کہیں گے کہ آخر سابقہ قبلے میں کیا خرابی تھی جو آپ نے اس سے منہ موڑ لیا؟ آپ کہہ دیجئے کہ ہم تو خدا کے حکم کے بندے ہیں اور مشرق و مغرب سب کچھ خدا ہی کے لئے ہیں وہ جسے چاہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرے۔ بیت المقدس سے منہ پھیرنے اور کعبہ شریف کی طرف منہ کرنے میں لوگوں کا امتحان مضمر تھا۔ اس ذریعہ سے خدا نے مدینہ کے لوگوں کا خصوصی امتحان لیا کیونکہ وہ اہل کتاب کے ساتھ میل جول کی وجہ سے بیت المقدس کو خصوصی اہمیت دیتے تھے اور تحویل قبلہ سے ان کے اخلاص کو آزمایا گیا تاکہ خدا دیکھے کہ کون خدا کے رسولؐ کا اتباع کرتا ہے اور کون ایڑیوں کے بل پیچھے مڑ جاتا ہے۔ اور جہاں تک بیت المقدس کی طرف منہ کرکے پڑھی گئی نمازوں کا تعلق ہے تو وہ قبول کر لی گئی ہیں۔ خدا تمہاری ان نمازوں کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرے گا۔

یہ تھا آیت نسخ کا سیاق و سباق۔ اور اس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید اپنی ہی آیات کو منسوخ نہیں کرتا بلکہ اس نے تورات کے چند مسائل کو منسوخ کرکے ان سے بہتر حکم مسلمانوں کے لئے پیش کئے ہیں اور اس طویل سیاق و سباق میں صرف تحویل قبلہ ہی نسخ کا واضح ترین مورد ہے۔ اور اسی طرح سے آیت تحویل میں اونٹ کے گوشت اور چربی کی حلت اور سنیچر کی بجائے جمعہ کو متبرک دن قرار دینے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ اونٹ کے گوشت اور چربی کی حرمت اور سنیچر کے دن کی تعطیل صرف یہود کے لئے مخصوص تھی جب کہ دین ابراہیمؑ میں ایسا نہیں تھا۔ اور اسی ضمن میں رسول خداؐ کو یہ تاکید کی گئی کہ آپ اہل کتاب کے خصوصی مسائل کی پیروی کرنے کے بجائے دین ابراہیمؑ کی پیروی کریں۔

راغب اصفہانی نے لفظ آیت کی تفسیر میں انتہائی اہم بات یہ کہی ہے **وکل جملة دالة علی حکم آیة سورة کانت او فصولا او فصلا من سورة** ہر وہ جملہ جو کسی حکم پر دلالت کرتا ہو وہ آیت ہے خواہ وہ پوری سورت ہو یا سورت کی کئی فصلیں ہوں یا ایک فصل ہو۔

شریعت موسیٰؑ بنی اسرائیل کیلئے تھی

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور ان کی شریعت بھی بنی اسرائیل کیلئے مخصوص تھی۔ سفر استثناء کے باب ۳۳ میں ہے کہ "موسیٰ نے ہمیں ایک شریعت کا حکم دیا ہے جو ورا یعقوب کے لئے مخصوص ہے۔ حضرت موسیٰ کی تبلیغ کے مخاطب بھی بنی اسرائیل ہی تھے۔ اور قرآن مجید بھی یہی بتاتا ہے کہ ان کی بعثت بنی اسرائیل کے لئے مخصوص تھی۔

اس بحث کا آغاز ہم بنی اسرائیل کے واقعات کی ترتیب سے کریں گے اور پھر ان کی شریعت کے منسوخ ہونے پر ایک نظر ڈالیں گے۔

(۱) بنی اسرائیل کو نعمات کی یاددہانی

۱۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ ۝ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر نازل کی ہیں اور یہ کہ میں نے تمہیں سارے جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی اور (ان احسانوں کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے نجات دی تھی جو تم کو ذلت و اذیت میں مبتلا رکھتے تھے۔ وہ تمہارے بیٹوں کو تو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی۔ اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو شگافتہ کیا تو تمہیں نجات دی اور تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے قوم فرعون کو غرق کر دیا۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۴۷ ـ ۵۱)

۲۔ وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتارا تو وہ ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو اپنے بتوں کے گرداگرد (پوجا کیلئے) بیٹھی رہتی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ان کے معبود جیسا ایک معبود بنا دو۔ موسیٰ نے کہا کہ تم لوگ تو نرے جاہل ہو۔ (سورۂ اعراف، آیت ۱۳۸)

۳۔ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ۝ اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا۔ اسی طرح سامری نے (سونا) ڈالا (آگ میں) اور اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا بنایا جو گائے کی سی آواز کرنے لگا تو لوگوں نے کہا کہ یہی تمہارا معبود ہے اور یہی موسیٰ کا معبود ہے مگر وہ بھول گئے ہیں۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۸۵۔ ۸۷۔ ۸۸)

۴۔ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ۝ قَالُوا لَن نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو! اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔ اور تمہارا رب تو رحمٰن ہے تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو۔ وہ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہیں آئیں گے ہم (اس کی پوجا) نہیں چھوڑیں گے۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۹۰۔ ۹۱)

۵۔ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر (بڑا) ظلم کیا ہے چنانچہ اپنے خالق کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر تمہارے رب نے تمہاری توبہ قبول کر لی بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۵۴)

(۲) تورات اور اس کے کچھ احکام

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ اور جب ہم نے تم لوگوں سے پختہ عہد لیا اور تم پر کوہِ طور کو بلند کیا (اور حکم دیا کہ) جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور جو اس میں (لکھا) ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بن سکو۔ (سورۂ بقرہ آیت ۶۳)

اسی سے ملتا جلتا مضمون سورۂ بقرہ (آیت ۹۳) اور سورۂ اعراف (آیت ۱۷۱) میں بھی بیان ہوا ہے۔

۲۔ وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲)

۳۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ تورات کے نازل ہونے سے پہلے ہی بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں سوائے ان کے جو یعقوبؑ نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ (اے رسول) کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ اور اس سے دلیل پیش کرو۔ (سورۂ آل عمران آیت ۹۳)

۴۔ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا

حملت ظهورهما او الحوايا او ما اختلط بعظم ذلك جزيناهم ببغيهم وانا لصادقون ○ اور ہم نے یہودیوں پر وہ سب جانور حرام کر دیے تھے جن کے ناخن چرے ہوئے نہیں تھے اور گایوں اور بکریوں کی چربی بھی حرام کر دی تھی سوائے اس کے جو ان کی پیٹھوں یا آنتوں یا ہڈیوں سے لگی ہوتی ہے۔ ہم نے ان کو یہ ان کی نافرمانی کی سزا دی ہے اور ہم بالکل سچے ہیں۔ (سورۂ انعام آیت ۱۴۶)

۵۔ وعلى الذين هادوا حرمنا ما قصصنا عليك من قبل وما ظلمناهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون ○ اور جو چیزیں ہم اس سے پہلے آپ کو بتا چکے ہیں وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کر دی تھیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ (سورۂ نحل آیت ۱۱۸)

۶۔ يسئلك اهل الكتاب ان تنزل عليهم كتابا من السماء فقد سالوا موسى اكبر من ذلك فقالوا ارنا الله جهرة   فعفونا عن ذلك   ورفعنا فوقهم الطور بميثاقهم   وقلنا لهم لا تعدوا في السبت واخذنا منهم ميثاقا غليظا ○ فبما نقضهم ميثاقهم وكفرهم بآيات الله وقتلهم الانبياء   وبكفرهم وقولهم على مريم بهتانا عظيما ○   فبظلم من الذين هادوا حرمنا عليهم طيبات احلت لهم وبصدهم عن سبيل الله كثيرا ○ واخذهم الربوا وقد نهوا عنه واكلهم اموال الناس بالباطل (اے رسول) اہل کتاب آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ان کے لئے آسمان سے ایک کتاب اتار لائیں۔ یہ لوگ موسیٰ سے اس سے بھی زیادہ سنگین مطالبہ کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں خدا کو ظاہر بظاہر دکھا دو   پھر ہم نے ان سے درگزر کیا   اور ہم نے ان سے عہد لینے کو ان کے سروں پر کوہ طور کو بلند کیا   اور ان سے کہا کہ ہفتہ کے دن (مچھلیاں پکڑنے کے حکم سے) تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا تھا۔ (لیکن) ان کے عہد توڑ دینے اور خدا کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو قتل کرنے   اور ان کے کفر کے سبب اور مریم پر بہتان عظیم لگانے کے سبب۔ غرض ان یہودیوں کے ظلم کے سبب ہم نے پاک چیزیں جو ان کے لئے حلال تھیں حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر لوگوں کو خدا کے راستے سے روکتے تھے۔ اور اس سبب سے بھی کہ منع کرنے کے باوجود وہ سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔ (سورۂ نساء آیت ۱۵۳ تا ۱۶۱)

۷۔ وسئلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر اذ يعدون في السبت اذ تاتيهم حيتانهم يوم سبتهم شرعا ويوم لا يسبتون لا تاتيهم كذلك نبلوهم بما كانوا يفسقون ○ (اے رسول) ان سے اس شہر کے بارے میں پوچھو جو دریا کنارے واقع تھا اور جس کے باشندے سنیچر کے دن (مچھلیاں نہ پکڑنے) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ (یعنی) سنیچر کے دن جب مچھلیاں سطح آب پر آتی تھیں اور دوسرے دنوں میں نہیں آتی تھیں (تو وہ ان کو شکار کر لیتے) اور حیلے سے کام لیتے تھے۔ ہم اسی طرح ان لوگوں کو ان کے فسق کے سبب آزمایا کرتے تھے۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۶۳)

اصحاب السبت کا واقعہ سورۂ بقرہ کی آیت ۶۵ اور سورۂ نساء کی آیت ۴۷ اور ۱۵۴ میں بھی آیا ہے۔

۸- انما جعل السبت على الذين اختلفوا فيه   سنیچر کے دن کی تعظیم صرف ان لوگوں کے لئے
قرار دی گئی جو اس میں اختلاف کر رہے تھے۔ (سورہ نحل آیت ۱۲۴)

(۳) خدا کا انعام اور بنی اسرائیل کی سرکشی

وقطعناهم اثنتي عشرة اسباطا امما واوحينا الى موسى اذ استسقاه قومه ان اضرب
بعصاك الحجر فانبجست منه اثنتا عشرة عينا قد علم كل اناس مشربهم وظللنا عليهم الغمام
وانزلنا عليهم المن والسلوى كلوا من طيبات ما رزقناكم وما ظلمونا ولكن كانوا انفسهم يظلمون○
واذ قيل لهم اسكنوا هذه القرية وكلوا منها حيث شئتم وقولوا حطة وادخلوا الباب سجدا نغفر لكم
خطيئاتكم سنزيد المحسنين ○ فبدل الذين ظلموا منهم قولا غير الذي قيل لهم فارسلنا عليهم
رجزا من السماء بما كانوا يظلمون ○ اور ہم نے بنی اسرائیل کو الگ الگ کر کے بارہ قبیلے (اور) بڑے
بڑے گروہ بنا دیے۔ اور جب موسیٰ سے ان کی قوم نے پانی کا مطالبہ کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا
پتھر پر مارو۔ انہوں نے عصا مارا تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اس طرح ہر جماعت نے اپنا اپنا گھاٹ
معلوم کر لیا اور ہم نے ان (کے سروں) پر بادلوں کا سایہ کئے رکھا اور ان پر من و سلویٰ اتارتے رہے (اور
ان سے کہا) کہ جو پاکیزہ روزی ہم نے تمہیں دی ہے اسے کھاؤ اور ان لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ انہوں نے
اپنا ہی نقصان کیا۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھاؤ
پیو (شہر میں) داخل ہوتے وقت حطہ کہنا اور دروازے میں داخل ہوتے وقت سجدہ کرنا تو ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں
گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ لیکن جو ان میں ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو جس کا ان کو
حکم دیا گیا تھا بدل کر اور لفظ کہنا شروع کر دیا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا کیونکہ وہ ظلم کرتے تھے۔
(سورہ اعراف آیت ۱۶۰ تا ۱۶۲)

۲- واذ قال موسى لقومه يا قوم اذكروا نعمة الله عليكم اذ جعل فيكم انبياء وجعلكم ملوكا
وآتاكم ما لم يؤت احدا من العالمين ○ يا قوم ادخلوا الارض المقدسة التي كتب الله لكم ولا
ترتدوا على ادباركم فتنقلبوا خاسرين ○ قالوا يا موسى ان فيها قوما جبارين وانا لن ندخلها حتى
يخرجوا منها فان يخرجوا منها فانا داخلون ○ قال رجلان من الذين يخافون انعم الله عليهما ادخلوا
عليهم الباب فاذا دخلتموه فانكم غالبون وعلى الله فتوكلوا ان كنتم مؤمنين ○ قالوا يا موسى انا لن
ندخلها ابدا ما داموا فيها فاذهب انت وربك فقاتلا انا هاهنا قاعدون ○ قال رب اني لا املك الا
نفسي واخي فافرق بيننا وبين القوم الفاسقين ○ قال فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتيهون في

لارض فلا تاس علی القوم الفسقین ۝ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں نبیاء پیدا کئے اور تم میں بادشاہ بنائے اور تمہیں وہ کچھ دیا جو اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اے قوم! تم ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ جسے خدا نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور الٹے پاؤں نہ پھرو، ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! وہاں تو بڑی طاقتور قوم آباد ہے۔ جب تک وہ وہاں سے نکل نہیں جاتی ہم وہاں داخل نہیں ہوں گے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائے تو ہم داخل ہو جائیں گے۔ جو لوگ (خدا سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر خدا نے انعام کیا تھا کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے رستے حملہ کردو۔ جب تم دروازے میں داخل ہو جاؤ گے تو (ضرور) فتح پاؤ گے اور اللہ پر ہی بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔ انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے۔ آپ اور آپ کا رب جا کر ان سے لڑیں ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار! میں اپنے اور اپنے بھائی (ہارون) کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا لہٰذا ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان جدائی ڈال دے۔ ارشاد ہوا کہ اب وہ ملک چالیس سال تک ان پر حرام کر دی گئی ہے (کہ وہاں نہ جا سکیں گے بلکہ صحرا) میں بھٹکتے رہیں گے۔ تم اس فاسق قوم کے حال پر افسوس نہ کرو۔ (سورہ مائدہ آیت ۲۰ تا ۲۶)

لغوی تشریح

۱۔ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب۔ ان کے بارہ بیٹوں اور ان کی نسل کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

۲۔ یسومونکم سام الانسان یسومہ ذُلّا او خسفا او عذابا کسی شخص کو ذلیل کرنا یا تکلیف دینا۔

۳۔ یستحیون استحیا الاسیر۔ قیدی کو زندہ چھوڑ دیا اور اسے قتل نہ کیا۔

۴۔ یعکفون عکف فی المسجد عکوفا۔ مسجد میں عبادت کے لئے ٹھہرا۔ عکف علیہ یعبدہ۔ وہ اس کی تعظیم کے لئے جھکا اور اس کی عبادت سے سر نہ اٹھایا۔

۵۔ خوار گائے یا بھیڑ بکری کی آواز۔

۶۔ نبرح برح المکان براحا۔ اس نے جگہ چھوڑ دی۔ لن نبرح ہم نہیں چھوڑیں گے۔

۷۔ فتنتم الفتنۃ آزمائش۔ جب فتنہ کی نسبت خدا کی طرف ہو تو اس کا مطلب آزمائش ہوتا ہے اور جب شیطان یا انسان کی طرف ہو تو اس کا مطلب بہکانا یا ایذا دینا ہوتا ہے۔ شیطانی فتنہ کے متعلق قرآن کہتا ہے یٰبنی آدم لا یفتننکم الشیطن اے اولاد آدم! کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے۔ (سورہ اعراف آیت ۲۷) انسانی فتنہ کے متعلق قرآن کہتا ہے انّ الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات ثم لم یتوبوا فلھم عذاب جھنم ولھم عذاب الحریق ۝ جن لوگوں نے مومنوں

اور مومنات کو ایذائیں دیں پھر انہوں نے توبہ نہ کی تو ان کو دوزخ کا عذاب بھی ہوگا اور جلنے کا عذاب بھی ہوگا۔ (سورۂ بروج، آیت ۱۰)

۸۔ بارئ: خالق۔

۹۔ اسباط یہاں اس کے معنی قبائل ہے۔

۱۰۔ فانْبَجَسَتْ بجس وَانْبَجَسَ وَتَبَجَّسَ پھوٹ پڑا، جاری ہوا۔

۱۱۔ المن والسلوی۔ کہا گیا ہے کہ من شہد کی طرح کوئی شیریں چیز تھی جبکہ سلویٰ بٹیر سے مشابہ ایک پرندہ ہے جس کا وطن جزائر عرب ہے۔ وہ سردیوں میں مصر اور سوڈان کی طرف نقل مکانی کرتا ہے۔[۱] بنی اسرائیل پر روزانہ صبح کے وقت من اور شام کے وقت سلویٰ اترتا تھا۔

۱۲۔ حِطّۃٌ: حط اللہ وزرہ خدا اس کے گناہوں کا بوجھ ہلکا کرے۔ حطۃ مغفرت کا مترادف ہے۔ اور حطۃ کا مطلب ہے پروردگارا ہمیں گناہوں کے بوجھ سے چھٹکارا عطا فرما۔

۱۳۔ رَفَعْنَا رفع الشیء فوق الشیء اس نے ایک چیز کو دوسری چیز پر بلند کیا۔

۱۴۔ مِيثَاقَكُمْ المیثاق یعنی عہد و پیمان۔

۱۵۔ الرِّجْزَ عذاب۔ رجز الشیطان یعنی شیطان کے وسوسے۔

۱۶۔ يَتِيهُونَ۔ تاہ تيهًا في الارض راستا بھٹک گیا اور سرگرداں ہوگیا۔

۱۷۔ لَا تَأْسَ اسی و آسی علیہ آسیً اس نے اس پر افسوس کیا۔ لاتاس غم نہ کرو۔

۱۸۔ تَعْدُوْا۔ عدا عدوًا و عُدُوًّا و عُدوانًا و عداءً واعتدیٰ اس نے ظلم کیا اور حق سے تجاوز کیا۔

۱۹۔ مِیثَاقًا غلیظًا پختہ عہد و پیمان۔

۲۰۔ الحوایا آنتیں۔ اس کی واحد حویۃ ہے۔

۲۱۔ شُرَّعًا شرع شرعًا قریب ہوا اور ظاہر ہوا۔ اس سے اسم فاعل شارع ہے۔ اس کی جمع شُرّع ہے

۲۲۔ جعل لهم: جعل اس نے قانون بنایا اور فیصلہ کیا۔

تفسیر آیات

خدا نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم ہماری ان بے پایاں نعمتوں کو یاد کرو جو ہم نے تم پر کی ہیں۔ میں نے تم میں انبیاء پیدا کئے اور بادشاہ بنائے اور میں نے تم کو من و سلویٰ جیسی نعمتیں عطا کیں جو اہل عالم میں سے کسی اور کو عطا نہیں کیں۔ خدا نے انہیں فرعون کی غلامی کی ذلت سے نجات بخشی۔ وہ ان کے بیٹوں کو قتل کر دیا

۱۔ المعجم الوسیط مادہ سلویٰ۔

کرتا اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیا کرتا تھا۔ خدا نے فرعون اور اس کے لشکر کو سواریوں سمیت دریائے روڈ میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کے لئے دریا میں راستا بنا دیا۔ خدا کی اتنی نعمتوں کے باوجود بنی اسرائیل جب دریا عبور کر کے دوسری طرف پہنچے اور انہوں نے ایک قوم کو دیکھا جو اپنے بتوں کے گرد بیٹھی پوجا پاٹ میں مصروف تھی تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے لئے بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دیں۔ ان کی جہالت کی انتہا یہ تھی کہ حضرت موسیٰ صرف چالیس راتوں کے لئے تورات لینے کوہ طور پر گئے تو انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا کر پوجنا شروع کر دیا۔

بنی اسرائیل بزدلی میں بھی ضرب المثل تھے۔ حضرت موسیٰ نے انہیں حکم دیا کہ اب جب خدا نے ارض مقدس پر ان کی حکومت مقرر کر دی ہے تو وہ اس سرزمین میں داخل ہو جائیں۔ مگر وہ اتنے بزدل تھے کہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ وہاں تو عمالقہ آباد ہے جو بڑی زبردست قوم ہے اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہیں جاتی ہم وہاں داخل نہیں ہوں گے۔ اس وقت قوم موسیٰ میں سے یشوع اور الیسع نے کہا کہ تم قوم عمالقہ سے مت ڈرو۔ جب تم دروازے کے راستے ان پر حملہ کرو گے تو غالب آجاؤ گے مگر بنی اسرائیل اتنے بزدل تھے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ ہم ہرگز نہیں لڑیں گے۔ ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر آپ اس شہر کو فتح کرنا چاہتے ہیں تو اپنے رب کو ساتھ لے کر جائیں اور عمالقہ کو وہاں سے نکال باہر کریں۔ جب آپ ان کو شہر سے نکال دیں گے تو ہم آگے بڑھ کر اس پر قبضہ کر لیں گے۔ ان کی بزدلی دیکھ کر حضرت موسیٰ نے بارگاہ احدیت میں عرض کی کہ اے خدا! میرا اپنے اور اپنے بھائی ہارونؑ کے سوا کسی دوسرے پر بس نہیں چلتا۔ میرے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی ڈال دے۔

خدا نے فرمایا ہم نے ان کے لئے ارض مقدس (شام) کو چالیس سال تک کے لئے حرام کر دیا ہے اب وہ یہ تمام عرصہ صحرائے سینا میں بھٹکتے رہیں گے لہٰذا آپ فاسقوں کے حال پر افسوس نہ کیجئے۔

سورۂ اعراف میں خدا، ان کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ قبیلوں میں بانٹ دیا تھا اور جب انہوں نے حضرت موسیٰ سے پانی مانگا تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ تم پتھر پر عصا مارو۔ جب انہوں نے عصا مارا تو پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر قبیلے کا اپنا الگ چشمہ تھا۔ دھوپ سے بچانے کے لئے ہم نے ان پر بادلوں کو سائبان بنائے رکھا اور کھانے کے لئے صبح و شام لذیذ آسمانی غذا میں دیں۔ اور جب وہ طویل سفر سے تھک کر چور ہو گئے تو ہم نے ان سے کہا کہ سامنے ایک شہر موجود ہے تم حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لو۔ اور ہاں جب دروازے سے داخل ہونا تو سجدہ کرنا اور حطہ کہنا اس طرح تمہارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور نیکوکاروں کے اجر بڑھا دیئے جائیں گے۔ مگر بنی اسرائیل بڑے ظالم تھے۔ وہ حطہ (مغفرت) کی بجائے حنطۃ (گیہوں) کہتے جس کی وجہ سے خدا نے ان پر عذاب نازل کیا۔

اسرائیلی انتہائی کج بحث قوم تھی۔ خدا سورۂ نساء میں ان کی کج بحثی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے اے رسولؐ! اہل کتاب آپ سے کہتے ہیں کہ آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے ایک کتاب لے آئیں۔ اے رسولؐ! آپ ان کی ایسی بے سروپا باتوں کی پرواہ نہ کیجئے۔ یہ تو وہی قوم ہے جس نے موسیٰ سے اس سے کہیں سنگین سوال کیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ ہمیں خدا کا دیدار کراؤ۔ ہم نے ان کو اس طرح کی جسارتوں کے باوجود معاف کیا اور کوہ طور کو ان پر بلند کیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ تورات پر عمل کریں۔

حضرت یعقوبؑ کو اونٹ کا گوشت اور دودھ بہت مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ بیمار ہوئے اور خدا نے ان کو صحت بخشی تو انہوں نے شکرانے کے طور پر اپنی پسندیدہ غذا اور مشروب کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ نیز یہ کہ انہوں نے اونٹ کی پیٹھ سے لگی ہوئی چربی کو چھوڑ کر دوسری چربی بھی اپنے اوپر حرام کرلی تھی

حضرت یعقوبؑ خود چربی نہیں کھاتے تھے۔ اس سے معبد کے چراغ روشن کراتے تھے۔[1] خدا نے اصول عقائد کے متعلق ان سے یہ عہد لیا تھا کہ حضرت موسیٰؑ نے جن دو نبیوں یعنی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت خاتم الانبیاءؐ کی بشارت دی ہے وہ ان پر ایمان لائیں گے۔ اور احکام کے متعلق ان سے یہ پختہ عہد لیا تھا کہ وہ ہفتہ کے دن چھٹی کریں گے اور اس دن کوئی کام نہیں کریں گے۔

بنی اسرائیل نے اپنے رب سے کئے ہوئے پختہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی کی اور انہوں نے خدا کی آیات کا انکار کیا اور حضرت مریمؑ کے دامن عصمت پر تہمت کے داغ لگائے اور بہت سے دوسرے ظلم کئے۔ خدا نے ان کی غلط روش کی وجہ سے ان پر کچھ حلال چیزوں کو حرام کردیا تاکہ ان کی آزمائش ہو۔ بنی اسرائیل کے ظلم و عدوان کی داستان فقط یہیں تک محدود نہیں بلکہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا کر اس کی پرستش شروع کردی تھی اور یہ کہ وہ پرلے درجے کے سود خور تھے جبکہ انبیاءؑ نے ان کو سود خوری سے منع کیا تھا۔ ان کی ایسی باغیانہ روش کی وجہ سے خدا نے ان پر کچھ پاکیزہ چیزوں کو حرام کردیا تھا۔

بنی اسرائیل کے گناہوں کی فہرست بڑی طویل ہے۔ خدا نے ان کو "یوم سبت" کی تعظیم کا حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ اس دن مچھلی کا شکار نہ کریں مگر انہوں نے اس دن کی حرمت کو بھی پامال کیا تھا۔ ان کو آزمانے کے لئے خدا کے حکم سے سنیچر کے دن بہت زیادہ مچھلیاں سطح آب پر آتی تھیں اور ہفتے کے دوسرے دنوں میں نہ آتی تھیں چنانچہ وہ لوگ جو دریا کے کنارے آباد تھے اور ماہی گیری کرتے تھے ایک دن پہلے دریا کے کنارے گڑھے کھود کر ان میں پانی بھر دیتے تھے اور جب مچھلیاں ان میں جمع ہو جاتیں تو نکال لیتے اور کہتے تھے کہ یہ شکار سنیچر کا نہیں بلکہ جمعہ کا ہے۔ ان کے اس حیلہ کے سبب خدا نے ان کو بندر بنا دیا۔

۱۔ سیرت ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۶۸، مطبوعہ فاروقی، قاہرہ۔

خلاصۂ بحث

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کی معاصر اقوام یعنی مصر کے قبطیوں اور شام کے عمالقہ پر فضیلت بخشی اور ان میں حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ اور حضرت عیسیٰؑ جیسے انبیاء مبعوث فرمائے اور ان میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ جیسے بادشاہ پیدا کئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل جیسی کتابیں نازل فرمائیں۔ اور ان سے یہ عہد لیا کہ وہ ان کتابوں کے زندگی بخش احکام پر عمل کریں گے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا، ان پر من وسلویٰ اتارا اور ان کے لئے بارہ چشمے جاری کئے۔

اللہ تعالیٰ کی اتنی بے پایاں نعمتوں اور مہربانیوں کے باوجود بنی اسرائیل نے آیات الٰہی کا انکار کیا۔ وہ بچھڑے کی پوجا کرتے اور سود کھاتے تھے۔ وہ لوگوں کے اموال کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر جاتے تھے۔ اس لئے ان کو تربیت کی شدید ضرورت تھی اور اسی تربیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے سنیچر کا دن مقرر کیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ اس دن کی تعظیم کریں اور اس دن کوئی دنیاوی کام نہ کریں کیونکہ یہ دن ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کے لئے مخصوص ہے مگر انہوں نے اس دن کی حرمت کو بھی پامال کیا جس کا واضح ترین نمونہ اصحاب سبت تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا تھا۔

ان کو آزمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ چیزیں حرام کیں جو ایک عرصہ قبل ان کے مورث اعلیٰ حضرت یعقوبؑ نے خود اپنے اوپر حرام کرلی تھیں۔ یعنی اونٹ کا گوشت اور چربی۔

دوسری اقوام کے مقابلے کے لئے بنی اسرائیل کو باہمی رابطے کی ضرورت تھی چنانچہ خدا نے ان میں یکسوئی پیدا کرنے کے لئے ایک قبلہ مقرر کیا۔ ابتداء میں وہ قبلہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا خیمہ تھا۔ پھر ایک طویل عرصے بعد حضرت داؤدؑ نے بیت المقدس میں ہیکل کا سنگ بنیاد رکھا جو حضرت سلیمانؑ کی حکومت کے زمانے میں مکمل ہوا۔ خدا نے بنی اسرائیل کی دینی قیادت کا عہدہ نسل ہارونؑ کے اشراف کو عطا فرمایا اور نسل داؤدؑ میں سے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کو اس قوم میں اپنا ہادی بنا کر بھیجا۔

حضرت عیسیٰؑ نے جب اپنے زمانے میں یہ محسوس کیا کہ بعض چیزیں جن کو پہلے مصلحتاً حرام قرار دیا گیا تھا وہ مصلحت اب باقی نہیں رہی تو انہوں نے ان چیزوں کو حلال قرار دے دیا جیسا کہ قرآن کی یہ آیت بتاتی ہے

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ.. وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ. میں بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں۔۔ اور میں اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور میں بعض ایسی چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں انہیں تمہارے لئے حلال کرتا ہوں۔ (سورۂ آل عمران آیت ۴۹ و ۵۰)

اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ سے لے کر حضرت عیسیٰ تک جتنے بھی نبی آئے سب کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا اور تورات کے بعض احکام وقتی مصلحت کی وجہ سے نازل ہوئے تھے جیسے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت، چربی اور دودھ حرام قرار دے لیا تھا بعد میں اسی چیز نے تورات کے ایک حکم کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔

حضرت عیسیٰ جس دور میں پیدا ہوئے اس دور تک یہ پابندی اور یہ حرمت غیر ضروری ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے تورات کے ایک عارضی حکم کو منسوخ کر کے حرمت کو حلت سے بدل دیا مگر اس کے باوجود کچھ ضروری مسائل ایسے تھے جن کو حضرت عیسیٰ نے منسوخ نہیں کیا تھا۔ جب حضرت خاتم الانبیاء کا زمانہ آیا تو ان احکام کی میعاد ختم ہو گئی اس لئے آپ نے ان مسائل پر سے پابندی ختم ہونے کا اعلان فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے اوصاف یوں کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۔ وہ لوگ جو نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو انہیں نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کیلئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان پر سے (سخت قسم کی شرعی تکالیف کا) بوجھ اور (معاشرتی) زنجیریں اتارتے ہیں جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ (سورۂ اعراف۔ آیت ۱۵۷)

یہاں تک آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ شریعت موسیٰ نے انبیائے سابقین کے کون کون سے احکام کو منسوخ کیا تھا اور پھر حضرت عیسیٰ نے شریعت موسیٰ کے کون کون سے احکام کو منسوخ کیا۔ اس کے علاوہ نسخ کی ایک اور قسم بھی ہے جو ایک ہی نبی کی شریعت میں واقع ہوتی ہے۔ اس کی وضاحت اگلی بحث میں آرہی ہے۔

ایک ہی شریعت میں ناسخ و منسوخ کی کیفیت

ایک ہی نبی کی شریعت میں ناسخ و منسوخ کی کیفیت بتانے کے لئے ہم حضرت خاتم الانبیاءؐ کی شریعت سے ایک مثال بیان کرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ ناسخ و منسوخ آیات کا تعلق ایک ہی سورت سے ہے نیز دونوں آیات ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔

بہت سے صحابہؓ رسول خداؐ سے سرگوشی میں باتیں کیا کرتے تھے اس لئے حکم آیا کہ جو آنحضرتؐ سے سرگوشی کرنا چاہتا ہے وہ پہلے صدقہ دے، پھر آنحضرتؐ سے سرگوشی کرے لیکن صحابہ نے اس حکم پر عمل نہ کیا اور خدا نے اس حکم کو ہی منسوخ کر دیا۔

ناسخ و منسوخ آیات حسب ذیل ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ أَأَشْفَقْتُمْ أَن تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ فَإِذْ لَمْ تَفْعَلُوا وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

اے ایمان والو! جب تم رسولؐ سے راز سرگوشی کرنا چاہو تو پہلے (مسکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہت بہتر اور پاکیزگی کی بات ہے اور اگر خیرات تم کو میسر نہ آئے تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ کیا تم اس حکم سے کہ رسولؐ سے سرگوشی کرنے سے پہلے خیرات دیا کرو، ڈر گئے؟ پھر جب تم نے ایسا نہ کیا اور خدا نے تمہیں (یہ حکم) معاف کر دیا تو نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے باخبر ہے۔ (سورۂ مجادلہ آیت ۱۲ و ۱۳)

ان آیات کے متعلق تفسیروں میں آیا ہے کہ کچھ صحابہ رسول اکرمؐ سے اپنے خصوصی تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے آپ کے ساتھ سرگوشی کیا کرتے تھے اور آنحضرتؐ اپنے خلق عظیم کے سبب انہیں منع نہیں فرماتے تھے۔ اگرچہ ان صحابہ کی یہ روش آنحضرتؐ کے لئے تکلیف کا موجب تھی لیکن آنحضرتؐ اس تکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت فرماتے رہے۔ چنانچہ خدا نے حکم دیا کہ جو آنحضرتؐ سے سرگوشی کرنے کا خواہشمند ہو وہ پہلے مسکین کو صدقہ دے اور پھر آپ کے کان میں بات کہے۔ اس حکم کے آنے کے بعد لوگوں کی آنحضرتؐ سے سرگوشیاں رک گئیں۔

حضرت امیر المومنین امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت میرے پاس ایک دینار تھا۔ میں نے اس دینار کو بھنایا تو دس درہم ملے جس میں سے ایک درہم صدقہ دے کر حضور اکرمؐ سے سرگوشی کی اور یوں میں نے علیحدہ علیحدہ پورے دس درہم صدقہ دے کر دس مرتبہ آنحضرتؐ سے سرگوشی کی۔ اس کے بعد خدا نے اس حکم کو ہی منسوخ کر دیا اور یوں اس آیت پر عمل کرنا صرف میرے ہی حصے میں آیا۔ میرے علاوہ اس آیت پر کسی اور نے عمل نہیں کیا۔

عرض یہ کہ اس حکم سے صحابہ کرام کی تربیت کرنا مقصود تھا اور جب وہ مقصد حاصل ہو گیا تو خدا نے اس حکم کو ہی ختم کر دیا۔[1]

خلاصۂ بحث

حضرت آدمؑ کے وقت سے لے کر حضرت ابراہیمؑ کے دور تک جمعہ برکت اور آرام کا دن تھا۔ بعد میں انبیائے بنی اسرائیل جیسے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے زمانے میں سنیچر کو برکت اور آرام کا دن قرار دیا گیا تھا۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت ابراہیمؑ سے قبل تک تمام انبیاء نے عرفات، مزدلفہ اور منیٰ میں مناسک حج ادا کئے اور انہوں نے بیت اللہ کی جگہ کے گرد سات مرتبہ طواف کیا تھا۔ اور جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا زمانہ آیا تو انہوں نے بیت اللہ تعمیر کیا اور اس کے بعد اس کا طواف کیا۔

حضرت نوحؑ نے شریعت آدمؑ کی تجدید کی تھی اور انہوں نے خاتم الانبیاءؐ کی شریعت جیسی شریعت پیش کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

۱۔ شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا (اے رسولؐ) اس نے تمہارے دین کی وہی شریعت مقرر کی جس کا حکم نوحؑ کو دیا تھا۔ (سورۂ شوریٰ آیت ۱۳)

۲۔ وان من شیعته لابراهیم یعنی بے شک ابراہیمؑ ان (حضرت نوحؑ) کے پیروکاروں میں سے تھے۔ (سورۂ صافات آیت ۸۳)

۳۔ اتبع ملة ابراهیم حنیفا (اے رسولؐ) آپ دین ابراہیمؑ کی پیروی کریں جو سیدھا دین تھا۔ (سورۂ نساء آیت ۱۲۵ و سورۂ نحل آیت ۱۲۳)

۴۔ فاتبعوا ملة ابراهیم حنیفا (اے رسولؐ) آپ دین ابراہیمؑ کی پیروی کریں جو باطل سے کنارہ کش ہو کر خدائے واحد کے ہو رہے تھے۔ (سورۂ آل عمران آیت ۹۵)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے اصطفاء سے لے کر حضرت خاتم الانبیاءؐ کے احیاء

۱۔ تفسیر طبری اور دیگر روائی تفاسیر میں اس آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

تک تمام انبیائے کرام کی شریعتیں ایک تھیں۔ البتہ حضرت موسیٰ سے لیکر حضرت عیسیٰ تک انبیائے بنی اسرائیل کی شریعتوں میں بعض کچھ احکام تبدیل کئے گئے جس سے بنی اسرائیل کی تربیت کرنا مقصود تھا جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

۱۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بنی اسرائیل کیلئے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں سوائے ان کے جو یعقوبؑ نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ (سورۂ آل عمران آیت ۹۳)

۲۔ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ اور جو چیزیں ہم اس سے پہلے آپ کو بتا چکے ہیں وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کر دی تھیں۔ (سورۂ نحل آیت ۱۱۸)

۳۔ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ سنیچر کا دن ان ہی لوگوں (کی آزمائش) کے لئے مقرر کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا۔ (وہ بنی اسرائیل تھے)۔ (سورۂ نحل آیت ۱۲۴)

توراۃ کے سفر استثناء کے باب ۳۳ کی چوتھی آیت میں کہا گیا ہے کہ "حضرت موسیٰ اولاد یعقوبؑ (بنی اسرائیل) کے لئے شریعت لے کر آئے تھے۔"

ایک نسخہ میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ "حضرت موسیٰ نے ہمیں ایک سنت کا حکم دیا ہے جو کہ یعقوب کی جماعت کی میراث ہے۔"

ایک اور نسخہ میں سنت کی جگہ شریعت کا لفظ ہے۔

دراصل اس کی حکمت یہ تھی کہ بنی اسرائیل کی تربیت ہو جو بات بات میں لڑنے جھگڑنے کے عادی تھے اور اپنے نبیوں کی نافرمانی کرتے تھے، ان سے بحث و تکرار کرتے تھے اور سخت ضدی قسم کے لوگ تھے۔ خدا نے جب ان کو فرعون اور فرعونیوں کے ظلم و ستم سے نجات دی اور ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ انہوں نے سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تھی۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ تم قوم عمالقہ کے شہر (شام) میں داخل ہو جاؤ فتح تمہارے قدم چومے گی تو انہوں نے کہا کہ اے موسیٰ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیں۔ اس طرح کی پست حوصلہ اور کم ہمت قوم کی تربیت ضروری تھی اس لئے خدا نے ہفتہ میں ایک دن ان کی تہذیب نفس کے لئے مقرر کیا اور اس دن ان کے لئے ہر طرح کا کام کرنا منع تھا۔ اس حکم خدا کی نافرمانی کی پاداش میں ان کو چالیس سال تک صحرائے سینا میں بھٹکنے کی سزا دی گئی۔

اس تصویر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس دور میں صرف بنی اسرائیل موحد تھے۔ ان کے چاروں طرف مضبوط حکومتیں قائم تھیں جو کافر تھیں۔ چنانچہ ان میں یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے ایک قبلہ مقرر کیا گیا تاکہ وہ دوسری قوموں سے ممتاز اور مختلف نظر آئیں۔ پھر ان کو حوصلہ دینے کے لئے آل موسیٰ اور آل ہارونؑ کے تبرکات کے صندوق کو بھی متبرک قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ ان کے حالات و واقعات کی مناسبت سے ان کے لئے شرعی احکام نازل کئے گئے۔

جب حضرت عیسیٰ مبعوث ہوئے تو بہت سے احکام کی مصلحتیں بدل گئی تھیں اس لئے ان احکام کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی تھی چنانچہ حضرت عیسیٰ نے حکم الٰہی کے تحت بعض محرمات کو حلال قرار دیا۔

جب حضرت خاتم الانبیاءؐ مبعوث ہوئے تو اس وقت پوری دنیا میں یہودیوں کی باقاعدہ کہیں بھی حکومت نہیں تھی اور وہ مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو باقی لوگوں سے بالاتر سمجھتے تھے۔ ان کا یہ رویہ معاشرے کی تعمیر و ترقی بلکہ خود ان کی ترقی میں بھی رکاوٹ ثابت ہو رہا تھا۔

وہ ابھی تک پرانی قدروں کے اسیر تھے اور سنیچر کے دن کی حرمت کے قائل تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ وہ اس دن دنیا جہان کا کوئی کام نہ کریں۔ جبکہ اس وقت کا عرب معاشرہ ان کے اس نظریے کو کسی قیمت پر بھی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ اور اسرائیلی شریعت کے احکام پر عمل کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہو رہا تھا اس لئے ان ہی حقائق کو مدنظر رکھ کر اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاءؐ کے ذریعے سے تورات کی کچھ سخت پابندیوں میں نرمی پیدا کی اور تورات کی بعض حرام کردہ اشیاء کو حلال کیا اور شریعت تورات کی بھاری زنجیروں سے انسانوں کو رہائی بخشی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ○ وہ لوگ جو رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں (سورۂ اعراف آیت ۱۵۷)

چنانچہ اس عہد سے مخصوص تورات کے معروضی احکام جو معاشرے کے لئے بوجھل ثابت ہو رہے تھے خدا نے انہیں ختم کر دیا اور دائمی احکام کو قرآن مجید میں بھی باقی رکھا اور ان میں کسی طرح کی تنسیخ و ترمیم نہ فرمائی مثلاً قصاص کا جو حکم تورات میں تھا خدا نے اسے قرآن مجید میں بھی باقی رکھا جیسا کہ فرمان قدرت ہے

اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا ○ وَكَتَبْنَا عَلَیْهِمْ فِیْهَاۤ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور ہم نے تورات میں ان لوگوں کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لئے کفارہ ہوگا اور جو خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ دے وہ لوگ ظالم ہیں۔ (سورۂ مائدہ آیت ۴۴ و ۴۵)

قصاص کا حکم تورات سے پہلے بھی تھا اور تورات میں بھی باقی رہا۔ تورات کے بعد بھی خدا نے اسے منسوخ نہیں کیا کیونکہ یہ زندگی بخش حکم انسانیت کی سلامتی کی ضمانت ہے۔

جب حضرت خاتم الانبیاءؐ نے بحکم خدا تورات کے بعض معروضی احکام کے مقابلے میں احکام خدا بیان فرمائے تو قریش کو ناگوار ہوا۔ خدا نے ان کی ناگواری کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ○ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ○ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ○ اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں۔ اور خدا جو کچھ نازل فرماتا ہے اسے خوب جانتا ہے لیکن (کافر) کہتے ہیں کہ تم تو اپنی طرف سے (جھوٹ) گھڑ لاتے ہو حالانکہ ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی ہے۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو روح القدس تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں تاکہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثبات قدم عطا کرے اور فرمانبرداروں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھا جاتا ہے مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔ یقیناً جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو خدا کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔ (سورۂ نحل آیت ۱۰۱ تا ۱۰۵)

آگے چل کر خدا فرماتا ہے

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا خدا نے تمہیں جو حلال رزق دیا ہے اسے کھاؤ۔

مثلاً اونٹ کا گوشت اور دوسرے حلال جانوروں کی چربی کھانے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ وہ تمہارے لئے حرام نہیں ہے۔ حرام تو مردار اور خون اور سور کا گوشت ہے۔ اور جس جانور کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ اور جو جانور بتوں کی بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے۔ خدا نے مشرکین مکہ کو حکم دیا کہ وہ حلال و حرام کے متعلق خدا پر بہتان نہ باندھیں۔

وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ ○ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَى أَزْوَاجِنَا وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ اور وہ اپنے خیال سے ایسا کہتے ہیں کہ یہ مویشی اور کھیتی مخصوص ہے۔ اسے اس کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے۔ بعض مویشی ایسے ہیں

کہ ان کی پیٹھ پر چڑھنا ممنوع ہے اور بعض ایسے ہیں جن پر (ذبح کرتے وقت) خدا کا نام نہیں لیتے۔ یہ سب خدا پر جھوٹ ہے۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچہ ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور ہماری عورتوں کو (اس کا) کھانا حرام ہے۔ اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو سب اس میں شریک ہیں۔ عنقریب خدا ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا۔ (سورۂ انعام آیت ۱۳۸)

حلال اور حرام کے متعلق مشرکین مکہ نے کچھ قوانین بنا رکھے تھے جن کے متعلق حسب ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ○ (اے رسولؐ) کہہ دیجیے کہ بھلا بتاؤ تو کہ خدا نے تمہیں جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے تم نے بعض کو حرام اور بعض کو حلال (تمہیں) ٹھہرا لیا۔ (آپ) ان سے یہ بھی پوچھئے کہ کیا خدا نے تم کو اس بات کی اجازت دی ہے یا تم خدا پر جھوٹ بولتے ہو؟ (سورۂ یونس آیت ۵۹)

الغرض مشرکین مکہ خود ساختہ حلال و حرام کے متعلق رسول اکرمؐ سے جھگڑتے تھے کیونکہ آپ ان سے خود ساختہ حلال و حرام کی مخالفت کرتے تھے۔ نیز یہ کہ انہوں نے ادھر ادھر سے یہ سن رکھا تھا کہ فلاں فلاں چیزیں شریعت موسیٰ میں حرام ہیں چنانچہ جب آنحضرتؐ نے شریعت موسیٰ کی بعض حرام چیزوں کو حلال کیا تو آپ پر اعتراض کرتے کہ آپ کیسے نبی ہیں کہ آپ نے پہلے نبی کے احکام منسوخ کر دیئے؟

اور جب رسول اکرمؐ نے ہجرت فرمائی تو مدینے کے یہود نے بھی آپ سے اختلاف کیا کیونکہ آپ نے شریعت موسیٰ کے بعض احکام کے منسوخ ہونے کا اعلان کیا تھا۔ خدا نے یہود کے اختلافات کا متعدد آیات میں ذکر کیا ہے۔ بطور نمونہ چند آیات پیش خدمت ہیں:

۱۔ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○ جب کوئی رسول تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جو تمہیں پسند نہیں تھیں تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ کو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۸۷)

۲۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کتاب خدا نے (اب) اتاری ہے اس پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر (پہلے) اتر چکی ہے ہم تو اسی کو مانتے ہیں (یعنی) یہ لوگ اس کے سوا کسی اور (کتاب) کو نہیں مانتے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۹)

۳۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے حکم و موقوف کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۰۶)

۴۔ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ آپ سے یہود و نصاریٰ کبھی خوش نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کے دین کی پیروی اختیار کر لیں۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۲۰)

بنی اسرائیل کو آنحضرت پر اعتراض تھا کہ آپ نے تورات کے کچھ احکام کے منسوخ ہونے بالخصوص ان کے قبلہ سے رخ موڑنے کا اعلان کیوں کیا؟ یہودیوں کو تحویل قبلہ پر شدید اعتراض تھا۔ جس سے متعلق خدا نے سورۂ بقرہ میں فرمایا کہ ہم نے آپ کا رخ وہاں سے اس لئے موڑ کیونکہ آپ بار بار آسمان کی جانب سر اٹھا کر تحویل قبلہ کی دعائیں مانگتے تھے۔ چنانچہ ہم نے آپ کا رخ بیت المقدس کے بجائے اس قبلہ کی طرف دیا ہے کیونکہ اس قبلہ کو آپ زیادہ چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ مسجد بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں اور آپ کے پیروکاروں کو بھی یہی نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ بھی خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کریں۔

یہود و نصاریٰ یہ جانتے ہیں کہ تحویل قبلہ حق ہے اور آپ کے مخالفین آیات الٰہی کو دیکھ کر بھی آپ کی پیروی پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ اور وہ آپ کے نئے قبلے کی طرف رخ نہیں کریں گے۔

اس مقام پر آیت کے منسوخ ہونے سے مراد اس کا حکم منسوخ ہونا ہے۔ نیز یہ کہ "ایک آیت سے دوسری آیت کی تبدیلی" سے بھی بعض حلال اور حرام چیزوں کے حکم کی تبدیلی ہے۔

لہٰذا یہ کہنا غلط نہیں کہ وَاِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ سے مراد یہ ہے کہ جب ہم ایک حکم کو دوسرے حکم سے بدل دیتے ہیں اور مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا سے مراد یہ ہے کہ ہم جس حکم کو منسوخ یا موخر کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل کرتے ہیں۔

حکم میں تاخیر کی بہترین مثال کے لئے تحویل قبلہ کو پیش کیا جا سکتا ہے کیونکہ خدا کعبہ شریف کو ابتداء ہی سے قبلہ بنانا چاہتا تھا لیکن حضرت موسیٰ کے دور میں معروضی حالات کی وجہ سے اس نے بیت المقدس کو قبلہ ہونے کا شرف بخشا اور اس میں بنی اسرائیل کی صلاح و فلاح مضمر تھی۔ بیت المقدس چونکہ خدا کی طرف سے عارضی طور پر قبلہ مقرر ہوا تھا اس لئے خدا نے اس حکم کو منسوخ کر کے کعبہ شریف کو دائمی قبلہ مقرر کر دیا۔ اور کعبہ کا قبلہ ہونا کہیں بہتر و برتر ہے۔

اسی طرح ایک آیت کے ذریعے دوسری آیت کو تبدیل کرنے سے مراد ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم نازل کرنا ہے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ احکام کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ احکام معروضی حالات کے لئے ہوتے ہیں اور کچھ احکام دائمی اور ابدی ہوتے ہیں اور معروضی احکام میں تبدیلی اور منسوخی ہوتی رہتی ہے جبکہ ابدی احکام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ انسان ساز احکام دائمی اور ابدی ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (اے رسولؐ) آپ اپنا رخ دین حنیف کی طرف رکھیں۔ یہ دین فطرت الٰہی ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی (فطرت) میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (سورۂ روم آیت ۳۰)

شریعت میں انسانوں کی فطرت کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ مثلاً احکام رضاعت کو دیکھیں کہ وہ فطری قانون کے عین مطابق ہیں۔ ارشاد اقدس الٰہی ہے وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۳۳)

دو سال تک دودھ پلانا ہی نظام فطرت ہے اور یہی حکم الٰہی ہے۔ ہر ماں اپنے بچے کو دو سال تک دودھ پلائے اور یہ حکم تمام ماؤں کے لئے ہے خواہ کوئی ماں پتھر کے زمانے کی ہو یا موجودہ دور کی۔ خواہ دیہاتی ہو یا شہری اور خواہ پہاڑوں میں رہتی ہو یا ریگستانوں میں۔

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم پر روزہ فرض کیا، قصاص فرض کیا اور سود حرام کیا۔ مذکورہ احکام ہر دور میں اور ہر شریعت میں برقرار رہے۔ ان میں کوئی نسخ و تبدیلی واقع نہیں ہوئی جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے۔ (آیت ۱۸۳) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا۔ (آیت ۱۷۸) وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا خدا نے تجارت کے لئے سودے کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔ (آیت ۲۷۵)

غرضیکہ انسانی فطرت کے مناسب جتنے بھی احکام تھے ان میں کسی بھی شریعت میں کوئی رد و بدل نہیں کیا گیا۔ یہ احکام کو قرآن حکیم میں وصی اللہ، یوصیکم اللہ اور کتب اور کتابا جیسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ جو احکام کسی قوم کے مخصوص حالات کے تحت فرض کئے گئے تھے جب ان کی ضرورت باقی نہ رہی تو نئی شریعت میں انہیں منسوخ کر دیا گیا اور یہ کہ ایسے احکام کی منسوخی کے لئے جدید شریعت کی بھی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ ایک ہی نبی کے دور میں سابقہ احکام کو منسوخ کر دیا گیا مثلاً ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ قائم کیا گیا۔ اس رشتے کی بنا پر مہاجر، انصاری کا اور انصاری، مہاجر کا وارث قرار پاتا تھا جیسا کہ ارشاد قدس الٰہی ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا ۔۔۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے

مال و جان سے راہ خدا میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی جب تک وہ ہجرت نہ کریں ان کی سرپرستی تمہارے ذمے نہیں ہے ... اور جو لوگ کافر ہیں وہ بھی ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ (سورۂ انفال آیت ۷۲۔۷۳)

اس آیت میں مہاجرین اور انصار کو ایک دوسرے کے "اولیاء" قرار دیا گیا ہے اور اس ولایت میں میراث بھی شامل تھی۔ پھر کچھ عرصے کے بعد جیسے ہی حالات بہتر ہوئے تو مہاجرین اور انصار کی باہمی میراث ختم کر دیا گیا اور میراث صرف رشتے داروں کے لئے خاص کر دی گئی۔ چنانچہ اگلی ہی آیت میں اس منسوخی کا حکم آیا ہے۔ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ خدا کے حکم کی رو سے رشتے دار ایک دوسرے کی میراث پانے کے زیادہ حقدار ہیں۔

یہود چند احکام میں تبدیلی کی وجہ سے سرکار دو عالم پر اعتراض کرتے تھے لیکن خدا نے بتایا کہ یہ سب ان کے حیلے بہانے ہیں ورنہ جس شریعت کی تقدیس کے وہ گن گاتے ہیں اسی شریعت کے حامل ایک گروہ انبیاء کو انہوں نے قتل کیا تھا اور ایک گروہ انبیاء کو جھٹلایا تھا۔ وَقَتْلَهُمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ... الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ○ اور یہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں ... اور انہوں نے کہا کہ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب تک کوئی پیغمبر ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جس کو آگ آ کر کھا جائے تب تک ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (اے رسولؐ) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھ سے پہلے کئی پیغمبر تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے اور وہ معجزہ بھی لائے جو تم کہتے ہو تو پھر اگر سچے ہو تو تم نے ان کو قتل کیوں کیا تھا؟ پھر اگر یہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر کھلی ہوئی نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آ چکے ہیں اور لوگوں نے ان کو بھی جھٹلایا تھا۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۸۱۔۱۸۴)

تورات میں حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت کا تذکرہ بھی تھا اور جب آپ مبعوث ہوئے تو خدا نے قرآن سے تورات کے بعض احکام کی تائید بھی فرمائی مگر اس کے باوجود یہودیوں نے اپنے نسلی تعصب کی وجہ سے بعثت محمدی کا انکار کیا اور قرآن مجید کو جھٹلایا اور کہا کہ ہم تو صرف تورات کے احکامات ہی مانیں گے۔ انجیل اور قرآن سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلے معجزات دے کر بھیجا ہے اور ایسے معجزات کا انکار صرف فاسق ہی کر سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں ہم نے جو قبلہ تبدیل کیا ہے اس پر انھیں ناک بھوں نہیں چڑھانا چاہیے کیونکہ کعبہ شریف تو قبلہ بنایا جانا کہیں بہتر ہے۔ اور ویسے بھی ہمارا یہ قانون ہے کہ جب بھی ایک حکم کو منسوخ یا موخر کرتے ہیں تو اس سے بہتر حکم جاری کرتے ہیں۔ تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے، وہ جو چاہے کرے۔

بعد ازاں خدا نے اپنے حبیبؐ کو اہل کتاب کے دل کا حال بتاتے ہوئے فرمایا کہ اہل کتاب آپ سے راضی نہیں ہوں گے تاوقتیکہ آپ اپنی شریعت کو چھوڑ کر ان کی شریعت کی پیروی نہ کریں۔

اس بات کو خدا نے سورۂ بنی اسرائیل میں بھی بیان فرمایا ہے۔ ارشاد اقدس الٰہی ہے

واٰتینا موسی الکتاب وجعلناہ ھدی لبنی اسرآءیل یعنی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت قرار دیا۔ اور ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم یعنی یقیناً یہ قرآن سب سے زیادہ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

انسانی اعمال کا بدلہ

دنیا میں انسانی اعمال کا بدلہ

اس دنیا میں فطرت کے قوانین اٹل ہیں۔ آدمی جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ گندم از گندم بروید جو ز جو۔ اس مثال سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے اچھے برے اعمال کے اثرات اس دنیا میں بھی مرتب ہوتے ہیں۔ بہت سے اچھے اعمال ایسے ہیں جن کا بدلہ آخرت کے علاوہ اس دنیا میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً صلہ رحم کے متعلق حدیث رسولؐ ہے کہ صِلَةُ الرَّحِمِ تَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ وَتَنْفِي الْفَقْرَ یعنی صلہ رحم کرنے سے عمر بڑھتی ہے اور غریبی دور ہوتی ہے۔

ایک اور حدیث شریف ہے کہ صِلَةُ الرَّحِمِ تَزِيْدُ فِي الْعُمُرِ، وَصَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ، وَإِنَّ قَطِيْعَةَ الرَّحِمِ وَالْيَمِيْنَ الْكَاذِبَةَ لَتَذَرَانِ الدِّيَارَ بَلَاقِعَ مِنْ أَهْلِهَا وَيُثْقِلَانِ الرَّحِمَ، وَإِنَّ تَثَقُّلَ الرَّحِمِ انْقِطَاعُ النَّسْلِ یعنی صلہ رحم کرنے سے عمر بڑھتی ہے اور چھپ کر صدقہ دینے سے خدا کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے۔ قطع رحم کرنا اور جھوٹی قسم کھانا بستے بستے گھروں اور شہروں کو ویران کر دیتے ہیں اور کوکھ کو اجاڑ دیتے ہیں اور کوکھ کا اجڑنا نسل کا منقطع ہونا ہے۔[1] صدقہ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی برے عمل کی وجہ سے جانی یا مالی نقصان کا مستحق بن جاتا ہے تو اگر اس حالت میں وہ چھپ کر صدقہ دے تو خدا کی آتش غضب بجھ جاتی ہے اور دنیاوی عذاب ٹل جاتا ہے۔ لفظ بلاقع، بَلْقَع کی جمع ہے اور بَلْقَعَة اجاڑ اور ویران زمین کو کہا جاتا ہے۔[2]

اسی مفہوم کو حضرت امیر المومنینؑ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ وَصِلَةُ الرَّحِمِ فَإِنَّهَا مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ مَنْسَأَةٌ فِي الْأَجَلِ وَصَدَقَةُ السِّرِّ فَإِنَّهَا تُكَفِّرُ الْخَطِيْئَةَ[3] یعنی صلہ رحم کرنے سے مال بڑھتا ہے اور موت ٹل جاتی ہے اور چھپا کر صدقہ دینے سے خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ آپ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے وَصِلَةُ الرَّحِمِ مَنْمَاةٌ لِلْعَدَدِ[4] یعنی صلہ رحم کثرت اولاد کا باعث ہے۔

۱۔ مادۂ الرحم، سفینۃ البحار۔
۲۔ مادۂ بلقع، نہایۃ اللغۃ۔
۳۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۰۸۔
۴۔ نہج البلاغہ، حکمت ۲۵۲۔

ہم نے بچشم خود اس حقیقت کا مشاہدہ کیا ہے کہ صلہ رحم (رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک) کرنے والوں کو خدا نے رزق اور اولاد کی کثرت سے نوازا ہے اور قطع رحم (رشتے داروں کے ساتھ بدسلوکی) کرنے والوں کو رزق اور اولاد کی کمی کا منہ دیکھنا پڑا ہے جزائے اعمال کا یہ منظر بھی دیکھا گیا ہے کہ دو تاجروں کے پاس ایک ہی جنس تھی لیکن ایک تاجر کو اس سے فائدہ ہوا اور دوسرے کو نقصان اٹھانا پڑا یعنی ایک ہی جنس کی وجہ سے ایک خوش نصیب قرار پایا اور دوسرا بدنصیب ٹھہرا۔ جب دونوں تاجروں کے نجی حالات معلوم کئے گئے تو پتا چلا کہ جس تاجر کو منافع ہوا تھا وہ صلہ رحم کرتا تھا اور یوں خدا نے صلہ رحم کا کچھ نہ کچھ بدلہ اسے دنیا میں دے دیا اور قطع رحم کرنے والے کو بھی ہلکی سی سزا اس دنیا میں دے دی۔ یقیناً کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا بدلہ خدا اس دنیا میں عطا کرتا ہے اور اس سلسلے میں مسلمان اور کافر کی بھی تخصیص نہیں ہے۔

انسانی اعمال کی خدا کے ہاں تو جزا ہے ہی مگر خدا نے مخلوق میں بھی اس کی جزا مقرر کر رکھی ہے۔ بہرحال ہر انسان کو اس کی محنت کا ثمر ضرور ملتا ہے کیونکہ خدا کا فرمان ہے وان لیس للانسان الا ماسعی ○ اور انسان کے لئے اتنا ہی بدلہ ہے جتنی اس نے کوشش کی ہے۔ (سورۂ نجم آیت ۳۹)

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں یہ بات واضح فرمائی ہے کہ جو شخص دنیا کے لئے عمل کرتا ہے اسے دنیا میں ہی اس کا پھل مل جاتا ہے اور جو شخص آخرت کے لئے عمل کرتا ہے اسے آخرت میں اس کی جزا ملے گی۔ ومن یرد ثواب الدنیا نؤتہ منھا ومن یرد ثواب الآخرۃ نؤتہ منھا وسنجزی الشاکرین ○ اور جو دنیا میں بدلے کا خواہشمند ہوگا اسے ہم دنیا میں بدلہ دے دیں گے اور جو آخرت کے بدلہ کا طالب ہوگا اسے ہم آخرت کا ثواب دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو عنقریب (بہت اچھا) بدلہ دیں گے۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۴۵)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من کان یرید الحیاۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون ○ اولئک الذین لیس لھم فی الآخرۃ الا النار جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتے ہیں ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ اسی دنیا میں دے دیتے ہیں اور کسی طرح کی کمی نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آتش (جہنم) کے سوا اور کچھ نہیں۔ (سورۂ ہود آیت ۱۵ و ۱۶)

اسی مفہوم کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیھا ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا لہ جھنم یصلھا مذموما مدحورا ○ ومن اراد الآخرۃ وسعی لھا سعیھا وھو مؤمن فاولئک کان سعیھم مشکورا ○ کلا نمد ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا ○ جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا طلبگار ہے ہم جلدی سے اس کے لئے جو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور پھر اس کے بعد اس کے لئے جہنم ہے جس میں وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ داخل ہوگا۔ اور جو شخص آخرت کا خواہشمند ہے اور اس کے لئے تگ و دو بھی کرتا ہے جتنی کرنی چاہیے اور مومن بھی ہے تو اس کی کوشش یقیناً

مقبول قرار دیدی جائے گی۔ ہم ان کو اور ان کو سب کو آپ کے رب کی بخشش سے مدد کرتے ہیں اور آپ کے رب کی بخشش (کسی مومن یا کافر سے) رکی ہوئی نہیں۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۸ تا ۲۰)

لغوی تشریح

1. وفّت الیہم — وفی لہ یعنی اس نے اس کا پورا حق اسے دیدیا اور کوئی حق تلفی نہیں کی۔
2. لایبخسون — بخس الکیل والمیزان یعنی ناپ تول میں کمی کرنا۔
3. بخس فلانٌ حقہ — یعنی فلاں نے اس کے حق کی ادائگی میں کوتاہی کی۔
4. محظورا — حظر الشیء یعنی کسی چیز کو روک دیا۔ محظورا یعنی ممنوع چیز۔

دنیا اور آخرت میں اعمال کا بدلہ

کچھ اعمال ایسے ہیں جن کی جزا اس دنیا میں ملتی ہے اور کچھ اعمال ایسے ہیں جن کی جزا صرف آخرت میں ملے گی۔ مثلاً شہادت ایک ایسا عمل ہے جس کی جزا شہید اس دنیا میں پا ہی نہیں سکتا۔ اس کی جزا اسے صرف آخرت میں ہی ملے گی۔ ولا تحسبنّ الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاءٌ عند ربہم یرزقون ○ فرحین بما آتاہم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بہم من خلفہم الا خوفٌ علیہم ولا ہم یحزنون ○ یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضلٍ وانّ اللہ لا یضیع اجر المؤمنین ○ اور کہیں تم یہ نہ سمجھنا کہ جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں وہ مردہ ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں۔ جو کچھ خدا نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے اس پر خوش ہیں اور جو ابھی تک ان سے ملحق نہیں ہوئے ان کیلئے بشارت طلب ہیں کہ ان کو بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ اپنے رب کی نعمت اور فضل کو پاکر خوش ہیں اور بے شک خدا مومنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱)

جس طرح سے شہید اپنی جزا قبر اور حشر میں پاتا ہے اسی طرح سے مومن کے قاتل کی اصل سزا بھی عالم برزخ اور آخرت سے ہی شروع ہوتی ہے۔ فرمان قدرت ہے ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدّ لہ عذاباً عظیماً ○ جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور خدا اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس نے اس کے لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (سورۂ نساء: آیت ۹۳)

اگر کوئی شخص خدا پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور دوستان خدا کو دوست رکھتا ہو اور خدا اسے کسی جسمانی معذوری میں مبتلا کردے مثلاً اسے اندھا یا بہرا یا لنگڑا کردے اور وہ اس معذوری پر صبر کرے تو خدا اس کو

آخرت میں بہت ثواب عطا فرمائے گا۔ اسی طرح سے اگر کسی مومن کو کافر سے اذیت پہنچے تو خدا آخرت میں ضرور اس کی تلافی کرے گا اور ایسی نعمتیں عطا کرے گا جس کے سامنے دنیا کی نعمتیں ہیچ ہیں۔[1]

جزائے عمل صرف جہانِ فانی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس جہان کے بعد بھی اس کے کئی مراحل ہیں۔

آخرت میں اعمال کا بدلہ

ایک کاشتکار موسمِ سرما میں گندم، جو، اور سبزیاں کاشت کرتا ہے۔ پھر موسمِ گرما میں انہیں کاٹتا ہے اور ان سے مستفید ہوتا ہے۔ ایک اور کاشتکار انگور، انجیر، زیتون وغیرہ کاشت کرتا ہے اور تین چار سال بعد ان کا پھل حاصل کرتا ہے۔ جب کہ ایک اور کاشتکار کھجور یا اخروٹ لگاتا ہے اور آٹھ دس سال بعد اسے ان کا پھل ملتا ہے۔ بالکل اسی طرح سے انسان زمین میں بیج بوتا ہے اور مسلسل محنت کرتا ہے تو خدا اس کی محنت رائیگاں نہیں کرتا اور اسے اس کی محنت کا پھل ضرور دیتا ہے۔ پھر وہ اس محنت کا پھل خود بھی کھاتا ہے اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی کھلاتا ہے اور اپنے جانوروں کو بھی اس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دیتا ہے۔ یقیناً یہ خدا کی شانِ رزاقیت کی دلیل ہے جیسا کہ ارشادِ اقدس الٰہی ہے

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ بیشک خدا رزق دینے والا قوت رکھنے والا (اور) مضبوط ہے۔ (سورہ ذاریات آیت ۵۸) اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ○ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا۔ (سورہ روم آیت ۴۰) وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ○ اور مفلسی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ (سورہ انعام آیت ۱۵۲) وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ○ زمین پر چلنے والے کتنے ہی جاندار ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ خدا ان کو بھی رزق دے رہا ہے اور تم کو بھی رزق دے رہا ہے۔ (سورہ عنکبوت آیت ۶۰) وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ○ خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر (حصولِ) رزق میں فضیلت بخشی ہے۔ (سورہ نحل آیت ۷۱)

خدا نے رزق روزی کے لئے زمین پیدا کی ہے اور پانی کے لئے دریا بہائے ہیں۔ اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ زمین میں ہل چلائے اور اناج لگائے۔ اپنی فصل کو پانی دے اور کیڑوں سے بچائے اور جب اس کی فصل تیار ہو جائے تو اسے کاٹ لے اور پھر کھائے۔

زمین اور اس سے حاصل ہونے والے رزق کی مثال ایک ایسے "سیلف سروس ریسٹوران" کی ہے جہاں لوگ آتے ہیں اور پلیٹ میں کھانا وغیرہ خود ڈالتے ہیں۔ لوگوں کو ریسٹوران میں کھلی اجازت ہے کہ وہ

۱۔ شیخ صدوق۔ ثواب الاعمال۔ حدیث ۲۱۔

جو ڈش پسند کریں کھا سکتے ہیں لیکن اگر کوئی کاہل ایسے ریستوراں میں جائے اور پلیٹ کو ہاتھ تک نہ لگائے تو وہ اس نعمت کدہ میں محروم ہی بیٹھا رہے گا کیونکہ اس ریستوراں کی خصوصیت "سیلف سروس" ہے۔ یاد رکھیں کہ صاحب الطاف عمیم خدا نے فرش زمین پر اپنا خوان کرم بچھایا ہوا ہے چنانچہ انسان کو چاہئے کہ وہ "سیلف سروس" کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے اس خوان کرم سے استفادہ کرے۔ چونکہ ریستوراں میں بہت کچھ موجود ہے اس لئے اگر کوئی ریستوراں میں سے ایسی چیز کا انتخاب کرے جو اس کے لئے مضر ہو تو اس کی ذمہ داری اس شخص پر عائد ہوگی، ریستوراں کا مالک اس کا ذمے دار نہیں ہوگا۔ خدا نے سچ فرمایا ہے کہ

۱۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝ خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے اور اس نے تمہارے لئے کشتیوں (اور جہازوں) کو مسخر کردیا کہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں نیز تمہارے لئے دریاؤں کو مسخر کردیا اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) ایک دستور پر چل رہے ہیں۔ اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا۔ (سورۂ ابراہیم آیت ۳۲،۳۳)

۲۔ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ خدا ہی نے (بارش) آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا۔ بے شک اس میں بات سننے والوں کے لئے نشانی ہے۔ اور تمہارے لئے حیوانوں میں بھی ایک سبق ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور خون ہے اس کے درمیان سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔ کھجور اور انگور کے میووں میں کہ جس سے تم شراب بناتے ہو اور بہترین غذا (کھاتے ہو) بلاشبہ عقلمندوں کے لئے (قدرت خدا کی) نشانی موجود ہے۔ اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کر رکھی ہے کہ پہاڑوں اور درختوں میں اور اونچی اونچی ٹٹیوں میں اپنے چھتے بنائے، ہر قسم کے پھل کھائے اور تابعداری کے ساتھ اپنے رب کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے۔ اس کے پیٹ سے جو مشروب نکلتا ہے اس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے۔ اور اس میں غور کرنے والوں کے لئے ایک نشانی ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۶۵ تا ۶۹)

لغوی تشریح

۱۔ دائبین داب الشیء کسی چیز کا مسلسل جاری رہنا۔ داب یعنی مستقل عادت۔ سورج اور چاند کو ان کی مسلسل حرکت کی بنا پر دائبین کہا گیا ہے۔

۲۔ طرفۃ کوبر۔

۳۔ یعرشون عرش الکرم انگور کی بیل کو لکڑی پر یا ٹٹی پر چڑھایا۔ کھجور سے بنے ہوئے چھپر کو بھی "عرش" کہا جاتا ہے۔

حلال اور حرام کی تفریق

رزق دینے والے رب نے انبیاء کرام، اوصیاء عظام اور علماء اعلام کی وساطت سے اپنی نعمت پر ایمان رکھنے والے انسانوں کو اپنی نعمتوں سے مستفید ہونے کی تعلیم دی اور ان کو بتایا کہ اس نعمت میں سے کون سی غذائیں مفید ہیں اور کون سی غذائیں مضر ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خوان کرم پر بیٹھنے والوں کو یہ درس دیا:

۱۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اے ایمان والو! جو رزق تم کو دیا ہے اس میں سے پاک چیزیں کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۷۲)

۲۔ یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَآ اُحِلَّ لَھُمْ قُلْ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ (اے رسولؐ) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ تم پر پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ (سورۂ مائدہ آیت ۴)

۳۔ خدا نے سورۂ اعراف میں اپنے حبیب کریمؐ کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وہ پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے۔ (آیت ۱۵۷)

جس رب نے ہمیں خلق کیا ہے اور جس نے اپنی بہت سی مخلوق کو ہمارے فائدے کے لیے مسخر کیا ہے اس نے ہمارے کھانے کے لیے پاک چیزیں پیدا کی ہیں اور وہی ہماری کاشتکاری کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ ہمیں اس محنت کا پھل عطا کرتا ہے۔ یقین جانیے جو رب ہماری محنت کو ضائع نہیں کرتا وہ ہمارے ان اعمال کو بھی رائیگاں نہیں کرے گا جو ہم عالم آخرت کے لیے انجام دیتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے

۱۔ وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّھُمُ اللّٰہُ رِزْقًا حَسَنًا جن لوگوں نے راہ خدا میں ہجرت کی پھر قتل کر دیے گئے یا مر گئے خدا ضرور انہیں رزق حسن دیتا ہے۔ (سورۂ حج آیت ۵۸)

۲۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ شَیْئًا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَہٗ بِالْغَیْبِ اِنَّہٗ کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا ۝ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا وَلَھُمْ رِزْقُھُمْ

فیها بکرۃً وَّ عشیًّا ○ ہاں جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ہمیشہ رہنے والی جنت میں جس کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے (اور جو ان کے لئے) غیب ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ (نیکوکاروں کے سامنے) آنے والا ہے۔ وہاں وہ خیر سلامتی کے سوا کوئی فضول بات نہ سنیں گے اور انہیں صبح وشام رزق دیا جائے گا۔ (سورۂ مریم آیت ۶۰ تا ۶۲)

رب تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو اس کے عمل کا بدلہ اس دنیا میں بھی ملے اور آخرت میں بھی ملے۔ یہ مفہوم متعدد جگہ بیان ہوا ہے مثلاً

۱۔ فمن یّعمل مثقال ذرّۃٍ خیرًا یّرہٗ ○ ومن یّعمل مثقال ذرّۃٍ شرًّا یّرہٗ ○ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھے گا۔ (سورۂ زلزال آیت ۷، ۸)

۲۔ فالیوم لا تظلم نفسٌ شیئًا وّلا تجزون الّا ما کنتم تعملون ○ آج کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔ (سورۂ یٰس آیت ۵۴)

قدرت کا قانون ہے کہ گندم از گندم بروید جو ز جو۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے: وان لّیس للانسان الّا ما سعٰی ○ وانّ سعیہٗ سوف یُرٰی ○ انسان کے لئے اتنا ہی ہے جتنی اس نے کوشش کی ہے۔ اور اس کی کوشش عنقریب اس کے سامنے پیش کردی جائے گی۔ (سورۂ نجم آیت ۳۹-۴۰)

انسان اپنے اعمال کا بدلہ صرف دنیا میں ہی نہیں پاتا بلکہ ان پانچ عوالم میں بھی اسے بدلہ دیا جائیگا۔

(۱) نزع میں (۲) قبر میں (۳) حشر میں (۴) جنت یا جہنم میں (۵) اول میں

(۱) نزع میں اعمال کا بدلہ

عالم نزع، عالم آخرت کا پہلا مرحلہ ہے۔ موت کے متعلق ارشاد باری ہے وَجاءت سکرۃُ الموت بالحقّ ذالک ما کنت منہ تحید ○ اور جاں کنی کا لمحہ یقیناً آکر رہے گا کہ جس سے تم بھاگ جانا چاہتے ہو (سورۂ ق آیت ۱۹) قل یتوفّاکم مّلک الموت الّذی وُکّل بکم ثمّ الٰی ربّکم ترجعون ○ (اے رسول!) آپ کہہ دیجئے کہ موت کا جو فرشتہ تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تمہاری جان نکال لیتا ہے اور تم اپنے رب کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ (سورۂ سجدہ آیت ۱۱)

ملحد افراد عام طور پر قرآن مجید کی تضاد بیانی ثابت کرنے کیلئے مندرجہ ذیل آیات پیش کرتے ہیں

اَللّٰہ یتوفّی الانفس حین موتھا جب موت آپہنچتی ہے تو خدا جانوں کو لے لیتا ہے۔ (سورۂ زمر آیت ۴۲) یتوفّاکم مّلک الموت الّذی وُکّل بکم موت کا جو فرشتہ تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ تمہاری جان نکال لیتا ہے۔ (سورۂ سجدہ آیت ۱۱) الّذین تتوفّاھم الملآئکۃ ظالمی انفسھم جب فرشتے ان کی جان

نکالے گئے ہیں۔ (سورہ نحل آیت ۲۸، ۳۲) **اذا جاء احدکم الموت توفتہ رسلنا** جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں۔ (سورۂ انعام آیت ۶۱)

مذکورہ آیات پڑھ کر یہ سوال قائم کیا جاتا ہے کہ پہلی آیت میں جان نکالنے کی نسبت خدا کی طرف اور دوسری آیت میں ملک الموت حضرت عزرائیل کی طرف اور دیگر آیات میں فرشتوں کی طرف ہے اور یہ (نعوذ باللہ) کھلا تضاد ہے۔

اس سلسلے میں ہم یہ عرض کریں گے کہ تینوں نسبتیں اپنے اپنے مقام پر درست ہیں۔ آئمہ علیہم السلام نے اس کی مثال یوں دی کہ ایک بادشاہ نے کسی مقام پر شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ اس کے وزیر تعمیرات نے شہر بنانے کے کام کی نگرانی کی اور مزدوروں نے اس شہر کو بنایا۔ شہر بن جانے کے بعد اگر کوئی شخص یوں کہے کہ بادشاہ نے یہ شہر بنایا ہے تو وہ بھی سچا ہوگا اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مزدوروں نے یہ شہر بنایا ہے تو وہ بھی سچا ہوگا اور اگر کوئی یوں کہے کہ یہ شہر وزیر نے بنایا ہے تو وہ بھی سچا ہوگا۔

یہی حال موت کی نسبتوں کا ہے۔ موت کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا اس کی طرف موت کی نسبت دی جائے تو یہ صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عزرائیل کو موت کے شعبے کا نگران مقرر کیا ہے لہٰذا اگر کوئی کہے کہ موت کا فرشتہ خدا کے اذن سے موت دیتا ہے تو یہ بھی صحیح ہے۔ حضرت عزرائیل کے ماتحت فرشتے روحیں قبض کرتے ہیں لہٰذا اگر کوئی کہے کہ فرشتے موت دیتے ہیں تو یہ بھی صحیح ہے۔ ان تینوں نسبتوں میں کوئی تضاد نہیں۔

موت عالم آخرت کا پہلا مرحلہ ہے اور جیسے ہی یہ مرحلہ شروع ہوتا ہے انسان سے اعمال کی آزادی چھین لی جاتی ہے۔ اس وقت اس کی سزا و جزا کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے اور عالم آخرت کے اس پہلے مرحلے پر جو چیز انسان کی مددگار ہوتی ہے اس کا تذکرہ شیخ صدوق نے اپنی سند کے ساتھ رسول خدا کی اس روایت سے کیا ہے **صوم رجب یھون سکرات الموت**۔ رجب کا روزہ جان کنی کے لمحات کو آسان بنا دیتا ہے۔[1]

موت اگرچہ ہر جاندار پر وارد ہوتی ہے مگر مرنے کی کیفیت کے اعتبار سے لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔

فاما ان کان من المقربین ○ فروح وریحان وجنت نعیم ○ واما ان کان من اصحاب الیمین ○ فسلام لک من اصحاب الیمین ○ واما ان کان من المکذبین الضالین ○ فنزل من حمیم ○ وتصلیۃ جحیم ○ پھر اگر مرنے والا مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے آسائش، خوشبودار پھول اور نعمت سے بھری جنت ہے۔ اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے تو (کہا جائے گا کہ) تجھ پر دائیں ہاتھ والوں کی طرف سے سلام ہے۔ اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے تو (اس کے لئے) کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی اور دوزخ میں جلنے کی سزا ہے۔ (سورۂ واقعہ آیت ۸۸ تا ۹۴)

۱۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال۔ حدیث ۳۳۳ باب ثواب صوم رجب۔

اب دیکھیں کہ مختلف درجوں یعنی مقربین اور اصحاب یمین کی موت کے متعلق قرآن مجید کیا فرماتا ہے؟

یا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ ○ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○ اے مطمئن نفس! اپنے رب کی طرف پلٹ آ۔ اس عالم میں کہ تو اس سے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ پھر میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ (سورۂ فجر آیت ۲۷ تا ۳۰)

آیئے دیکھیں کہ موت کے وقت دوسرے گروہ کی کیا حالت ہوگی؟ ارشاد رب العزت ہے

حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ○ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آ گئی تو کہنے لگا کہ اے میرے رب مجھے واپس (دنیا میں) بھیج دے تاکہ میں جو (دنیا) چھوڑ آیا ہوں اس میں جا کر نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو بس باتیں ہی بنا رہا ہوگا۔ اور ان کے پیچھے ایک برزخ ہے جہاں وہ دوبارہ اٹھائے جانے تک رہیں گے۔ (سورۂ مومنون آیت ۹۹ و ۱۰۰)

لغوی تشریح

۱۔ یتوفی وفاہ حقہ یعنی اس نے اسے اس کا پورا پورا حق دیا۔ توفاہ یعنی اس نے اسے پورا وصول کیا اور توفی اللہ یا توفی ملک الموت الانسان کے معنی ہیں موت کی وجہ سے انسان کی جان نکلنا۔ توفا اللہ وقت النوم یعنی خدا نے اسے نیند میں موت دی۔ نیند کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس میں حواس معطل ہو جاتے ہیں اور سویا ہوا آدمی مرے ہوئے آدمی کی مانند ہو جاتا ہے۔

۲۔ حَمِیْم: کھولتا ہوا پانی۔

۳۔ تصلیۃ صَلَی الشَّیْءَ یعنی اس نے ایک چیز کو آگ میں جھونک دیا۔ صلاہ النار کے معنی ہیں آگ نے اسے بھسم کر ڈالا۔ تصلیۃ جحیم کا مطلب ہے دوزخ کی آگ میں جھونک دینا۔

۴۔ برزخ دو چیزوں کے درمیان حد فاصل۔

موت دنیاوی زندگی کا اختتام اور اخروی زندگی کا آغاز ہے۔ موت کے بعد کے واقعات اور حالات جاننے کے لئے انسانوں کے پاس صرف انبیائے کرام کی تعلیمات ہیں۔ اس کے سوا ہمارے پاس عالم برزخ اور حشر کی کیفیت جاننے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔ انبیائے کرام کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے

اگر مرنے والا شخص انبیائے کرام کی تصدیق کرتا ہے اور ان کی تعلیمات کے مطابق اللہ کی صفات اور شریعت پر ایمان لاتا ہے تو وہ موت اور موت کے بعد کے مراحل میں راحت محسوس کرے گا۔ انبیائے کرام نے حیات بعد موت کے جو کیف و کم بیان کئے ہیں ان کا قیاس ہم اپنے مشاہدات پر نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے حواس صرف دنیاوی محسوسات کو دیکھ سکتے ہیں جب کہ موت کے بعد کی دنیا ہماری دنیا سے قطعاً مختلف ہے۔

ابھی آپ نے یہ حدیث رسولؐ پڑھی کہ رجب کا روزہ جاں کنی کے سکرات کو آسان بنا دیتا ہے۔ امام جعفر صادقؑ کا یہ فرمان مبارک کتنا معنی خیز ہے کہ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ ذٰلِكَ حَاجَةٌ تُجْحِفُ بِهِ أَوْ مَرَضٌ لَا يُطِيقُ فِيهِ الْحَجَّ أَوْ سُلْطَانٌ يَمْنَعُهُ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا یعنی جو مسلمان کسی شرعی عذر کے بغیر خانہ کعبہ کا حج نہ کرے تو (ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں) کہ وہ یہودی مرے یا نصرانی۔[1]

(۲) قبر میں اعمال کا بدلہ

کتب حدیث اس بات سے بھری ہوئی ہیں کہ ہر انسان کے مرنے کے بعد اس کی قبر میں دو فرشتے آتے ہیں جو اس سے اس کے عقائد کے متعلق سوال جواب کرتے ہیں۔[2]

ہر انسان کو قبر میں اس کی خوش اخلاقی، بداخلاقی اور دیگر اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے اور قبر یا تو اس کے لئے جنت کا باغ ہوتی ہے یا پھر جہنم کا گڑھا۔[3]

پیشاب کے چھینٹوں کی پروا نہ کرنے والے اور چغل خور کو قبر کا عذاب دیا جاتا ہے۔[4]

خوش اخلاق شخص کا ثواب قبر سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور آخرت کے باقی مراحل میں بھی وہ اس ثواب سے مستفید ہوتا رہے گا۔[5]

جو شخص رکوع کو پوری طرح بجا لاتا ہے وہ قبر کی تاریکی سے نہیں گھبرائے گا۔[6]

(۳) حشر میں اعمال کا بدلہ

(ا) صور پھونکے جانے کے وقت: روز محشر کا آغاز صور پھونکنے سے ہوگا۔ عربی میں قرنا (بگل) صور کہا جاتا ہے جس میں پھونک ماری جائے تو اس سے آواز پیدا ہو۔ جیسے کہ ارشاد اقدس الٰہی ہے

۱۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال۔
۲۔ شیخ عباس قمی، سفینۃ البحار مادہ نکر
۳۔ شیخ عباس قمی، سفینۃ البحار مادہ قبر
۴۔ شیخ صدوق ثواب الاعمال، ص ۵۱۵، حدیث۔ صحیح مسلم کتاب الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول، ص ۲۴۰۔ سنن الدارمی، کتاب الطهارة، باب الاتقاء من البول (۱۸۸/۱)۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول (۲۰/۱) سنن ابن ماجہ، کتاب الطهارة، باب التشديد في البول (۲۳/۱) ۱۲۵۔ مسند احمد بن حنبل (۲۲۵/۱، ۲۲۲/۵) صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من الكبائر ان لا يستتر من بوله (۶۴/۱) و كتاب الادب، باب الغيبة (۲۰/۸) باب النميمة من الكبائر منه (۲۱/۸)۔
۵۔ ثواب الاعمال، باب ثواب ادخال السرور على الاخ المؤمن۔
۶۔ شیخ عباس قمی سفینۃ البحار (۵۲۳/۱)۔ مادہ رکع۔

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ○ جب صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق بیہوش ہو کر پڑے گی سوا اس کے جس کو خدا (رکھنا) چاہے گا۔ پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔ (سورۂ زمر آیت ۶۸)

ایک حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے جس کی آواز سن کر آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق مر جائے گی سوائے ان کے جن کو خدا زندہ رکھنا چاہے گا یعنی حاملین عرش، حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل اور حضرت عزرائیل۔

اس وقت خدا ملک الموت سے پوچھے گا کہ اب کون باقی رہ گیا ہے؟ جب کہ خدا کو خود بہتر علم ہوگا۔ عزرائیل عرض کریں گے کہ خدایا! اس وقت ملک الموت، حاملین عرش اور جبرئیل و میکائیل رہ گئے ہیں۔ ارشاد ہوگا کہ ان دونوں سے کہہ دو کہ وہ بھی مر جائیں۔ اس کے بعد عزرائیل دونوں کی روح قبض کر لیں گے اس کے بعد خدا پوچھے گا کہ اب کون باقی بچ گیا ہے؟ عزرائیل عرض کریں گے کہ خدایا! ملک الموت و حاملین عرش باقی بچ گئے ہیں۔ اس وقت خدا فرمائے گا کہ حاملین عرش سے کہو کہ وہ بھی مر جائیں۔ چنانچہ عزرائیل ان کی روحیں بھی قبض کر لیں گے۔ اس کے بعد پوچھا جائے گا کہ اب کون بچ گیا ہے؟ عزرائیل کہیں گے کہ خدایا ملک الموت بچ گیا ہے۔ اس وقت خدا فرمائے گا کہ اے ملک الموت! تو بھی مر جا۔ چنانچہ عزرائیل بھی مر جائیں گے تب لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ کی صدا گونجے گی۔ چونکہ کوئی جواب دینے والا اس وقت موجود نہیں ہوگا لہٰذا آواز قدرت آئے گی لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی آج خدائے واحد و قہار کی حکومت ہے۔

پھر دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو ساری مخلوق دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ دوسرے صور کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ○ اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اچھی طرح سے جمع کریں گے۔ (سورۂ کہف آیت ۹۹) وَیَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ وَکُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ ○ اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق ڈر اٹھے گی سوائے اس کے جس کو خدا چاہے اور سب اس کی بارگاہ میں سر جھکائے حاضر ہوں گے۔ (سورۂ نمل آیت ۸۷) وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ ○ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ○ اِنْ کَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ○ فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ اور جب صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف چل کھڑے ہوں گے۔ کہیں گے کہ آخر ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے جگایا ہے۔ بے شک یہی وہ چیز ہے جس کا خدا نے وعدہ

تو وہ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ بس ایک چنگھاڑ کی آواز ہوگی اس کے بعد سب ہماری بارگاہ میں حاضر کیے جائیں گے۔ آج کسی شخص پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔ (سورۂ یٰس، آیت ۵۱تا۵۴)

قرآن کریم فرماتا ہے کہ قیامت کے دن خدا سب لوگوں کو جمع کرے گا

وحشرناھم فلم نغادر منھم احدا ○ ہم سب کو جمع کریں گے اور ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ (سورہ کہف آیت ۴۷) یوم ینفخ فی الصور ونحشر المجرمین یومئذ زرقا ○ جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن ہم مجرموں کو جمع کریں گے اور ان کا رنگ اڑا ہوا ہوگا۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۱۰۲) یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا ○ (قیامت کے) دن متقیوں کو جمع کرکے رحمٰن کی بارگاہ میں احترام سے حاضر کیا جائے گا۔ (سورۂ مریم آیت ۸۵)

لغوی تشریح

۱۔ اتوہ داخرین: سب ذلیل ہوکر خدا کے حضور پیش ہوں گے۔

۲۔ اجداث: قبریں۔

۳۔ ینسلون: نکل کھڑے ہوں گے۔

۴۔ زرقا: زرق لونہ رنگ کا سیاہ وسفید کے درمیان ہونا اور ایسے شخص ازرق کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع زرق ہے۔

۵۔ وفدا: وفد وفدا علی الملک ونحوہ انعام حاصل کرنے کی غرض سے بادشاہ کے پاس جانا۔ ایسے شخص کو وافد کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع وفد اور وفود ہے۔

(ب) روزِ قیامت کے مناظر

۱۔ الا یظن اولئک انھم مبعوثون ○ لیوم عظیم ○ یوم یقوم الناس لرب العالمین ○ کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ (مرنے کے بعد بھی) اٹھائے جائیں گے۔ بڑے (سخت) دن میں۔ جس دن سب رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ (سورۂ مطففین آیت ۴تا۶)

۲۔ یوم یقوم الروح والملائکۃ صفا لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمن وقال صوابا ○ جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے اور کسی کی مجال نہ ہوگی کہ بول سکے سوائے اس کے جسے رحمٰن اجازت دیدے اور وہ صحیح بات کرے۔ (سورۂ نبأ آیت ۳۸)

۳۔ وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○

خدا نے آسمانوں اور زمین کو حق (یعنی عدم) سے پیدا کیا ہے تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (سورۃ جاثیہ آیت ۲۲)

۴۔ وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ○ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ○ ہم نے ہر انسان کی کتاب اعمال اس کی گردن میں لٹکا دی ہے اور قیامت کے دن ہم یہ کتاب سے نکال کر دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ (اس سے کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لو۔ آج تمہارے حساب کے لئے یہی کتاب کافی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۳،۱۴)

۵۔ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ هَٰذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ○ وَقِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ○ ذَٰلِكُم بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ○

ہر قوم اپنی کتاب (اعمال) کی طرف بلائی جائے گی۔ جو اعمال تم کرتے رہے ہو آج تم کو ان کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہماری کتاب تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کر دے گی۔ جو کچھ تم کرتے جاتے تھے ہم لکھتے جاتے تھے۔ اور ان کے اعمال کی برائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان کو گھیر لے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا اسی طرح آج ہم نے تمہیں بھلا دیا ہے اور تمہارا انجام جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ تم نے ہماری آیتوں کا مذاق اڑایا تھا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ سو آج یہ لوگ نہ جہنم سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کو معافی مانگنے کا موقع دیا جائے گا۔ (سورۃ جاثیہ آیت ۲۸،۲۹،۳۳ـ۳۵)

۶۔ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ○ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ○ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ○ پھر جس کو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (خوش خوش دوسروں) سے کہے گا کہ میرا نامۂ اعمال تو پڑھو۔ اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا کہ اے کاش! یہ نامۂ اعمال مجھے نہ دیا جاتا۔ اور مجھے میرا حساب معلوم نہ ہوتا۔ (سورۂ حاقہ: آیت ۱۹،۲۵ـ۲۶)

۷۔ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ○ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ○ وَيَنقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ○ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ○ فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ○ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ○ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ○ إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ○ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ○ جس کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے

آسان طریقہ سے حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے اہل وعیال میں خوش خوش واپس آئے گا۔ اور جس کا نامہ اعمال پشت کی طرف سے دیا جائے گا وہ موت کی تمنا کرے گا اور دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ یہ پہلے اپنے اہل و عیال میں مگن رہتا تھا اور سمجھتا تھا کہ وہ پلٹ کر خدا کی طرف نہیں جائے گا۔ ہاں (ہاں) اس کا رب اس کو دیکھ رہا تھا۔ (سورۂ انشقاق آیت ۷ تا ۱۵)

۹۔ ولا یحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضلہ ھو خیرا لھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ ○ جو لوگ اس مال میں جو خدا نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں کیونکہ یہ تو ان کے لئے برا ہے۔ وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن وہی مال ان کی گردن میں طوق بنا دیا جائے گا۔ (سورۂ آل عمران آیت ۱۸۰)

۱۰۔ ویوم یقوم الاشھاد اور جس دن تمام گواہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (سورۂ مومن آیت ۵)

۱۱۔ ویوم نبعث فی کل امۃ شھیدا علیھم من انفسھم وجئنا بک شھیدا علی ھؤلاء ○ اور جس دن ہم ہر امت کے خلاف اسی میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے اور (اے پیغمبر) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ (سورۂ نحل آیت ۸۹)

۱۲۔ حتی اذا ما جاءوھا شھد علیھم سمعھم وابصارھم وجلودھم بما کانوا یعملون ○ وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شیء وھو خلقکم اول مرۃ والیہ ترجعون ○ یہاں تک کہ (جب دشمنان خدا جہنم کے پاس آئیں گے تو) ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کا (گوشت) پوست سب ان کے خلاف ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ اور وہ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی تو وہ کہیں گے کہ جس خدا نے سب کو گویائی بخشی ہے اسی نے ہم کو بھی گویائی عطا کی ہے۔ اور اسی نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ (سورۂ حم السجدہ آیت ۲۰، ۲۱)

لغوی تشریح

۱۔ طائرہ اچھے اور برے عمل کا کنایہ ہے۔

۲۔ ثبورا ثبر فلان یعنی فلاں ہلاک ہو گیا۔ دعوۃ الثبور یعنی جو شخص تنگ آ کر موت کی تمنا کرے اور واثبوراہ کا نعرہ لگا رہا ہو۔

۳۔ سیطوقون طوقہ۔ اس نے اس کی گردن میں طوق ڈالا۔ جو لوگ اپنے مالی حقوق (بالخصوص زکوٰۃ) ادا نہیں کرتے تھے قیامت کے دن یہی مال سانپ بن کر ان کے گلے میں طوق کی طرح لپٹ جائے گا۔

۴۔ الشھید والاشھاد شھد علی کذا فھو شھید اس نے اس کے خلاف قطعی خبر دی۔ اس سے

اسم فاعل شہید ہے۔ اشہاد، شاہد کی جمع ہے جیسے کہ اصحاب، صاحب کی جمع ہے۔ اور شہداء سے مراد انبیائے کرام ہیں جو خدا کے سامنے اپنی اپنی امتوں کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

اعمال کے اثرات سے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک ہے۔

(الف) اطولکم قنوتا فی دار الدنیا اطولکم راحۃ یوم القیامۃ فی الموقف دنیا میں طویل قنوت پڑھنے والے قیامت کے دن موقف حساب میں طویل راحت پائیں گے۔[۱] اور یہ کہ

(ب) من بغی علی فقیر او تطاول علیہ و استحقرہ حشرہ اللہ یوم القیامۃ مثل الذرۃ علی صورۃ رجل یدخل النار جو (زور آور) کسی غریب سے جھگڑا کرے گا یا اسے مارے گا یا اس کی ہتک کرے گا تو خدا قیامت کے دن اسے چیونٹی کے برابر انسانی صورت میں محشور کرے گا اور دوزخ کی آگ میں ڈال دے گا۔[۲]

اعمال کے اثرات کے متعلق حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں

(ج) اذا سجد احدکم فلیباشر بکفیہ الارض لعلّ یصرف عنہ الغل یوم القیامۃ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو دونوں ہتھیلیاں زمین پر ٹکا کر رکھے تاکہ قیامت کے دن کی ہتھکڑی سے بچ جائے۔[۳]

اعمال کے اثرات کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

(د) ان المتکبرین یجعلون فی صورۃ الذر یتوطاھم الناس حتی یفرغ اللہ من الحساب یقیناً متکبر لوگ قیامت کے دن چیونٹیوں کی شکل میں محشور ہوں گے۔ لوگ انہیں اپنے قدموں تلے روندتے رہیں گے یہاں تک کہ خدا حساب کتاب سے فارغ ہو جائے۔[۴]

۵۔ الذر یعنی چھوٹی چیونٹی۔ اس کی واحد ذرۃ ہے۔

(۴) جنت یا جہنم میں اعمال کا بدلہ

قیامت کے دن انسان کے اعمال مجسم ہو جائیں گے۔ ہر انسان اپنے عمل کو دیکھے گا۔ جس نے نیک اعمال کئے ہوں گے وہ جنت کا حقدار قرار پائے گا اور جس نے برے اعمال کئے ہوں گے وہ عذاب کا مستحق ٹھہرے گا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے

۱۔ ان اللہ یدخل الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحات جنّات تجری من تحتھا الانھار یقیناً خدا ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ (سورۂ حج آیت ۲۳)

۱۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال ص ۵۵۔
۲۔ شیخ صدوق ثواب الاعمال ص ۱۵۵
۳۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال ص ۵۵۔
۴۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال ص ۵۰۲، ج ۱۰۔

۲۔ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ اور جو نیک عمل کریں گے خواہ مرد ہوں یا عورت اور وہ مومن بھی ہوں گے تو وہ جنت میں جائیں گے وہاں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔ (سورۂ مومن آیت ۴۰)

۳۔ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ○ اور جو کوئی برا کام کرے گا اسے اسی طرح کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ خدا کے سوا کسی کو حمایتی اور مددگار نہ پائے گا۔ اور جو نیک عمل کریں گے خواہ مرد ہوں یا عورت اور وہ مومن بھی ہوں گے تو وہ جنت میں جائیں گے اور ان پر رتی بھر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (سورۂ نساء آیت ۱۲۳، ۱۲۴)

۴۔ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ○ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ ○ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ○ تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ خدا پر جھوٹ بولنے والوں کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے۔ کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟ (ضرور ہے) اور جس شخص نے جو عمل کیا ہوگا اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور جن لوگوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا ہوگا ان کو گروہ در گروہ جنت الفردوس کی طرف لے جایا جائے گا۔ (سورۂ زمر آیت ۶۰، ۷۰ و ۷۳)

۵۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ○ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ○ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبرداری کرتے رہے (ان سے کہا جائے گا کہ) تم اپنی بیویوں سمیت عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (سورۂ زخرف آیت ۶۹، ۷۰)

۶۔ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ○ اور یہ جنت جس کے تم وارث بنائے گئے ہو تمہارے اعمال کا صلہ ہے۔ بے شک مجرم ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے۔ (سورۂ زخرف آیت ۷۲، ۷۴، ۷۶)

۷۔ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے راہ خدا (یعنی دین اور معاشرے کی ترقی) میں خرچ نہیں کرتے ان کو (اس دن کے) دردناک عذاب کی خبر سنا دو جس دن وہ سونا چاندی آتش جہنم میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ اب اس کا مزہ چکھو جو تم جمع کیا کرتے تھے۔ (سورۂ توبہ آیت ۳۴ و ۳۵)

شیخ صدوقؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت رسول مقبولؐ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ چار حضرات ایسے ہوں گے جن کی بدبو سے اہل دوزخ کو سخت اذیت ہوگی اور وہ وہاں موت کی آرزو کریں گے۔

(۱) وہ آدمی جس کے سر پر پتھر کا صندوق ہوگا۔ یہ وہ شخص ہوگا جو اس حالت میں مرا ہوگا کہ اس کے ذمے لوگوں کے مال کا بوجھ تھا اور اس نے اس کو ادا نہیں کیا تھا۔

(۲) وہ آدمی جو اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ کر چل رہا ہوگا۔ یہ وہ شخص ہوگا جسے یہ فکر نہیں تھی کہ اس کا پیشاب اس کے بدن پر کہاں کہاں گر رہا ہے۔

(۳) وہ آدمی جس کے منہ سے پیپ اور خون جاری ہوگا۔ یہ وہ شخص ہوگا جو دوسروں کی بری باتیں لوگوں کو سنایا کرتا تھا۔

(۴) وہ آدمی جو اپنا گوشت کھا رہا ہوگا۔ یہ وہ شخص ہوگا جو دنیا میں غیبت کر کے اپنے مردہ بھائیوں کا گوشت کھاتا تھا اور چغل خوری کرتا تھا۔[1]

جنت اور جہنم کے دروازے الگ الگ ہوں گے جیسا کہ خداوند سبحان نے بیان فرمایا ہے

۱۔ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ○ جَنَّاتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ○ متقین کی جائے بازگشت بہت عمدہ ہے۔ ہمیشہ رہنے کیلئے باغات جن کے دروازے ان کیلئے کھلے ہوں گے۔ (سورۂ ص آیت ۴۹ و ۵۰)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا تھا:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ○ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ○ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا زور نہیں چلے گا مگر ہاں جو گمراہوں میں سے تیری پیروی کرے جہنم کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لئے ایک جماعت مخصوص ہے۔ (سورۂ حجر آیت ۴۲ و ۴۴)

لغوی تشریح

۱۔ نقیرًا کھجور کی گٹھلی کے بیچ کا وہ نقطہ جس سے کھجور پیدا ہوتی ہے۔ بے قیمت چیزوں کی نفی کرنے کے لئے بطور ضرب المثل بولا جاتا ہے۔

۲۔ مثوًی ثوی ثواءً مستقل طور پر کہیں ٹھہرنا۔ مثوٰی اسی سے اسم مکان ہے یعنی مستقل ٹھکانا۔

۳۔ زمرًا فوج اور گروہ کو زمرہ کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع زمر ہے۔

۴۔ مآب آب الیہ اوبا ومآبا وہیں آیا۔ مآب واپسی کی جگہ۔ جائے بازگشت۔

۵۔ جنّاتِ عدن عدن بمکان کذا اس نے فلاں مقام پر سکونت اختیار کی۔ اور جنّاتِ عدن سے مراد فردوس بریں کے وہ باغات ہیں جو ہمیشہ قائم دائم رہیں گے۔

۱۔ عقاب الاعمال ص ۲۹۵ ۔ ۲۹۶

روائی تفسیر

آیت کی تفسیر میں حضرت رسول اکرمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور جہنم کے سات دروازے ہیں اور ان میں سے بعض، بعض سے افضل ہیں۔

حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کیا تم جانتے ہو کہ دوزخ کے دروازے کیسے ہوں گے؟ ہم نے کہا کہ ان عام دروازوں جیسے ہی ہوں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں، وہ اس طرح سے ہوں گے۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھا اور ہاتھ پر ہاتھ کھول دیا۔[1]

تفسیر قرطبی میں اس کے بعد مذکور ہے کہ ان میں سے بعض، بعض کے اوپر ہوں گے۔

رسول اکرمؐ سے مروی ہے کہ ہر طبقے کے اہل اس میں موجود ہوں گے۔[2]

دوزخ کے سات دروازے ہیں اور مختلف قسم کے برے اعمال کی وجہ سے ہر دروازے کو علیحدہ علیحدہ لوگوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی مومن کو خوش کرتا ہے تو خدا اس خوشی سے ایک مخلوق پیدا کرتا ہے۔ جب اس شخص کی موت آتی ہے تو وہ مخلوق اس سے ملاقات کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اے خدا کے دوست! تجھے خدا کی طرف سے عزت اور خدا کی خوشنودی مبارک ہو۔ پھر وہ اس کے ساتھ رہتی ہے یہاں تک کہ مرنے والے کو قبر میں اتارا جاتا ہے تو وہ مخلوق قبر میں بھی اس سے یہی کچھ کہتی ہے۔ اور جب وہ قبر سے نکل کر میدان حشر کی جانب رواں ہوگا تو وہ چیز اس سے ملاقات کرے گی اور یہی جملہ دہرائے گی۔ پھر وہ ہر مشکل مقام پر اس کے ساتھ رہے گی اور اسے بشارت دیتی رہے گی۔ بالآخر وہ شخص خود اس سے پوچھے گا کہ خدا تجھ پر رحم کرے! تو کون ہے؟ تب وہ مخلوق کہے گی کہ میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلاں کو پہنچائی تھی۔[3]

بحارالانوار میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث ہے کہ جو شخص کسی مومن کی کوئی تکلیف دور کرے گا تو خدا آخرت میں اس کی تکالیف دور کرے گا اور جب وہ قبر سے اٹھے گا تو اس کا دل ٹھنڈا ہوگا۔ (یعنی وہ خوش ہوگا) اور جو کسی مومن کی بھوک مٹائے گا تو خدا اسے جنت کے پھل کھلائے گا۔ اور جو کسی مومن کو پانی پلائے گا تو خدا اسے جنت کا مہر شدہ پانی پلائے گا۔[4]

حضرت امیر المومنینؑ سے روایت ہے کہ اللہ کے وہ بندے جو ہمیشہ لوگوں کی حاجات پوری کرنے کی

☆ حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ جہنم کے سات دروازے (طبقے) ہیں۔ پہلا جحیم ہے، دوسرا لظی، تیسرا سقر، چوتھا حطمة، پانچواں هاوية، چھٹا سعیر اور ساتواں جہنم ہے۔ بحار الانوار ج ۸، ص ۲۸۱ بحوالہ میزان الحکمة۔

۱۔ تفسیر مجمع البیان، تفسیر قرطبی، تفسیر در منثور۔

۲۔ اصول کافی ج ۲، حدیث ۱۲۔

۔ بحار الانوار ج ۶، ص ۳۵۵ بحوالہ معانی الاخبار از شیخ صدوق۔

جستجو میں رہتے ہیں وہ قیامت کے دن اس میں ہوں گے۔ اور جو کسی مومن کا دل خوش کرتا ہے تو خدا روز قیامت اس کے دل کو خوشی سے بھر دے گا۔[1]

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب بھی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی حاجت پوری کرتا ہے تو خدا اس سے کہتا ہے کہ تیرا ثواب میرے ذمے ہے اور میں جنت کے سوا اس کے کسی بدلے پر راضی نہیں ہوں گا۔[2]

امام جعفر صادقؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

اذان اور اقامت دینے والے شخص کو اس شہید کا سا ثواب عطا کیا جائے گا جو خدا کی راہ میں اپنے خون میں غلطاں ہو۔[3]

ثواب الاعمال میں معروف بن خربوذ کی سند سے امام محمد باقرؑ کی یہ حدیث نقل ہوئی ہے: جس کسی مومن پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے اور وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے تو خدا اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے سوائے ان گناہان کبیرہ کے جن کی وجہ سے خدا نے دوزخ واجب کی ہے۔

امام علیہ السلام نے مزید فرمایا: اور جب مومن مستقبل میں بھی ماضی کی مصیبت کو یاد کرے اور انا للہ کہے اور خدا کی حمد بجا لائے تو اس نے پہلی انا للہ اور دوسری انا للہ کے درمیان جتنے گناہ کیے ہوں گے سوائے گناہان کبیرہ کے خدا ان سب گناہوں کو معاف کر دے گا۔[4]

بحار الانوار میں امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ خدا فرماتا ہے:

میں جس بندے کو جنت میں داخل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے جسمانی تکلیف میں مبتلا کرتا ہوں۔ اگر جسمانی تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے تو بہتر ورنہ میں اس پر کسی حاکم کو مسلط کر دیتا ہوں۔ اگر وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے تو بہتر ورنہ میں اس کا رزق تنگ کر دیتا ہوں۔ اور اگر وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے تو بہتر ورنہ میں اس پر موت کے وقت سختی طاری کر دیتا ہوں یہاں تک کہ جب وہ میرے پاس آتا ہے تو اس کے ذمے کوئی گناہ نہیں ہوتا اور میں اسے جنت میں داخل کر دیتا ہوں۔ (الحدیث)[5]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ جب بھی کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پت جھڑ کی طرح اس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔[6]

ایک اور حدیث ہے کہ مسلمان پر جو بھی مصیبت آتی ہے تو اس کے ذریعے خدا اس کے گناہوں کو دور

۱۔ اصول کافی ج ۲، حدیث ۲۔
۲۔ اصول کافی ج ۲، حدیث ۷۔
۳۔ ثواب الاعمال۔
۴۔ بحار الانوار ج ۸۲، ص ۱۲۰ بحوالہ ثواب الاعمال ص ۹۷۔
۵۔ بحار الانوار ج ۲، ص ۱۷۱، کتاب تمحیص۔
۶۔ صحیح بخاری ج ۳ کتاب المرضی، باب شدۃ المرض۔

کر دیتا ہے خواہ کانٹا ہی کیوں نہ چبھے۔[1]

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ جب کسی مسلمان کو ایک کانٹا چبھتا ہے یا اس سے زیادہ کوئی اذیت پہنچتی ہے تو خداوند عالم اس کی وجہ سے اس کی برائیوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔[2]

صحیح بخاری اور مسند احمد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ مسلمان پر جو بھی افتاد آ پڑتی ہے یا رنج و غم اور حزن و ملال ہوتا ہے یا اذیت پہنچتی ہے اگرچہ ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو خداوند عالم اس کی وجہ سے اس کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔[3]

صبر کی جزا

جس طرح خدا نے اپنے عدل کے تقاضوں کے تحت انسان کے ہر عمل کی دنیوی اور اخروی سزا مقرر کی ہے اسی طرح سے مصائب و مشکلات پر صبر کرنے کی بھی دنیا و آخرت میں جزا مقرر کی ہے۔

رسول خدا نے صبر کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ حضرت علی روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:

الصبر ثلاثة صبر عند المصيبة وصبر على الطاعة وصبر عن المعصية

(۱) مصیبت پر صبر کرنا (۲) اطاعت الٰہی پر صبر کرنا (۳) معصیت سے رکنے پر صبر کرنا۔[4]

خدا نے بتایا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کو ان کے صبر کی مثالی جزا دی تھی۔

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ○

جس قوم کو کمزور سمجھا جاتا تھا ہم نے اسے سرزمین (شام) کے مشرقی اور مغربی علاقوں کا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی وارث بنا دیا۔ اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے رب کا وعدۂ نیک پورا ہوا اور ہم نے فرعون اور قوم فرعون کی ساری تدبیریں الٹی کر دیں جو وہ اپنی سلطنت کو بچانے کے لئے کر رہے تھے۔ (سورۂ اعراف۔ آیت ۱۳۷)

۱۔ صحیح بخاری ج ۴ کتاب المرضی باب ما جاء فی کفارۃ المرض۔

۲۔ صحیح بخاری ج ۴۔ کتاب المرضی، باب شدۃ المرض۔ صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ۔

۳۔ صحیح بخاری ج ۴، کتاب المرضی، باب ما جاء فی کفارۃ المرض۔ اور مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۸۰۔

۴۔ بحار الانوار ج ۸۲ ص ۱۳۹ بحوالہ مسکن الفؤاد ص ۱۳۶

صبر کی تینوں اقسام کی جزا خداوند تبارک وتعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے۔

۲۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ○ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ○ اور ہم ضرور تمہیں کسی قدر خوف اور بھوک اور اموال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے آزمائیں گے تو آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیجئے۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کی طرف سے درود اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۵تا۱۵۷)

۳۔ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ○ نیکی یہی کچھ تو نہیں کہ تم اپنا منہ (نماز کے وقت) مشرق اور مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور خدا کی محبت میں رشتے داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور (ضرورتمند) مسافروں اور مانگنے والوں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں مال خرچ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب قول وقرار کریں تو اسے پورا کریں اور مصائب ومشکلات میں اور جنگ کے سخت حالات میں صبر کریں۔ یہی لوگ (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۷۷)

سورۂ بقرہ کی ان آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ متقی وہ ہیں جو نیک اعمال بجالاتے ہیں اور صبر کی تینوں اقسام پر عمل کرتے ہیں۔ معصیت اور خدا کی اطاعت پر صبر کرنا بھی صبر کی ایک قسم ہے یعنی اگر کفار ومشرکین مسلمانوں کا مذاق اڑائیں تو وہ اسے برداشت کریں جیسے کہ خدا نے یوں فرمایا ہے۔

۴۔ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ○ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ ○ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ○ میرے بندوں میں ایک گروہ یہ بھی تھا جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے رب، ہم ایمان لے آئے ہیں پس ہمیں معاف کردے اور ہم پر رحم فرما کہ تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔ تو تم نے ان لوگوں کو بالکل مذاق بنالیا تھا یہاں تک کہ ان کا مذاق اڑانے میں تم میری یاد سے بھی غافل ہوگئے۔ آج ہم نے ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیا ہے کہ وہ کامیاب ہیں۔ (سورۂ مومنون: آیت ۱۰۹تا۱۱۱)

۵۔ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ○ وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

ربنا انا کنا من قبله مسلمین ○ اولئک یؤتون اجرهم مرتین بما صبروا و یدرءون بالحسنة السیئة
ومما رزقنهم ینفقون ○ واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنه وقالوا لنا اعمالنا ولکم اعمالکم سلام
علیکم لا نبتغی الجاهلین ○ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جب (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں بے شک وہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے اور ہم تو اس کو پہلے ہی سے تسلیم کئے ہوئے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کی وجہ سے دو مرتبہ اجر دیا جائے گا کیونکہ یہ بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیئے ان میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ تم کو سلام۔ ہم جاہلوں کی صحبت پسند نہیں کرتے۔ (سورۂ قصص آیت ۵۲تا۵۵)

۹۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کو خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا ہے

والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم واقاموا الصلوة وانفقوا مما رزقنهم سرا وعلانیة ویدرءون بالحسنة السیئة اولئک لهم عقبی الدار ○ جنت عدن یدخلونها ومن صلح من آبائهم وازواجهم وذریتهم والملئکة یدخلون علیهم من کل باب ○ سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار ○ اور جو لوگ اپنے رب کی خاطر (ہر موقع پر) صبر کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ مال میں سے چھپ کر اور کھل کر انفاق کرتے ہیں اور نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں ان ہی کے لئے آخرت کا گھر (یعنی) ہمیشہ رہنے کے لئے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے آباؤ اجداد اور ازواج و اولاد میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی (ان میں داخل ہوں گے) اور فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے اور (کہیں گے کہ) تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے تم پر سلام ہو۔ یہ تمہارے صبر کا بدلہ ہے اور آخرت کا گھر کتنا اچھا گھر ہے۔ (سورۂ رعد آیت ۲۲تا۲۴)

لغوی تشریح

۱۔ یعرشون: یہاں اس سے مراد ہے کہ ہم نے ان کی وہ ساری تدبیریں الٹی کر دیں جو وہ استحکام سلطنت کے لئے کیا کرتے تھے۔

۲۔ البأس والبأساء: سختی۔ جنگ۔ یہاں حالات کی سختی مراد ہے۔ اور حالات کی سختی میں جنگ کی سختی بھی شامل ہے۔

۳۔ یدرءون: درا یعنی دور کیا۔ دراعنه الشر یعنی اس نے برائی کو دور کیا۔

روایات میں صابرین کی جزا

بحار میں امام جعفر صادقؑ سے ان کی اسناد کے ساتھ حضرت خاتم الانبیاءؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا

اِذَا نُشِرَتِ الدَّوَاوِيْنُ وَنُصِبَتِ الْمَوَازِيْنُ، لَمْ يُنْصَبْ لِاَهْلِ الْبَلَاءِ مِيْزَانٌ وَلَمْ يُنْشَرْ لَهُمْ دِيْوَانٌ ۔

۱۔ صبر کی فضیلت اور اس کی اقسام سورۂ عصر میں خدا نے خسارہ سے محفوظ رہنے والوں کے اوصاف میں بیان فرمایا ہے وتواصوا بالصبر ٭ اور وہ صبر کی وصیت کرتے رہے۔ صبر در اصل مکارم اخلاق کا گلدستہ ہے۔ چنانچہ خدا نے اپنے حبیب سے فرمایا فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل یعنی آپ اولوالعزم رسولوں کی طرح سے صبر کیجئے۔

صبر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خدا نے صبر کو نماز پر بھی مقدم رکھا ہے مثلاً فرمایا ہے واستعینوا بالصبر والصلاۃ یعنی صبر اور نماز کے ذریعے خدا سے مدد طلب کرو۔ خدا نے صابرین کے ساتھ اپنی معیت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا ہے ان اللہ مع الصابرین یعنی بے شک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

خدا نے ہر نیک عمل کی جزا مقرر فرمائی ہے لیکن صبر کی جزا مقرر نہیں فرمائی۔ قرآن مجید کہتا ہے انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب یعنی صبر کرنے والوں کو حساب کے بغیر اجر دیا جائے گا۔ (سورۂ زمر آیت ۱۰)

امامت کیلئے بھی خدا نے صبر کی شرط عائد کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وجعلنا منھم ائمۃ یھدون بامرنا لما صبروا ہم نے ان میں سے امام مقرر کیے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کو اس وقت امام بنایا جب انہوں نے صبر کیا۔ بنی اسرائیل کو دنیا و آخرت کی عزت بھی صبر کی بدولت نصیب ہوئی تھی جیسا کہ خدا نے بتایا ہے وتمت کلمۃ ربک الحسنی علی بنی اسرائیل بما صبروا یعنی بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تیرے رب کا وعدہ نیک پورا ہوا۔

حقیقت صبر کو جاننا بہت ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ صبر کی وصیت میں تمام اخلاق عالیہ کی وصیت شامل ہے۔

صبر کی تعریف یہ ہے کہ انسان جسمانی اور نفسانی تکلیف میں ثابت قدم رہے۔ صبر کا مظاہرہ کبھی نفس سے ہوتا ہے اور کبھی جسم سے۔ جسمانی صبر کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) عبادات شاقہ میں سستی نہ کرنا۔

(۲) مصائب و مشکلات کا پوری پامردی سے مقابلہ کرنا اور ہر حال میں دین کے تقاضوں کو مقدم رکھنا۔

نفسانی صبر یہ ہے کہ مثلاً جب شکم اور فرج کی کشمکش درپیش ہو تو انسان اپنے دین سے انحراف نہ کرے۔ اس صبر کو عفت کہا جاتا ہے اور اس کی ضد فجور ہے۔ اگر انسان مکروہات میں بھی اپنے دین پر قائم رہے تو یہ صبر مطلق ہے اور اس کی ضد اضطراب ہے۔ اگر دولت ہوتے ہوئے انسان شریعت کا پابند رہے اور تکبر سے بچے تو اس صبر کو وصف حوصلہ کہا جاتا ہے اور اس کی ضد تنگی حوصلہ ہے۔ اگر جنگ کے دوران انسان شریعت پر کاربند رہے اور میدان سے نہ بھاگے تو یہ صبر شجاعت کہلاتا ہے اور اس کی ضد بزدلی ہے۔ اگر انسان غصے کی حالت میں اپنے دین پر قائم رہے تو اس صبر کو حلم کہا جاتا ہے اور اس کی ضد طیش ہے۔ اگر مصیبت میں ثابت قدمی کو فراخی سینہ کہا جاتا ہے اور اس کی ضد تنگ دلی ہے۔ اگر بات چھپائی جائے تو یہ کتمان کہلاتا ہے اور اس کی ضد اظہار ہے۔ اگر قرض و ودیعت میں صبر کرے تو امانت کہا جاتا ہے اور اس کی ضد خیانت ہے۔ اگر بقدر ضرورت مال دنیا سے استفادہ کیا جائے تو یہ زہد و قناعت ہے اور اس کی ضد حرص و طمع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے الصبر نصف الایمان یعنی صبر نصف ایمان ہے۔ اگر حرام سے بچے اور مکروہ سے بچنے پر صبر کرنا نفل ہے۔ (ترجمہ تقی عنہ) نقل از تفسیر عزیزی

وبعدہ لا یہ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب یعنی جب نامہ اعمال کھولے جائیں گے اور میزان نصب کی جائیں گی تو اہل مصائب کے لئے نہ تو میزان نصب کیا جائے گا اور نہ ہی ان کا نامہ اعمال کھولا جائے گا۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب یعنی صبر کرنے والوں کو حساب کے بغیر ان کا اجر دیا جائے گا۔[1]

کافی میں امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کرے گا اس وقت ایک منادی پکارے گا کہ صابرین کہاں ہیں؟ وہ اٹھ کر کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہو جائیں۔ یہ سن کر بہت سے لوگ اٹھیں گے اور جنت کی طرف چل پڑیں گے۔ فرشتے ان سے پوچھیں گے کہ کدھر جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم جنت کی طرف جا رہے ہیں۔ فرشتے کہیں گے کہ کیا حساب سے پہلے جنت جا رہے ہو؟ وہ کہیں گے کہ جی ہاں! فرشتے کہیں گے کہ تم لوگ کون ہو؟ وہ کہیں گے کہ ہم صابر ہیں۔ فرشتے کہیں گے کہ تم نے کس چیز پر صبر کیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہم نے خدا کی اطاعت پر صبر کیا تھا اور اس کی نافرمانی سے بچنے پر صبر کیا تھا یہاں تک کہ خدا نے ہمیں موت دے دی۔ فرشتے کہیں گے کہ واقعی تم ایسے ہی ہو جیسا کہ تم نے کہا ہے۔ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ عمل کرنے والوں کے لئے کتنا ہی اچھا صلہ ہے۔[2]

امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: من لقی اللہ مکفوفا محتسبا موالیا لآل محمد لقی اللہ ولا حساب علیہ یعنی جو شخص اس حال میں خدا سے ملے گا کہ وہ دنیا کی غارت گری سے دامن بچا کر چلا ہو، ثواب کماتا رہا ہو اور آل محمدؑ کا دوستدار ہو تو جب وہ خدا کے آگے پیش ہوگا تو اس سے حساب نہیں لیا جائے گا۔[3]

(۵) اولاد میں عمل کا بدلہ

اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ انسان کے عمل کی جزا صرف اس کی ذات تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ اس کا سلسلہ اس کی اولاد میں بھی جاری رہتا ہے۔

ولیخش الذین لو ترکوا من خلفھم ذریۃ ضعافا خافوا علیھم فلیتقوا اللہ ولیقولوا قولا سدیدا ○ ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا ○

ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے جو اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑ جائیں اور انہیں خوف ہو (کہ ان کی موت کے بعد ان کا کیا حال ہوگا) تو انہیں چاہئے کہ خدا سے ڈریں اور انصاف کی بات کہیں۔ جو لوگ ناجائز طور پر یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹ کو آگ سے بھرتے ہیں اور عنقریب انہیں دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (سورۂ نساء۔ آیت ۹، ۱۰)

۱۔ بحار الانوار ج ۹۳ ص ۱۳۵ ۲۔ بحار الانوار ج ۸۲ ص ۱۳۹ ۳۔ ثواب الاعمال ص ۹۲۔

مقصد یہ ہے کہ میراث کی تقسیم میں یتیم بچوں کے ساتھ نقصان کرنے والے کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ جب کل کلاں کو وہ مرے گا تو اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی ناانصافی ہو سکتی ہے۔

۱۔ ماں باپ یا صرف باپ کے نیک عمل کا صلہ اس کی اولاد کو کیسے ملتا ہے اس کے لئے حضرت موسیٰ و حضرت خضر کی داستان میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ارشاد اقدس الٰہی ہے

۲۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةِ ۨ اسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ○ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا مانگا تو گاؤں والوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی تو (خضر نے) اس کو سیدھا کر دیا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کی) مزدوری طلب کرتے ... اور وہ دیوار گاؤں کے دو یتیم لڑکوں کی تھی جو شہر میں رہتے تھے اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا۔ اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا تو تمہارے رب نے چاہا کہ وہ دونوں جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ خود نکالیں۔ یہ تمہارے رب کی رحمت ہے۔ (سورہ کہف آیت ۷۷، ۸۲)

لغوی تشریح

۱۔ سدیداً: سدّ سداداً، السداد درست بات۔ قولاً سدیداً یعنی انصاف اور شریعت کے مطابق بات
۲۔ سعیراً: سعّر النار والحرب یعنی اس نے آگ اور جنگ بھڑکائی۔ نار سعیر یعنی بھڑکتی ہوئی آگ۔ سعیر سے مراد دوزخ ہے۔
۳۔ ینقض: نقض البناء دیوار کو گرا دیا۔ یرید ان ینقض یعنی گرا چاہتی تھی۔
۴۔ اشدھما: شدّ یعنی طاقتور ہوا۔ یبلغا اشدھما جب وہ دونوں جوانی کو پہنچ کر طاقتور ہو جائیں۔

کچھ اعمال کی جزا موت کے بعد جاری رہتی ہے

انسان کے کچھ اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے نفع نقصان کا کھاتہ مرنے کے بعد بھی کھلا رہتا ہے۔ خصال صدوق میں امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ لَيْسَ يَتْبَعُ الرَّجُلَ بَعْدَ مَوْتِهِ مِنَ الْاَجْرِ اِلَّا ثَلَاثُ خِصَالٍ صَدَقَةٌ اَجْرَاهَا فِيْ حَيَاتِهِ فَهِيَ تَجْرِيْ بَعْدَ مَوْتِهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ صَدَقَةٌ مَوْقُوْفَةٌ لَا تُوْرَثُ اَوْ سُنَّةُ هُدًى سَنَّهَا وَكَانَ يَعْمَلُ بِهَا وَعَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ غَيْرُهُ، اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَسْتَغْفِرُ لَهُ یعنی تین خصلتیں

تین کاموں کا موت کے بعد بھی آدمی کو ان کا ثواب پہنچتا رہتا ہے۔

(۱) ایسا صدقہ جو انسان اپنی زندگی میں وقف کر دے اور جس میں کسی کو وارث نہ بنائے ایسے صدقے کا ثواب موت کے بعد قیامت تک جاری رہتا ہے۔

(۲) ایسا طریقہ قائم کیا ہو جس پر خود بھی عمل کیا ہو اور بعد از موت دوسرے بھی اس پر عمل کرتے ہوں۔

(۳) نیک لڑکا جو اپنے باپ کے لئے استغفار کرتا ہو۔

ایک اور حدیث میں اس حدیث کی شرح یوں بیان کی گئی ہے

سِتُّ خِصالٍ یَنتَفِعُ بِها المُؤمِنُ مِن بَعدِ مَوتِه ولَدٌ صالِحٌ یَستَغفِرُ لَهُ ومُصحَفٌ یُقرَأُ فیهِ وقَلیبٌ یَحفِرُهُ وغَرسٌ یَغرِسُهُ وصَدَقَةُ ماءٍ یُجریهِ وسُنَّةٌ حَسَنَةٌ یُؤخَذُ بِها بَعدَهُ چھ چیزیں ایسی ہیں جن سے مرنے کے بعد بھی مومن فائدہ حاصل کرتا رہتا ہے

(۱) نیک لڑکا جو اپنے باپ کے لئے مغفرت طلب کرتا ہو۔

(۲) وہ قرآن جسے چھوڑ کر مومن مرا ہو اور دوسرے لوگ اس نسخے سے تلاوت کرتے ہوں۔

(۳) کنواں کھدوایا ہو۔

(۴) درخت لگایا ہو۔

(۵) کاریز یا چشمہ جاری کیا ہو۔

(۶) کسی ایسے اچھے رواج کی داغ بیل ڈالی ہو جس پر لوگ اس کے بعد بھی عمل کرتے ہوں۔[1]

۱۔ خصال صدوق ج ۱ ص ۳۲۳، ح ۱۰۵ بحوالہ بحار الانوار ج ۶، ص ۲۹۳۔

استحقاق شفاعت کچھ اعمال کا بدلہ ہے

شفع الشیء شفعاً یعنی ایک چیز کیساتھ اس جیسی دوسری چیز ملحق کی۔ وشفع له عند آخر شفاعة یعنی اس نے کسی خطا کار کی سفارش کی۔

شفاعت، شفع سے مشتق ہے جس کے معنی جفت کے ہیں۔ اس سے اسم فاعل شافع اور شفیع ہے۔ شفاعت کرنے والے کو شافع اور شفیع کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو خطا کار کے مددگار کے طور پر شامل کر کے اس کے لیے معافی طلب کرتا ہے۔ درج ذیل آیات میں کلام شفیع کو شفاعت کہا گیا ہے

۱۔ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ ۝ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ جس دن صور پھونکا جائے گا ۝ اس دن (کسی کی) شفاعت کچھ فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جسے خدائے رحمٰن نے اجازت دی ہو اور اس کے بات کرنے پر راضی ہوا ہو۔ (سورۂ طٰہٰ۔ آیت ۱۰۲، ۱۰۹)

۲۔ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ (اس دن) لوگ کسی کی شفاعت کا اختیار نہ رکھیں گے سوائے ان کے جنہیں خداوند رحمٰن نے اختیار دے رکھا ہے۔ (سورۂ مریم آیت ۸۷)

۳۔ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝ (اے رسولؐ) عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۷۹)

۴۔ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ ۝۲۸ (خدا کے پاس کسی کی) شفاعت نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جسے خدا پسند کرے۔ (سورۂ انبیاء آیت ۲۸)

۵۔ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَٰذَا ... يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا تو جس طرح یہ لوگ اس دن کی ملاقات کو بھولے ہوئے تھے اور ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے اسی طرح آج ہم بھی ان کو بھلا دیں گے ... جب (وعدہ کا) دن آ پہنچے گا تو وہ لوگ جو اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے وہ کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب کے سب رسول حق لے کر آئے تھے بھلا (آج) کوئی شفاعت کرنے والے ہیں جو ہماری شفاعت کریں۔ (سورۂ اعراف آیت ۵۱-۵۳)

تفسیر آیات

جس دن صور پھونکا جائے گا وہ بڑا ہولناک دن ہوگا۔ اس دن کسی کی شفاعت کام نہ آئے گی بجز ان بندوں کی شفاعت کے جن کے پاس شفاعت کا استحقاق ہوگا اور جنہوں نے اپنے رب سے عہد لے لیا ہوگا۔ یہی انبیائے کرام اور اوصیائے عظام علیہم السلام۔ علاوہ ازیں خدا کے صالح بندے بھی مقام شفاعت پر فائز ہوں گے۔ شفاعت ہی وہ "مقام محمود" ہے جس کا خدا نے اپنے حبیب کریمؐ سے وعدہ فرمایا ہے۔ انبیائے کرام صرف ان عاصیوں کی شفاعت کریں گے جن سے خدا خوش ہوگا اور جن کی شفاعت کے لئے وہ اجازت عطا فرمائے گا۔ وہ لوگ جن کو اس دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا وہ روز محشر حسرت سے کہہ رہے ہوں گے اے کاش ہمارا بھی کوئی شفیع ہوتا جو آج ہماری شفاعت کرتا مگر اس دن ان کا کوئی شفیع نہیں ہوگا۔

شفاعت کی روایات

بحار الانوار میں عیون الاخبار کے حوالے سے امام علی رضاؑ کی روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا

من لم یؤمن بحوضی فلا اوردہ اللہ حوضی، ومن لم یؤمن بشفاعتی فلا انالہ اللہ شفاعتی

جو شخص میرے حوض (کوثر) پر ایمان نہیں رکھتا خدا اسے میرے حوض پر آنا نصیب نہ کرے اور جو میری شفاعت پر ایمان نہیں رکھتا خدا اسے میری شفاعت سے بہرہ مند نہ فرمائے۔

روایت کے آخر میں ہے کہ راوی حسین بن خالد نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا فرزند رسول ولا یشفعون الا لمن ارتضی کا کیا مطلب ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کا مطلب ہے شفاعت کرنے والے صرف ان کی شفاعت کریں گے جن کے دین سے خدا خوش ہوگا۔[1]

مسند احمد بن حنبل میں رسول اکرمؐ کی حدیث ہے کہ روزہ اور قرآن قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے اسے دن کے طعام اور خواہشات سے روک دیا تھا۔ مجھے اس کی شفاعت کی اجازت عطا فرما اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات کی نیند سے روک دیا تھا (یعنی رات کو جاگ کر تلاوت کرتا تھا) پس مجھے اس کی شفاعت کی اجازت عطا فرما۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان دونوں کو شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔[2]

امیر المومنین امام علیؑ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا ثلاثة یشفعون الی اللہ

۱۔ بحار الانوار ج ۸، ص ۳۴۔

۲۔ مسند احمد ج ۲، ص ۱۷۴، وما جاء فی النص فشفعنی خطأ۔

فیشفعون الانبیاء، ثم العلماء، ثم الشہداء۔ یعنی تین گروہ قیامت کے دن خدا کے حضور شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول کی جائے گی (۱) پہلے انبیاء، (۲) پھر علماء، (۳) پھر شہداء۔[1]

سنن ابن ماجہ میں نبی کریمؐ کی حدیث ہے کہ یشفع یوم القیامۃ ثلاثۃ الانبیاء، ثم العلماء، ثم الشہداء، قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے (۱) پہلے انبیاء، (۲) پھر علماء، (۳) پھر شہداء۔[2]

امام جعفر صادقؑ سے قیامت میں شفاعت پیغمبرؐ کی ایک طویل حدیث مروی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اکرمؐ اس وقت سجدہ کریں گے اور جب تک خدا چاہے گا وہ سجدے میں رہیں گے۔ پھر خدا فرمائے گا **ارفع راسک و اشفع تشفع وسل تعط وذلک قولہ تعالی عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** (اے میرے حبیب!) سر اٹھایئے اور شفاعت کیجئے۔ آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی اور آپ سوال کیجئے آپکو عطا کیا جائے گا۔ اور یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ عنقریب آپ کا رب آپکو مقام محمود پر فائز کرے گا۔[3]

اس حدیث کی تفصیل تفسیر ابن کثیر اور تفسیر طبری میں دوسرے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔[4]

ترمذی نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: شفاعتی لاہل الکبائر من امتی یعنی میری شفاعت میری امت کے گناہان کبیرہ کرنے والوں کیلئے ہوگی۔[5]

خلاصہ بحث

شفاعت کا عقیدہ برحق ہے لیکن آیات اور روایات بتاتی ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سامنے جو چاہے گا اور جس کی چاہے گا شفاعت کرے گا۔ نیز یہ کہ ہر شخص کی شفاعت نہیں کی جائے گی بلکہ شفاعت مشیت الٰہی کے ساتھ مربوط ہے۔ استحقاق شفاعت کے لئے بھی چند امور کی ضرورت ہے مثلاً خدا سے

۱۔ بحار الانوار ج ۸، ص ۳۴۔

۲۔ سنن ابن ماجہ حدیث ۴۳۱۳، باب ذکر الشفاعۃ۔

۳۔ بحار الانوار ج ۸، ص ۳۶۔

☆ سورۂ ضحیٰ کی آیت ولسوف یعطیک ربک فترضی کی تشریح میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شفاعت ہے۔ بخدا شفاعت ہے۔ بخدا شفاعت ہے۔ (بحار الانوار ج ۸، ص ۵۷)

۴۔ تفسیر طبری ج ۱۵، ص ۹۷ اور تفسیر قرطبی ج ۱۰، ص ۳۰۹ اور ۳۱۲ اور ابن کثیر ج ۳، ص ۵۵ اور کتاب التفسیر [illegible] بخاری سورۂ بنی اسرائیل میں عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا کی تفسیر ج ۳، ص ۱۰۳ اور سنن ابن ماجہ حدیث ۴۳۱۳ سنن ترمذی ج ۹، ص ۲۶۷، کتاب صفۃ القیامۃ باب فی الشفاعۃ۔

۵۔ سنن ترمذی، کتاب صفۃ یوم القیامۃ۔

یک مسلمان کے جو حقوق مقرر کئے ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرنا، محمدؐ و آل محمدؐ سے قلبی محبت اور مودت کرنا۔ اور شفاعت علماء کے استحقاق کے لئے علماء کا احترام کرنا شرط ہے اور شفاعت شہداء کے استحقاق کے لئے شہداء کا احترام کرنا شرط ہے اور اگر کسی میں یہ صفات موجود ہوں گی تو اللہ تعالیٰ ان کے جملہ عیوب کی کمی کی تلافی کے لئے شفاعت کرنے والے بزرگواروں کو اس بندۂ عاصی کی شفاعت کا حق عطا فرمائے گا اور یوں اس کے عیوب کی تلافی عمل میں لائی جائے گی۔

رونے والا ہوں شہید کربلا کے غم میں میں
کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقی کوثر مجھے

اقبال

حبط اعمال بعض افعال کا نتیجہ ہے

حبط العمل و الصنع یحبط یعنی عمل بیکار ہو گیا اور ثمر آور نہ ہو سکا۔

احبط اللہ عملہ یعنی خدا نے اس شخص کے عمل کو ضائع کر دیا۔

مندرجہ ذیل وجوہات کے سبب انسان کے اچھے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

۱۔ کوئی شخص دنیوی فائدے کیلئے کوئی عمل کرے۔ ایسے شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دنیا میں مل جائے گا لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اس صنف میں وہ کفار و مشرکین اور مرتدین شامل ہیں جن کا یوم آخرت اور قیامت پر ایمان نہیں ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے والذین کذبوا بآیاتنا ولقاء الآخرۃ حبطت اعمالہم ھل یجزون الا ما کانوا یعملون ۞ اور جن لوگوں نے ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا ان کے عمل ضائع ہو گئے۔ ان کو بس (دنیا میں) ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۴۷)

۲۔ ماکان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ شاھدین علی انفسھم بالکفر اولئک حبطت اعمالھم وفی النار ھم خالدون ۞ انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلاۃ وآتی الزکوۃ ولم یخش الا اللہ فعسی اولئک ان یکونوا من المھتدین ۞ مشرکین کو زیبا نہیں کہ خدا کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ خود اپنے کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔ ان لوگوں کے سب عمل ضائع ہو گئے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو تو وہی آباد کرتے ہیں جو خدا پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ عنقریب یہی لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔ (سورۂ توبہ آیت ۱۷ و ۱۸)

۳۔ ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ۞ اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو کر کافر مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۱۷)

۴۔ ذالک بانھم اتبعوا ما اسخط اللہ وکرھوا رضوانہ فاحبط اعمالھم ۞ یہ اس لئے کہ وہ اس چیز کے پیچھے چلے جس سے خدا ناخوش ہے اور انہوں نے اس کی خوشنودی کو اچھا نہ سمجھا تو اس نے بھی ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔ (سورۂ محمد آیت ۲۸)

۵۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝
بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) خدا کے راستے سے روکا اور ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کی وہ خدا کا کچھ بھی نقصان نہیں کریں گے اور وہ عنقریب ان کے اعمال ضائع کر دے گا۔ اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال غارت نہ کرو۔ (سورۂ محمد آیت ۳۲،۳۳)

اعمال کے غارت ہو جانے کا تعلق صرف کفار، مشرکین اور مرتدین سے ہی نہیں ہے بلکہ بعض گناہوں کی وجہ سے مسلمانوں کے اعمال بھی اکارت ہو جاتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

۶۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے چلا کر بولتے ہو اس طرح ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو۔ ایسا کرنے سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔ (سورۂ حجرات آیت ۲)

۷۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ
اے ایمان والو! اپنے صدقات احسان رکھنے اور اذیت دینے سے اس شخص کی طرح برباد نہ کرو جو لوگوں کو دکھانے کے لئے اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۶۴)

حدیث میں اعمال کے غارت ہونے کے بہت سے اسباب بیان ہوئے ہیں جن میں سے چند ایک ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ شیخ صدوقؒ نے ثواب الاعمال میں اپنی سند کے ساتھ حضرت خاتم الانبیاءؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ شَجَرَةً فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا شَجَرَةً فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا شَجَرَةً فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ غَرَسَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا شَجَرَةً فِي الْجَنَّةِ. فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ شَجَرَنَا فِي الْجَنَّةِ لَكَثِيرٌ، قَالَ نَعَمْ، وَلٰكِنْ إِيَّاكُمْ أَنْ تُرْسِلُوا عَلَيْهَا نِيرَانًا فَتُحْرِقُوهَا، وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ" یعنی جو شخص سبحان اللہ کہتا ہے خدا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیتا ہے۔ اور جو شخص الحمد للہ کہتا ہے خدا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیتا ہے۔ اور جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے خدا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ اکبر کہتا ہے خدا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیتا ہے۔ یہ سن کر ایک قریشی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہؐ پھر تو جنت میں ہمارے بہت سارے درخت ہوں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ہاں لیکن تم ان درختوں کو آگ بھیج کر جلا نہ دینا۔ یاد رکھو! خدا نے فرمایا ہے: اے ایمان والو! خدا کی اطاعت

اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔[1]

مسلم نے اور دیگر محدثین نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے۔ ہم یہ حدیث صحیح مسلم سے نقل کر رہے ہیں۔ انا فرطکم علی الحوض، من ورد شرب ومن شرب لم یظمأ بعدہ، ولیردن علیّ اقوام اعرفهم ویعرفونی، ثم یحال بینی وبینهم۔ یعنی میں تم سے پہلے حوض پر پہنچ جاؤں گا اور جو وہاں میرے پاس آئے گا وہ کوثر کا جام پیے گا جس کے بعد سے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ اور میرے پاس ضرور ایسے لوگ آئیں گے جن کو میں جانتا ہوں گا اور وہ بھی مجھے جانتے ہوں گے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم کہیں گے انهم منی، فیقال انک لا تدری ما عملوا بعدک یہ مجھ سے ہیں۔ کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا تھا۔[2]

ایک اور روایت ہے لیردن علیّ الحوض رجال ممن صاحبنی حتی اذا رایتهم ورفعوا الیّ اختلجوا دونی فلاقولن ای رب اصیحابی اصیحابی فیقالن لی انک لا تدری ما احدثوا بعدک یعنی حوض (کوثر) پر ضرور ایسے لوگ میرے پاس آئیں گے جو میری صحبت میں رہ چکے ہوں گے یہاں تک کہ جب میں انہیں دیکھوں گا اور وہ میری طرف بڑھیں گے تو ان کو مجھ سے دور ہٹا دیا جائے گا۔ تب میں کہوں گا پروردگار! یہ میرے اصحاب ہیں، یہ میرے اصحاب ہیں تو مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کچھ بدل دیا تھا۔[3]

ایک اور حدیث ہے ان المرائی یدعی به یوم القیمة باربعة اسماء یا کافر یا فاجر یا غادر یا خاسر حبط عملک وبطل اجرک ولا خلاق لک الیوم، فالتمس اجرک ممن کنت تعمل له ریاکار کو قیامت کے دن چار ناموں سے پکارا جائے گا اے کافر! اے فاجر! اے غادر! اے خاسر! تیرا عمل برباد ہوگیا اور تیرا ثواب ضائع ہوگیا اور آج تیرے لیے نیکی کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ تو اپنا ثواب اسی کے پاس جا کر تلاش کر جس کے لیے تو نے عمل کیا تھا۔[4]

۱۔ شیخ صدوق، ثواب الاعمال، ص ۳۲، مطبوعہ [illegible]، ترجمہ علی اکبر غفاری۔

۲۔ صحیح مسلم شریف میں ان الفاظ کے اضافے کے ساتھ ایک اور حدیث ہے کہ کہا جائے گا ما برحوا یرجعون علی اعقابهم یعنی آپ کے یہ اصحاب آپ کے بعد برابر الٹے پاؤں پھر گئے تھے۔ اس حدیث کی تصدیق قرآن کی اس آیت سے ہے وما محمد الا رسول افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا محمد تو صرف رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ بھلا اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے (یعنی مرتد ہو جاؤ گے؟) اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ خدا کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا (سورۂ آل عمران، آیت ۱۴۴)

۳۔ صحیح مسلم ج ۳، کتاب الفضائل، حدیث ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۲، ۴۰، مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت۔

۴۔ [illegible] ج ۷۲، ص ۲۹۵ بحوالہ [illegible] شیخ صدوق ص ۳۳۶۔

جنات بھی اعمال کا بدلہ پائیں گے

ابلیس ملعون کا تعلق قوم جنات سے تھا اور جب اس نے سجدۂ آدمؑ سے انکار کیا تو خدا نے اس پر لعنت کی اور اسے ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ بنا دیا۔ قیامت کے دن جنات کے انجام کے متعلق خدا فرماتا ہے

۱۔ ویوم یحشرھم جمیعا یا معشر الجن قد استکثرتم من الانس ... یامعشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی وینذرونکم لقاء یومکم ھذا قالوا شھدنا علی انفسنا وغرتھم الحیوۃ الدنیا وشھدوا علی انفسھم انھم کانوا کافرین ○ اور جس دن وہ سب (جن و انس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہ جنات تم انسانوں سے تعداد میں زیادہ تھے۔ اے گروہ جن و انس! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آتے رہے جو تم کو میری آیات پڑھ کر سناتے تھے اور آج کے دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ (پروردگار) ہم اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کفر کرتے تھے۔ (سورۂ انعام آیت ۱۲۹ و ۱۳۱)

۲۔ جنات نے اپنی قوم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا

وانا منا المسلمون ومنا القاسطون فمن اسلم فاولئک تحروا رشدا ○ واما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا ○ ہم میں بعض فرماں بردار ہیں اور بعض نافرمان ہیں تو جو فرماں بردار ہوئے وہ سیدھے رستے پر چلے۔ اور جو نافرمان ہوئے وہ جہنم کا ایندھن بنے۔ (سورۂ جن آیت ۱۴ اور ۱۵)

۳۔ قال ادخلوا فی امم قد خلت من قبلکم من الجن والانس فی النار کلما دخلت امۃ لعنت اختھا حتی اذا ادارکوا فیھا جمیعا قالت اخراھم لاولاھم ربنا ھؤلاء اضلونا فاتھم عذابا ضعفا من النار قال لکل ضعف ولکن لا تعلمون ○ وقالت اولاھم لاخراھم فما کان لکم علینا من فضل فذوقوا العذاب بما کنتم تکسبون ○ خدا فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں کی جو جماعتیں تم سے پہلے جہنم میں جا چکی ہیں تم بھی ان کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ جب ایک جماعت وہاں داخل ہوگی تو وہ اپنے جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب وہ اس میں داخل ہو جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی جماعت کے متعلق کہے

گی کہ پروردگار ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا چنانچہ تو ان کو آگ کا دگنا عذاب دے۔ خدا فرمائے گا ہر ایک سب کو دگنا عذاب دیا جائے گا لیکن تم جانتے نہیں۔ اور پہلی جماعت پچھلی سے کہے گی کہ تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت نہ ہوئی تو جو عمل تم کیا کرتے تھے اس کے بدلے میں اب عذاب کا مزہ چکھو۔ (سورۂ اعراف آیت ۳۸،۳۹)

۵۔۔ وتمت کلمۃ ربک لاملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین ۞ اور تمہارے رب کا قول پورا ہو گیا کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔ (سورۂ ہود آیت ۱۱۹)

قرآن کریم کی یہ آیات بتاتی ہیں کہ انسانوں کی طرح سے جنات کو بھی ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا البتہ جتنی تفصیل انسانوں کی جزا کی بیان ہوئی ہے اتنی تفصیل جنات کے متعلق موجود نہیں ہے۔

خلاصہ بحث

قدرت کا قانون ہے کہ آدمی جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے البتہ کاشت اور برداشت میں وقت کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ اکثر اناج اور سبزیاں ایسی ہیں جو چند ماہ میں تیار ہو جاتی ہیں جب کہ کچھ درخت ایسے بھی ہیں جو کئی برس بعد پھل دیتے ہیں اور یہ سب کچھ خدا کی شان رزاقی کا کرشمہ ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے

۱۔ وکلوا مما رزقکم اللہ   خدا کا عطا کردہ رزق کھاؤ۔ (سورۂ مائدہ آیت ۸۸۔ سورۂ نحل آیت ۱۱۴)

۲۔ یاایھا الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم واشکروا للہ   اے ایمان والو! ہم نے جو رزق تم کو دیا ہے اس میں سے پاک چیزیں کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۷۲)

۳۔ ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم   غربت کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۱)

ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں کہ انسان اس زمین پر اس شخص کی مانند ہے جس نے کسی بہترین سیلف سروس ریستوران میں قدم رکھا ہو۔ یہ بات اتنا عیاں ہے کہ اس نے اپنے ریستوران میں انواع و اقسام کے پکوان سجا رکھے ہیں البتہ ان کھانوں سے لطف اٹھانے کے لئے اس شخص کو بھی کچھ نہ کچھ زحمت کرنا پڑتی ہے۔

ایسے ریستوران میں کھانے والا اگر اپنے حصے کی پلیٹیں اور پکوان خود اٹھائے تو تھوڑی سی زحمت کے بدلے میں وہ انواع و اقسام کے لذیذ کھانوں سے لطف اندوز ہو سکتا ہے لیکن اگر وہ ناسمجھی کی وجہ سے ایسا کھانا کھائے جو اس کے لئے مضر ثابت ہو تو یہ اس کا اپنا قصور ہوگا، ریستوران کے مالک کا نہیں۔

اسی طرح سے انسان اپنے اعمال کی جو فصل بوتا ہے اس کا محصول بھی اسے خود اٹھانا پڑتا ہے۔ وہ اعمال

کا نتیجہ کبھی دنیا میں بھی جلدی سے مل جاتا ہے۔ مثلاً صلہ رحمی کا بدلہ کثرت مال اور کثرت اولاد کی صورت میں دنیا میں مل جاتا ہے۔ اور کبھی عمل کا پھل قبر میں اور قیامت میں نصیب ہوتا ہے جیسا کہ شہید کو اس کی شہادت کا بہت بڑا بدلہ قبر اور حشر میں نصیب ہوتا ہے۔ اور بعض اعمال کا بدلہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں ملا کرتا ہے مثلاً صدقہ کا بدلہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ملتا ہے۔ بعض لوگ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے قیامت کے دن سوائے حضور شفاعت کا استحقاق حاصل کر لیتے ہیں جبکہ بعض لوگوں کے کچھ برے اعمال ان کے نیک اعمال کو برباد کر دیتے ہیں۔ اس تمام تر بحث کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ انسان کے لئے اتنا ہی بدلہ ہے جتنی اس نے کوشش کی ہے۔ وان لیس للانسان الا ما سعی ۵

اللہ تعالیٰ نے قوم جنات کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ انہیں انسانوں کی طرح سے آخرت میں اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ صاحب حکمت رب العالمین کی تقدیر کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اور اس کا تعلق رب العالمین کی بعض صفات سے ہے۔

رب العالمین کے چند صفات اور نام

قرآن کریم میں رب تعالیٰ کی مخصوص صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند صفات ایسی ہیں جن کے آثار دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں اور چند صفات ایسی ہیں جن کے آثار آخرت میں ظاہر ہوں گے اور چند صفات ایسی بھی ہیں جن کے آثار دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ہم یہاں اپنی بحث کو رب العرش یعنی ذوالعرش، رحمٰن اور رحیم کی صفات تک ہی محدود رکھیں گے۔

ذُوالْعَرْشِ اور رَبُّ الْعَرْشِ

۱۔ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے (سورۂ ہود آیت ۷)

۲۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ بے شک تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں (مرحلوں) میں پیدا کیا پھر وہ عرش اقتدار کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے۔ (سورۂ یونس آیت ۳)

۳۔ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ○ اس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش اقتدار کی طرف متوجہ ہوا وہ رحمٰن ہے اس کے بارے میں اس کے باخبر سے پوچھو۔

۴۔ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ حاملین عرش اور اس کے ماتحت فرشتے سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنوں کے لئے مغفرت طلب کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر محیط ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی ہے اور تیرے راستے پر چلتے ہیں ان کو بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ (سورہ مومن آیت ۷)

۵ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ (قیامت کے دن) تم دیکھو گے کہ عرش کے اطراف فرشتے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے مصروف کار ہوں گے۔ (اس دن) لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور (یہی نعرہ بلند ہوگا کہ) ساری تعریفیں خدا ہی کے لئے ہیں، وہ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (سورۂ زمر آیت ۷۵)

۶ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ○ (قیامت کے) اس دن تیرے رب کے عرش (حکومت) کو آٹھ (صف کے فرشتے) سنبھالے ہوئے ہوں گے۔ (سورۂ حاقہ آیت ۱۷)

الرحمن

۷ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ اور یقیناً تمہارا رب رحمن ہے۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۹۰)

۸ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ اور ہمارا رب رحمن ہے۔ (سورۂ انبیاء آیت ۱۱۲)

۹ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ ○ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب رحمن ہے۔ (سورۂ نباء آیت ۳۷)

الرحیم

۱۰ سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ ○ مہربان رب کی طرف سے سلام کہا جائے گا۔ (سورۂ یٰس آیت ۵۸)

۱۱ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ○ تمہارا رب غالب اور مہربان ہے۔ (سورۂ شعراء، آٹھ آیتیں)

۱۲ سورۂ فاتحہ میں رحمن اور رحیم دونوں الفاظ ساتھ ساتھ استعمال ہوئے ہیں

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ○ تمام تعریف خدا کے لئے ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔ جو رحمن ہے رحیم ہے۔ (سورۂ فاتحہ آیت ۲،۳)

لغوی تشریح

۱ العرش لغت میں چھت کو عرش کہا جاتا ہے اور اس کی جمع عروش ہے۔ بادشاہ کے تخت کو بھی بلندی کی وجہ سے عرش کہا جاتا ہے۔ اور یہ لفظ کنایۃً عزت، بادشاہ اور بادشاہت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ ثَلَّ اللّٰهُ عَرْشَهُمْ اَیْ هَدَمَ مُلْكَهُمْ خدا نے ان کے عرش کو یعنی ان کی بادشاہت کو ختم کر دیا۔[1]

---

۱ مفردات راغب مادہ العرش، المعجم الوسیط، لسان العرب مادہ ثلل

اسی معنی کو ایک شاعر نے یوں نظم کیا ہے

اذا ما بنو مروان ثُلّت عروشهم
و اودت كما اودت اياد و حِمْيَرُ

جب بنی مروان کی بادشاہت ختم ہوئی تو وہ بھی طرح برباد ہوئے جس طرح ایاد و حمیر برباد ہوئے تھے۔[1]

۲۔ اِستویٰ کتاب التحقیق فی کلمات القرآن میں ہے کہ مختلف موقع پر استواء کا مفہوم مختلف ہوتا ہے اور ہر مفہوم موقع محل کی مناسبت کے مطابق ہوتا ہے۔[2]

نیز راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے کہ استوی فلانٌ علی عمالہ واستوی امر فلان فلاں نے اپنی جائیداد کا قبضہ لیا اور فلاں کا معاملہ پختہ ہو گیا۔

جب استویٰ کا صلہ علی کے ساتھ ہو تو اس کے معنی استیلاء و تصرف کے ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ الرَّحمٰنُ علی العَرشِ استوی یعنی رحمن عرش پر متمکن و متصرف ہو۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵)

المعجم الوسیط میں ہے یقالُ استوی علی سریرِ المُلکِ اوعلی العرشِ تولّی المُلک

عربی کا محاورہ ہے اِستَویٰ علی سریرِ المُلکِ اوعلی العَرشِ یعنی وہ سریر آرائے مملکت ہو۔ اسی طرح سے اسْتَویٰ علی العَرشِ کا مفہوم ہے وہ برسر اقتدار ہوا۔

مشہور شاعر اخطل نے بشر بن مروان اموی کی مدح میں کہا تھا

قَدِ اسْتَوىٰ بِشْرٌ عَلَى العِراقِ
مِنْ غَيْرِ سَيْفٍ وَ دَمٍ مُهْرَاقٍ

بشر تلوار چلائے بغیر اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ملک عراق پر تخت نشین ہو گیا۔[3]

الرحمٰن الرحیم

معاجم اللغۃ میں ہے۔ رحِمہٗ رُحْمًا وَ رَحْمًا وَ رَحْمۃً وَمَرْحَمۃً یعنی اس کیلئے اس کا دل نرم ہو۔

راغب کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ رحمت اس رقت کو کہا جاتا ہے جو "مرحوم" پر احسان کا تقاضا کرے

۱۔ بحار الانوار ج ۶۸، ص ۷۔

۲۔ کتاب التحقیق فی کلمات القرآن، مؤلف سید حسن مصطفوی، مطبوعہ تہران ۱۳۶۰ھ۔

۳۔ بشر بن مروان، عبدالملک بن مروان کا بھائی تھا۔ عبدالملک نے ۷۳ھ میں اسے عراق کا حاکم مقرر کیا تھا ۷۵ھ میں وفات پائی۔ دیکھیں ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق۔ اس شعر کو قاضی عبدالجبار متوفی ۴۱۵ھ نے بھی اپنی کتاب تنزیہ القرآن، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۹ھ کے صفحہ ۱۵۰ اور ۱۵۹ پر نقل کیا ہے۔ اس شعر کو عبدالرحمن بن احمد المعروف ایجی متوفی ۷۵۶ھ نے اپنی کتاب المواقف، مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۵ھ کے صفحہ ۲۹۷ پر نقل کیا ہے۔ اس نے "بشر" کی بجائے "عمرو" لکھا ہے۔

لفظ رحمت کبھی رقت کے معنی میں اور کبھی رقت کے بغیر محض احسان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی سے روایت کی جاتی ہے اِنَّ الرَّحْمَةَ مِنَ اللّٰهِ اِنْعَامٌ وَ اِفْضَالٌ وَمِنَ الْاٰدَمِيِّيْنَ رِقَّةٌ وَتَعَطُّفٌ جب رحمت کی صفات خدا کی طرف ہو تو اس کے معنی انعام اور فضل ہے اور جب اس کی نسبت آدمیوں کی طرف ہو تو اس کے معنی رقت اور مہربانی ہے۔

رحمن و رحیم، ندمان و ندیم کے وزن پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رحمن کہنا درست نہیں ہے کیونکہ رحمن کا مفہوم اس ذات کبریا کے سوا کسی کو زیبا نہیں۔ اللہ ہی وہ واحد ذات ہے جس کی رحمت ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ البتہ رحیم کا اطلاق خدا پر اور خدا کی رحمول مخلوق دونوں پر ہوتا ہے۔ خدا کی رحمت کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ بے شک خدا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ اس آیت میں خدا نے اپنے آپ کو رحیم کہا ہے اور دوسرے مقام پر اپنے حبیبؐ کے لئے فرمایا ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ٥ (اے لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں۔ وہ مومنوں پر بے حد شفیق اور مہربان ہیں۔ (سورۂ توبہ آیت ۱۲۸)

اس آیت میں خدا نے رسول پاک کو بھی رحیم کہا ہے۔ رحمٰن اور رحیم کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ خدا دنیا میں رحمن اور آخرت میں رحیم ہے کیونکہ دنیا میں اس کی نعمتیں مومن اور کافر سب پر یکساں ہیں جبکہ آخرت کی نعمتیں صرف اہل ایمان کے لئے مخصوص ہیں۔ اس نکتہ کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ میں اسے ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو متقی ہیں۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۵۶) اس آیت میں یہ جتلا دیا گیا ہے کہ دنیا کی نعمتیں مومن اور کافر دونوں کے لئے عام ہیں جبکہ آخرت کی نعمتیں صرف اہل ایمان کے حصے میں آئیں گی۔

تاج العروس کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ رحمن اللہ تعالیٰ کا خاص نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر اس کا اطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ پیدا کرنے، رزق دینے اور فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے اس کی نعمتیں ساری کائنات کو حاوی کئے ہوئے ہیں جبکہ رحیم ہر اس شخص کو کہا جا سکتا ہے جس میں رحمت کی خاصیت موجود ہو۔ امام جعفر صادقؑ نے اس مفہوم کو یوں واضح فرمایا ہے اَلرَّحْمٰنُ اِسْمٌ خَاصٌّ لِصِفَةٍ عَامَّةٍ، وَالرَّحِيْمُ اِسْمٌ عَامٌّ لِصِفَةٍ خَاصَّةٍ یعنی الرحمن صفت عام کے لئے اسم خاص ہے اور رحیم صفت خاص کے لئے اسم عام ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ قرآن کریم میں سینتالیس (۴۷) جگہ رحیم کے ساتھ غَفُوْرٌ، بَرٌّ، رَءُوْفٌ، رَّؤُوْدٌ اور تَوَّابٌ آیا ہے۔[1]

---

[1] المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، مادہ رحم۔

سورۂ رحمن میں لفظ رحمن کو اس ذات کریم کے اسم وصفت کے طور پر بیان کیا گیا ہے جس نے انسان کو خلق کرنے کے بعد قرآن کے ذریعے نعمت ہدایت سے مالامال کیا اور اسے بیان کی تعلیم دی یعنی بولنا سکھایا۔ اس نے زمین بنائی جس میں انسان کے فائدے کی چیزیں اگائیں یعنی پھل پھول، کھجوریں اور غلہ وغیرہ پھر اس نے جنوں اور انسانوں کو بار بار مخاطب کرکے ارشاد فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝ تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ سورۂ رحمن میں دنیاوی نعمتوں کے ساتھ ساتھ خدا نے کچھ اخروی نعمتیں بھی بیان فرمائی ہیں وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو باغات ہیں۔ اس آیت کے بعد خدا نے سورۂ کے آخر تک مسلسل اخروی نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور اس آیت پر سورہ کا اختتام فرمایا ہے۔ تَبٰرَکَ اسْمُ رَبِّکَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ۝ (اے رسولؐ) تمہارے صاحب جلالت وعظمت رب کا نام بڑا بابرکت ہے۔

تفسیر آیات

ہم لغوی تشریح کے ضمن میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ عربی زبان میں جب عرش کا صلہ علیٰ کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے حکومت چلانا اور اقتدار سنبھالنا۔ عربی زبان میں استوی علی سریر الملک وعلی العرش کا مطلب بھی اقتدار سنبھالنا ہے۔

قرآن مجید کی سات آیتوں میں عرش پر استواء کا تذکرہ ہے۔ سورۂ یونس کی تیسری آیت ہے اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یعنی وہ حکومت پر متمکن ہوا۔ وہی ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔ سورۂ سجدہ کی چوتھی اور پانچویں آیت ہے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۝ سورۂ رعد کی دوسری آیت ہے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۝

مذکورہ آیات میں ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے ساتھ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ کے الفاظ بڑی وضاحت سے بتاتے ہیں کہ خداوند متعال کے استواء علی العرش کا مطلب تخت نشین ہونا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب حکومت سنبھالنا یعنی اپنی مخلوق کے معاملات کی تدبیر کرنا ہے۔ مذکورہ آیات کے ساتھ ان دو آیات کو بھی شامل کریں تو مطلب اور واضح ہو جاتا ہے۔

۱۔ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ وہ عرش اقتدار پر متمکن ہو وہی رات کو دن بناتا رہتا ہے۔ (سورۂ اعراف آیت ۵۴)

۲۔ اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وہ حکومت پر متمکن ہوا جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے وہ اسے جانتا ہے۔ (سورۂ حدید آیت ۴)

مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی سلطنت کے چپے چپے سے پوری طرح آگاہ ہے۔

مذکورہ آیت کے تجزیہ کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ سورۂ فرقان کی آیت ۵۹ میں ثمّ استوی علی العرشِ الرّحمٰنُ کا مطلب ہے وہ اپنی سلطنت کے تمام معاملات اپنی شانِ رحمت سے سرانجام دیتا ہے۔ یہی مفہوم سورۂ طٰہٰ کی پانچویں آیت الرّحمٰنُ علی العرشِ استوی میں بیان ہوا ہے۔

اسی مفہوم کی مزید وضاحت سورۂ ہود کی ساتویں آیت میں یوں کی گئی ہے خلق السّمٰوات والارض فی ستّۃ ایّامٍ وّکان عرشُہٗ علی الماءِ ○ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا اقتدار پانی پر تھا۔ یعنی یہ کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پہلے پانی کے سوا کچھ نہیں تھا اور خدا کا اقتدار پانی پر قائم تھا۔ البتہ اس پانی کی حقیقت و ماہیت کیا تھی اس کے متعلق وہی بہتر جانتا ہے۔ اور جہاں تک سورۂ مومن کی آیت ۷ الّذین یحملونَ العرش کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اپنی سلطنت کے امور فرشتوں کے ذریعے انجام دیتا ہے۔ کچھ فرشتے انبیاء کی مدد کے لئے، کچھ فرشتے نافرمان امتوں پر عذاب نازل کرنے کے لئے اور کچھ فرشتے روح قبض کرنے کے لئے اترتے ہیں۔

سورۂ مبارکہ حاقّہ آیت ۱۷ میں ارشادِ قدرت ہے ویحملُ عرشَ ربّک فوقہم یومئذٍ ثمانیۃ ○ (قیامت کے) دن تیرے رب کے عرش (حکومت) کا انتظام آٹھ (فرشتے) سنبھالے ہوئے ہوں گے۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت کے دن فرشتوں کے آٹھ مثالی ربوبیت کے امور نافذ کریں گے۔ یہ بحث صفحہ ۱۲۷ پر بھی گزر چکی ہے۔

اسم

قرآنی اصطلاح میں اسم کا اطلاق چیز کی صفت اور حقیقت کو واضح کرنے والے خواص پر ہوتا ہے۔ چنانچہ وعلّم آدم الاسماءَ کلّھا کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے حضرت آدم کو اشیاء کے خواص بتائے اور علمِ مخزون (یعنی اپنے ذاتی علمِ غیب) کے علاوہ تمام علوم سکھائے۔ آدم اور بنی آدم کو اشیاء کے خواص کا کس قدر علم دیا گیا اس کی وضاحت قرآن مجید کی اس آیات سے ہوتی ہے وھو الّذی سخّر البحرَ لتاکلوا منہ لحمًا طریًّا وّتستخرجوا منہ حلیۃً تلبسونھا وتری الفلکَ مواخرَ فیہ ○ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا تاکہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے پہننے کے لئے جواہرات نکالو۔ اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں سمندر میں پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں۔ (سورۂ نحل آیت ۱۴)

مقصد یہ ہے کہ خدا نے انسان کو علمِ اسماء کے ذریعے اتنی تعلیم دی ہے جس کی وجہ سے وہ سمندروں سے

مچھلیاں پکڑ کر تازہ گوشت حاصل کر سکتا ہے۔ اور سمندر میں غوطہ خوری کر کے موتی، مونگے، مروارید اور مرجان وغیرہ نکال کر اپنے لئے زیورات بنا سکتا ہے اور کشتی رانی کے ذریعے سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکتا ہے جب کہ اسی سورہ میں انسان اور حیوان کے تعلق کو اس طرح سے اجاگر کیا گیا ہے والانعام خلقها لكم فيها دفء ومنافع ومنها تاكلون ○ ولكم فيها جمال حين تريحون وحين تسرحون ○ وتحمل اثقالكم الى بلد لم تكونوا بالغيه الا بشق الانفس ان ربكم لرءوف رحيم ○ والخيل والبغال والحمير لتركبوها وزينة ہم نے تمہارے لئے چوپائے بنائے۔ ان میں تمہارے لئے جڑاول اور دیگر بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے بعض (کے گوشت) کو تم کھاتے ہو۔ اور جب تم انہیں صبح جنگل میں چرانے لے جاتے ہو اور شام کو لے آتے ہو تو اس سے تمہاری عزت و شان ہے۔ یہ چوپائے (دشوار گزار) علاقوں میں جہاں تم مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تمہارا سامان ڈھوتے ہیں۔ بیشک تمہارا رب بڑا شفیق اور مہربان ہے اور (اسی نے) گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو۔ وہ تمہاری زینت بھی ہیں۔ (سورہ نحل آیت ۵تا۸)

خدا نے صرف جانور ہی پیدا نہیں کئے بلکہ علم الاسماء کے تحت انسان کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کی ترکیب بھی بتائی۔ جانوروں اور کشتی کی سواری خدا کی ایک عظیم نعمت ہے۔

والذي خلق الازواج كلها وجعل لكم من الفلك والانعام ما تركبون ○ لتستووا على ظهوره ثم تذكروا نعمة ربكم اذا استويتم عليه وتقولوا سبحان الذي سخر لنا هذا وما كنا له مقرنين اسی نے تمام قسم کے جوڑے پیدا کئے اور تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ (چوپائے کی اسی) پیٹھ بنائی کہ تم اس پر بیٹھ سکو پھر جب اس پر بیٹھ جاؤ تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرتے ہوئے کہو کہ وہ ذات پاک ہے جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر کر دیا جبکہ ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے۔ (سورہ زخرف آیت ۱۲و۱۳)

المختصر یہ کہ خدا نے کائنات کی اشیاء کے خواص انسان کو سکھائے اور اس سے استفادہ کرنے کے طریقے بتائے۔ سمندروں اور جانوروں سے فائدہ اٹھانے کے ذرائع بیان فرمائے۔ اسی خالق حکیم نے شہد کی مکھی کو مامور کیا کہ چمن چمن جا کر پھولوں کا رس چوسے۔ پھر اسی رس سے شہد جیسا مشروب بنائیں تاکہ وہ لوگوں کے امراض کے لئے شفا بن جائے۔ یہ خدا کی وسیع رحمت ہے کہ اس نے ہمیں تمام چیزوں کے خواص بتائے جس سے ہم اپنی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوئے۔

رب حکیم نے اپنی ہر مخلوق کو جینے کا طریقہ سکھایا اور اسے جینے کے لئے جس چیز کی ضرورت تھی وہ بتائی یعنی اشیا کے خواص تعلیم فرمائے۔ اس نے شہد کی مکھی کو "وہ اسما سکھائے" جن کی وجہ سے اپنی زندگی جاری

رکھنے کے لئے ضرورت تھی۔ اسی طرح اس نے مچھلیوں کو "وہ اسماء سکھائے" جن کی اُن کو زندگی گزارنے کے لئے ضرورت تھی۔ ور انسان تو خدا کی تمام مخلوقات میں کُل سربسد کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب انسانی تخلیق کے تمام مراحل پورے ہوگئے تو خدا نے اپنی اس تخلیق پر ناز کرتے ہوئے فرمایا فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین ○ بڑا بابرکت ہے خدا جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ (سورۃ مومنون آیت ۱۴)

خدا نے انسان کو تمام اشیاء کے حقائق وخواص کی تعلیم دی اور ارشاد فرمایا وسخر لکم ما فی السماوات وما فی الارض جمیعا ○ اور خدا نے آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا (سورۃ جاثیہ آیت ۱۳) ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا الم تروا ان اللّٰہ سخر لکم ما فی السماوات وما فی الارض ○ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے خدا نے سب کو تمہارے قابو میں کر دیا ہے۔ (سورۃ لقمان آیت ۲۰)

رب رحمٰن نے اپنی شان ربوبیت کے تحت استفادہ کے لئے ایک صنف کی دوسری صنف کی طرف رہنمائی کی اور دوسری صنف کو پہلی صنف کے لئے مسخر کر دیا۔ اس نے تمام اشیا کے خواص کا علم انسان کی سرشت میں رکھ دیا تاکہ وہ تھوڑی سی جدوجہد کر کے کائنات کے حقائق دریافت کرے اور مختلف چیزوں سے فائدہ اٹھائے۔ خدا نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ جب وہ ایک ذرہ (ایٹم) پر تحقیق کرتا ہے تو ذرے کو چیر کر تی رتی حاصل کرتا ہے جو ہزاروں کارخانوں کو چلانے کیلئے کافی ہوتی ہے۔ خدا ہی نے انسان کو طبیعیات (فزکس) میں سے برقیات (Electric) اور حرارت (Heat) کے خواص سکھائے ور چیزوں کی کیمسٹری سکھائی جس کی بدولت وہ مختلف دھاتوں کو جوڑ کر ہوائی جہاز بناتا ہے ور سرعت سے طویل فاصلے طے کرتا ہے۔

بات یہ ہے کہ جس رب نے انسان کو وعلم آدم الاسماء کلھا کے تحت کائنات کی تمام چیزوں کے خواص کا علم عطا فرمایا ہے اور اسے آزادی بھی بخشی ہے اس کو معلوم تھا کہ انسان چیزوں کو مثبت ور منفی دونوں طرح سے استعمال کرسکتا ہے چنانچہ اس نے اپنے تقاضائے رحمانیت کے تحت انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ انسان کو مثبت کاموں کی ترغیب دیں اور منفی کاموں سے روکیں اور اسے یہ بتائیں کہ وہ مسخر چیزوں سے کس طرح استفادہ کرے اور اپنے ہم جنسوں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ اور ایسے کاموں سے پرہیز کرے جو خود اس کے لئے اور معاشرے کے لئے نقصان کا باعث ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کا لوگوں کو آسمانی کتابوں کی تعلیم دینا رب رحمٰن کی شان رحمت کا مظہر ہے۔ اسی لئے الرحمٰن علی العرش استوی کے تحت پوری کائنات کے مقتدر اعلیٰ نے سورۃ رحمٰن میں اپنی رحمانیت کا تعارف یوں کرایا ہے۔ الرحمٰن ○ علم القرآن ○ خلق الانسان ○ علمہ البیان ○ یعنی رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اسی نے اس کو بیان کرنا سکھایا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان کا بالعموم اور تعلیم قرآن کا بالخصوص رحمٰن کی رحمت سے گہرا تعلق ہے۔

اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا آتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ○ آسمانوں اور زمین کے تمام رہنے والے رحمٰن کے بندے بن کر اس کے سامنے پیش ہوں گے۔ (سورۂ مریم آیت ۹۳)

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ○ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ ○ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِیْزَانَ ○ . وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ○ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ○ وَالْحَبُّ ذُوالْعَصْفِ وَالرَّیْحَانُ ○ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ سورج اور چاند ایک مقررہ حساب سے چل رہے ہیں۔ اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کر رہے ہیں اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔ . اور اسی نے انسانوں کے لئے زمین بچھائی۔ اس (زمین) میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں اور اناج (بھی) جس کے ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول۔ (اے جنو اور انسانو) تم دونوں اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (سورۂ رحمٰن آیت ۵-۱۳)

ان آیات سے لے کر سورۂ رحمٰن کی آخری آیت تک خدا نے اپنی دنیوی اور اخروی نعمتوں کا بھرپور تذکرہ فرمایا ہے اور انسانوں اور جنوں کو متنبہ کیا ہے کہ آخر وہ اس منعم کی کس کس نعمت کا انکار کریں گے؟

رب کبریا نے ایک اور جگہ فرمایا ہے

یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ○ وہ جسے چاہتا ہے فراوان رزق دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے۔ (سورۂ سباء آیت ۳۹،۳۶)

رب رحمٰن کی دنیوی نعمتیں بلا تخصیص مومنوں اور کافروں کے لئے عام ہیں۔ مذکورہ آیات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ دنیا میں رب کی صفات کا اظہار لفظ "رحمٰن" سے ہوتا ہے کیونکہ رحمٰن کی نعمات تمام مخلوقات کے لئے ہیں اور اس میں مومن اور کافر کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ رب نے رسولوں کو ہدایت کے لئے بھیجا اور اپنے احکام کو وحی کے ذریعے نازل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید انبیاء کے فرامین کو ان کے ذاتی فکر و نظر کے بجائے وحی کہتا ہے اور وحی اور رسالت و کتاب کا ارتباط لفظ رب سے قائم کرتا ہے۔ ارشاد اقدس الٰہی ہے

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰۤى اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ○ . (اے رسولؐ) یہ حکمت کی ان (باتوں) میں سے ہے جو خدا نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۹)

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ○ (اے رسولؐ) جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس کی پیروی کریں۔ (سورۂ انعام آیت ۱۰۶)

انبیاء و مرسلین کی رسالت اور ان کی کتابوں کا نزول بھی رب کے تقاضائے ربوبیت کا نتیجہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں انبیائے کرامؑ کے تذکرے میں مذکور ہے۔

حضرت ہودؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا یا قَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي ۔ اے قوم! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔ میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں۔(سورۂ اعراف۔ آیت ۶۷۔۶۸)

حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا یا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي ۔ اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔ میں تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں۔(سورۂ اعراف آیت ۶۱۔۶۲)

حضرت موسیٰؑ نے بھی فرعون سے یہی فرمایا تھا یا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ اے فرعون! بے شک میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں۔(سورۂ اعراف۔ آیت ۱۰۴)

آسمانی کتابوں کے اتارنے کے متعلق خداوند عالم نے فرمایا ہے

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۔ (اے رسولؐ) آپ کے رب کی کتاب میں سے جو وحی کے ذریعے آپ کے پاس بھیجی گئی ہے تلاوت کرتے رہا کریں۔(سورۂ کہف: آیت ۲۷)

تَنزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیا جانا پروردگار عالم کی طرف سے ہے۔ (سورۂ سجدہ آیت ۲)

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ بے شک یہ عالی رتبہ قرآن ہے جو کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔اسے کوئی چھو نہیں سکتا مگر وہ جو پاک ہیں۔ یہ پروردگار عالم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔(سورۂ واقعہ آیت ۷۷۔۸۰)

لفظ "امر" کی نسبت بھی رب کی طرف دی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ ... (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ تم ہر نماز کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو۔ (سورۂ اعراف آیت ۲۹)

دین و ایمان کے تمام احکام کا تعلق رب کی ربوبیت کے تقاضوں کا ثمر ہے جیسے کہ خدا نے خاتم الانبیاءؐ اور دوسرے مومنین کی طرف سے ہمیں یہ خبر دی ہے

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ رسول ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی ہیں اور مومنین بھی سب خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم اس کے رسولوں میں کچھ فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کا پیغام سنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے رب ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور ہماری بازگشت تیری ہی طرف ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۸۵)

رسول رب کے نمائندے تھے اسی لئے ان کی اطاعت رب کی اطاعت اور ان کی نافرمانی اور مخالفت رب کی نافرمانی اور مخالفت قرار پائی جیسا کہ فرمان الٰہی ہے مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے خدا کی اطاعت کی۔ ﴿سورۂ نساء آیت ۸۰﴾ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ○ رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد نہ کرو۔ ﴿سورۂ محمد آیت ۳۳﴾ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا۔ وہ جنات میں سے تھا پس اس نے اپنے رب کی حکم عدولی کی۔ ﴿سورۂ کہف آیت ۵۰﴾ قوم ثمود کے متعلق فرمایا فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ آخر انہوں نے اونٹنی (کی کونچوں) کو کاٹ ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی ﴿سورۂ اعراف آیت ۷۷﴾

رسول رب کے احکام کی تبلیغ کرتے ہیں اسی لئے ان کی نافرمانی رب کی نافرمانی قرار دی گئی جیسا کہ خدا نے فرعون اور اس کی قوم کے علاوہ امم سابقہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی۔ (سورۂ حاقہ آیت ۱۰)

توبہ کی قبولیت کا تعلق بھی صفت ربوبیت سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب گناہ کے بعد بندہ توبہ کرتا ہے تو رب اس کی توبہ قبول کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں پس تو ہمارے گناہ معاف کر دے۔ ﴿سورۂ آل عمران آیت ۱۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا اور ان کا کہنا بس یہی تھا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے ﴿سورۂ آل عمران آیت ۱۴۷﴾ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور فرما۔ ﴿سورۂ آل عمران آیت ۱۹۳﴾ حضرت موسیٰ نے رب کے حضور دعا کی تھی۔ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ اے میرے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو مجھے معاف کر دے۔ چنانچہ خدا نے ان کو معاف کر دیا۔ ﴿سورۂ قصص آیت ۱۶﴾

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں لفظ غَفُورٌ رَّحِيمٌ کو رب کی صفت کے طور بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ اور جن لوگوں نے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو یقیناً تمہارا رب اس کے بعد (بخش دے گا کیونکہ وہ) بخشنے والا (اور) بڑا مہربان ہے۔ ﴿سورۂ اعراف آیت ۱۵۳﴾ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ○ میں نے کہا کہ اپنے رب سے معافی مانگو

بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ ﴿سورۂ نوح آیت ۱۰﴾ حضرت آدمؑ کی توبہ کی قبولیت کی داستان بیان کرتے ہوئے خدا نے اپنی صفت ربوبیت کا تذکرہ فرمایا ہے فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کی توبہ قبول کرلی۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا (اور) بڑا مہربان ہے۔ ﴿سورۂ بقرہ آیت ۳۷﴾

یہاں یہ نکتہ ذہن نشیں رہنا چاہئے کہ جو گناہوں سے توبہ نہیں کرے گا خدا اسے اس کے برے اعمال کا بدلہ دے گا جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ○ إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ○ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ○ بے شک اہل کتاب میں سے جنہوں نے کفر کیا اور وہ جو مشرک ہیں سب ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور یہی بدترین خلائق ہیں (اور) بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ بہترین خلائق ہیں ان کی جزا ان کے رب کے پاس ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ ابد آباد ان میں رہیں گے۔ خدا ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ یہ سب کچھ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ (سورۂ بینہ آیت ۶ و ۸)

رب کی طرف سے کبھی اعمال کا صلہ اس جہان میں اور کبھی دوسرے جہان میں ملتا ہے اور کبھی دونوں جہان میں ملتا ہے۔ جزا کا تعلق بھی رب کی ربوبیت کے ساتھ مربوط ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ○ فَأَعْرَضُوْا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَّأَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ○ ذٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجَازِيْ إِلَّا الْكَفُوْرَ ○ (قوم) سبا کے لئے ان کے شہروں میں ہماری ایک نشانی تھی (یعنی) دائیں اور بائیں دونوں طرف باغات تھے (ہم نے ان سے کہا کہ) تم اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) اچھا شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) خدائے بخشندہ۔ مگر انہوں نے (شکر گزاری سے) منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر (بند توڑ کر) بڑے زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور ان کے دونوں باغات کو ایسے دو باغات میں تبدیل کر دیا جن کے پھل بدمزہ تھے۔ ان میں جھاؤ کے (بہت) اور بیر کے تھوڑے سے درخت تھے یہ ہم نے ان کو ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم سزا ناشکروں کو ہی دیتے ہیں۔ (سورۂ سباء آیت ۱۵ تا ۱۷)

قیامت کے دن حشر اور حساب کے بعد جزا ملے گی۔ حشر اور حساب کو قرآن مجید خدا کی صفت ربوبیت سے جوڑتا ہے إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ بے شک تیرا رب انہیں جمع کرے گا۔ ﴿سورۂ حجر آیت ۲۵﴾

ما فرّطنا فی الکتاب من شیءٍ ثمّ الی ربّھم یحشرون ○ ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی پھر اپنے رب کی بارگاہ میں جمع کئے جائیں گے۔ ﴿سورۂ انعام آیت ۳۸﴾ ان حسابھم الّا علی ربّی لو تشعرون ان کا حساب میرے رب کے ذمے ہے کاش کہ تم سمجھو۔ ﴿سورۂ شعراء آیت ۱۱۳﴾ حساب کے بعد مومنین خدا کی رحمت سے ہمکنار ہوں گے جیسے کہ قرآن بتاتا ہے۔ یوم نحشر المتّقین الی الرّحمٰن وفدًا ○ (قیامت کے دن متقیوں کو جمع کر کے رحمٰن کی بارگاہ میں احترام کے ساتھ لے جایا جائے گا۔ ﴿سورۂ مریم آیت ۸۵﴾

قیامت کے دن خدا کی رحمت عام نہیں ہوگی بلکہ صرف اہل ایمان کیلئے مخصوص ہوگی۔ خدا کی رحمت کا مظہر اس کے دو اسماء الرّحمٰن اور الرّحیم سے ہوتا ہے اور لفظ الرّحمٰن کو الرّحیم پر تقدم حاصل ہے جیسے کہ بسملہ شریف میں پہلے الرّحمٰن اور پھر الرّحیم ہے۔ سورۂ فاتحہ میں بھی پہلے الرّحمٰن اور بعد میں الرّحیم ہے الحمد للہ ربّ العالمین ○ الرّحمٰن الرّحیم ○ لفظ رحمٰن کے تقدم کی ایک وجہ تقدم زمانی بھی ہے کیونکہ خدا کی شان رحمانی کا تعلق دنیا سے اور شان رحیمی کا تعلق آخرت سے ہے۔ دنیا پہلے اور آخرت بعد میں ہے۔

سورۂ نبأ کی حسب ذیل آیات کے شروع میں عذاب کا اور بعد کی آیات میں ثواب کا ذکر ہے۔ خدا نے جہاں ثواب بیان کیا ہے وہاں اپنے آپ کو رب کہا ہے اور جہاں عذاب کا ذکر کیا ہے وہاں اس صفت کو بیان نہیں کیا ہے۔ انّ جھنّم کانت مرصادًا ○ للطّاغین مآبًا ○ لّابثین فیھا احقابًا ○ لا یذوقون فیھا بردًا وّلا شرابًا ○ الّا حمیمًا وّغسّاقًا ○ جزآءً وّفاقًا ○ انّھم کانوا لا یرجون حسابًا ○ وّکذّبوا بآیاتنا کذّابًا ○ وکلّ شیءٍ احصیناہ کتابًا ○ فذوقوا فلن نّزیدکم الّا عذابًا ○ انّ للمتّقین مفازًا ○ حدآئق واعنابًا ○ وّکواعب اترابًا ○ وّکاسًا دھاقًا ○ لا یسمعون فیھا لغوًا وّلا کذّابًا ○ جزآءً مّن رّبّک عطآءً حسابًا ○ بے شک جہنم ان کی گھات میں ہے۔ سرکشوں کا وہی ٹھکانا ہے اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ وہاں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھ سکیں گے اور نہ کسی پینے کی چیز کا۔ سوائے کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے۔ یہ ان کے اعمال کا مکمل بدلہ ہے۔ یہ لوگ حساب کی بالکل امید ہی نہیں رکھتے تھے۔ اور ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھ کر جھٹلاتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔ سو (اب تم اپنی بداعمالی کا) مزہ چکھو۔ ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔ بے شک متقیوں کے لئے کامیابی ہے۔ باغات ہیں اور انگور ہیں۔ نوخیز دوشیزگیں ہیں۔ اور شراب کے چھلکتے ہوئے جام۔ وہاں نہ تو کوئی لغو بات سنیں گے نہ خرافات۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے حساب کی ہوئی عطا ہے۔ (سورۂ نبأ آیت ۲۱ تا ۳۶)

اللہ کی جزا و سزا لفظ رب کی تعبیروں میں سے ایک تعبیر ہے اسی لئے رب کی ایک صفت اس کا مالک یوم الدّین ہونا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے الحمد للہ ربّ العالمین ○ الرّحمٰن الرّحیم ○ مالک یوم الدّین ○ اسی لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ لفظ رب ایک ایسی شمع ہے کہ رحمان، رحیم، تواب، غفار، رزاق اس کی کرنیں ہیں۔

خلاصۂ بحث

سورۂ اعلیٰ میں ہے کہ مخلوق کا رب وہی خدا ہے جس نے اسے پیدا کیا، اس کی سرشت میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت رکھی اور اس میں سے ہر ایک کے لئے زندگی مقدر کی اور پھر اسے ہدایت دی۔ اس کے بعد خدا چراگاہ کی مثال بیان فرماتا ہے کہ رب وہی ہے جس نے حیوانات کی چراگاہیں قائم کیں۔ اور چراگاہ کی گھاس کی تربیت کی یہاں تک کہ وہ خشک ہو کر کوڑا ہو گئی جب کہ پہلے وہ سرسبز و شاداب دکھائی دیتی تھی۔

سورۂ رحمٰن میں مقام ربوبیت کا وصف بیان کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے کہ خدا نے بیان کے ذریعے سے انسان میں قبول ہدایت کی صلاحیت ودیعت فرمائی۔ سورۂ علق میں بھی صفات ربوبیت کے ساتھ وصف انسان کا تذکرہ کیا گیا ہے اور یہ پیغام دیا گیا ہے کہ رب نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اسی نے اسے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی ہے۔ اس پیغام میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ رب نے قلم کے وسیلے سے انسان کو ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ سورۂ رحمٰن اور سورۂ علق کی یہ آیات سورۂ اعلیٰ کے لفظ فسوّٰی کی تعبیر ہیں۔

سورۂ شوریٰ، سورۂ نساء اور سورۂ آل عمران میں یہ بتایا گیا ہے کہ رب نے انسان کی ہدایت کس طرح کی ہے اور پھر یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو شتر بے مہار بنا کر نہیں بھیجا بلکہ اس کے لئے دین مقرر کیا ہے جس کی وحی اس نے اپنے انبیاء کو کی۔ سورۂ یونس اور سورۂ اعراف میں ہے کہ تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور انہیں ہدایت تسخیری سے ممتاز کیا۔

سورۂ انعام کی آیت ۹۵ سے ۱۰۱ تک مخلوقات کی مختلف انواع کا ذکر ہے۔ اس کے بعد آیت ۱۰۲ میں ارشاد ہے: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ ... وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو۔

رب کی صفات وافعال

قرآنی صفات میں لفظ رب ایسی مشعل ہے جس کی مختلف کرنیں اور مختلف صفات ہیں۔ ان میں سے کچھ صفات کا اظہار صرف دنیا میں ہوتا ہے اور کچھ صفات کا اظہار آخرت میں ہوتا ہے اور کچھ صفات کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہے۔ ان صفات میں لفظ رحمٰن بھی رب کی ایک صفت ہے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں رب العزت کا فرمان ہے: إِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ بے شک تمہارا رب رحمٰن ہے۔

لفظ رحمٰن رحمت سے مشتق ہے۔ خدا نے لفظ رحمٰن کے آثار کا تذکرہ دنیا کی نعمت کے ضمن میں کیا ہے: خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى ۝ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ۝ اس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ (خدائے) رحمٰن عرش اقتدار پر متمکن ہوا۔ ﴿سورۂ طٰہٰ آیت ۴ و ۵﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ○ اس نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا۔ اس کے بعد عرش اقتدار پر متمکن ہوا۔ وہ رحمن ہے ان کی تخلیق کے بارے میں اسی باخبر سے پوچھو۔ ﴿سورۂ فرقان، آیت ۵۹﴾

مذکورہ بالا آیات کا پیغام یہ ہے کہ رحمن وہی ہے جو پوری کائنات کے عرش اقتدار پر متمکن ہے اور اپنی وسیع رحمت کی بدولت تمام جہانوں کی تربیت یعنی نشوونما اور بقا کا اہتمام کرتا رہتا ہے۔ اور اس کی رحمت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ تمام مخلوقات کو ہدایت دے جس کی وجہ سے وہ درجۂ کمال تک پہنچ جائیں۔

چنانچہ رحمن نے جمادات، نباتات اور حیوانات کو تسخیری ہدایت عطا فرمائی اور انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء و مرسلین کو وسیلہ بنایا اور ان پر اپنی وحی نازل فرمائی۔ اس مفہوم کی وضاحت کے لئے قرآن کریم کے دو الفاظ یعنی الاسم اور التسخیر پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔

اسمائے حسنیٰ

علمائے لغت نے کہا ہے کہ لفظ اللہ ، الٰہ سے مشتق ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ لفظ اللہ دراصل الٰہ تھا جو جنس آلھۃ کا اسم ہے۔ اس پر الف لام تعریف داخل کیا گیا تو وہ الالٰہ بن گیا۔ پھر الف کو حذف کر کے ایک لام کو دوسری لام میں مدغم کیا گیا تو وہ اللہ بن گیا اور یوں اللہ اور الٰہ کی وہی حیثیت ہے جو رجل اسم نکرہ اور الرجل اسم معرفہ کی ہے۔ جس طرح سے الرجل سے ایک خاص مرد مراد ہوتا ہے اسی طرح اللہ سے ایک خاص معبود مراد ہے چنانچہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے بس وہی معبود ہے جس کا میں قصد کر رہا ہوں اور جسے میں متعین کر رہا ہوں۔ علمائے لغت کا یہ قول سراسر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لفظ اللہ علمائے نحو کی اصطلاح کے مطابق اسم مرتجل ہے اور یہ اس ذات کا نام نامی ہے جس کی صفات میں تمام اسمائے حسنیٰ شامل ہیں اور یہ اس کے سوا کسی اور کا نام نہیں۔ جس طرح وہ اپنے نام میں منفرد ہے اسی طرح وہ اپنی الوہیت میں بھی منفرد ہے۔

اسلامی اصطلاح میں اللہ اس ذات کا نام نامی ہے جو تمام صفات کمال کی جامع ہے۔ ارشاد باری ہے وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۝ اللہ کے لئے ہی اسمائے حسنیٰ ہیں (سورۂ اعراف آیت ۱۸۰) اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۝ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی کیلئے اسمائے حسنیٰ ہیں (سورۂ طٰہٰ آیت ۸)

اس تشریح کے بعد ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ جو تمام صفات کمال کا جامع ہے اور جو اسمائے حسنیٰ سے موسوم ہے اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی وجود میں موثر ہے اور نہ کوئی معبود ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم قیوم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قائم بالذات ہے، ہر چیز کی حفاظت کرنے والا ہے اور ہر چیز کو سامان زیست فراہم کرنے والا ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا ہے اَلَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی ۝ اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر ہدایت بخشی۔ (سورۂ طٰہٰ آیت ۵۰) اس مفہوم کی بنا پر اللہ ہی رب ہے اور وہی رحمٰن ہے۔ وہی رزاق ہے۔ وہی تواب ہے۔

وہی غفار ہے۔ وہی رحیم ہے اور وہی مالک یوم الدین ہے۔ اس کے سوا دیگر ۹۳ اسمائے حسنیٰ سے بھی وہی ذات موسوم ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کے مطالعے کے دوران ہمیں یہ لطیف نکتہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ جن اوصاف و صفات کو لفظ رب سے تعبیر کیا گیا ہے ان ہی صفات و افعال کو لفظ اللہ کی صفات و افعال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً لفظ رب کے وصف میں رزاق، تواب، غفور اور رحیم اور اعمال کا بدلہ دینے جیسی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان ہی صفات کا ذکر اسم اللہ کی صفات میں بھی کیا گیا ہے۔ ویسے تو کئی آیات ہیں لیکن ہم یہاں صرف چار آیات نقل کرتے ہیں۔

اللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ○ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو وسیع یا تنگ کر دیتا ہے ﴿سورۂ رعد آیت ۲۶﴾ اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○ بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ ﴿سورۂ توبہ آیت ۱۰۴﴾ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ بیشک اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ ﴿سورۂ بقرہ آیت ۱۸۲﴾ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کی بہترین جزا عطا کرے۔ ﴿سورۂ توبہ آیت ۱۲۱﴾

اس کے علاوہ اسم اللہ کی مخصوص صفات بھی ہیں جیسا کہ آیت الکرسی میں مذکور ہے

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ○ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ اور قائم بالذات ہے۔ اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر (کسی کی) سفارش کر سکے۔ جو کچھ ان (لوگوں) کے سامنے ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو چکا ہے وہ سب جانتا ہے اور یہ (لوگ) اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر اسی قدر جس قدر وہ چاہتا ہے۔ اس کی کرسی (علم) آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اسے ان کی حفاظت تھکا نہیں سکتی۔ وہ بہت بلند اور بہت عظیم ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۵۵)

العزیز، الحکیم، القدیر، السمیع، البصیر، الخبیر، غنیٌّ حمید، ذوالفضل العظیم واسعٌ علیم اور فعّالٌ لما یشآء، جیسی خاص صفات انہیں کا منبع و مصدر اسم اللہ ہے عبرانی میں اللہ کا مترادف یہوہ ہے اور الالٰہ کا مترادف الوہیم ہے۔

اللہ جل شانہٗ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ آیئے دیکھیں کہ کرسی سے کیا مراد ہے؟

کرسی کا مفہوم

لغت میں کرسی تخت اور علم کو کہا جاتا ہے۔

طبری، قرطبی اور ابن کثیر نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے۔ہم یہاں طبری کی روایت کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: کرسیه علمه اس کی کرسی سے اس کا علم مراد ہے۔

طبری کہتے ہیں کہ خدا نے فرشتوں کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے ربنا وسعت کُلَّ شیءٍ رحمةً وعلماً یعنی اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر محیط ہے۔(سورۂ مومن آیت ۷)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے قول کی تصدیق فرمائی. وَسِع کُرسِیُّهُ السَّمٰوٰت وَالْاَرْض اور یہاں کرسی سے مراد علم ہے۔ یعنی اللہ کا علم آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔

اسی لئے لکھی ہوئی کاپی کو بھی عربی زبان میں کراسة اور علماء کو کراسی کہا جاتا ہے مثال یہ شعر دیکھئے

تحفُّ بهم بیض الوجوه و عصبة
کَراسیُّ بالاحداث حین تنوبُ

ان کے پاس جو حوادث کے اترنے کا علم رکھتے ہیں روسفید اور معزز لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔

کراسی بالاحداث سے علماء بحوادث الامور مراد ہیں۔ (طبری کا قول ختم ہوا)

ہم طبری کی تائید کرتے ہوئے اس بات کا اضافہ کرتے ہیں کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کو نقل فرمایا ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا وسع ربی کُلَّ شیءٍ علماً افلا تتذکرون ○ میرا رب اپنے علم سے ہر چیز پر محیط ہے۔کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرو گے؟ (سورۂ انعام آیت ۸۱)

حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: وسع ربنا کُلَّ شیءٍ علماً ۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔(سورۂ اعراف: آیت ۸۹)

حضرت موسیٰ نے سامری سے فرمایا تھا. انما الٰهکم اللّٰه الذی لا اله الا هو وسع کُلَّ شیءٍ علماً تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔(سورۂ طٰہٰ آیت ۹۸)

حضرت امام جعفر صادقؑ سے کسی نے پوچھا کہ وسع کُرسِیُّهُ السَّماوات وَالْاَرْض کا کیا مطلب ہے؟ حضرت نے فرمایا علمهٗ ۔لفظ کرسی سے اللہ تعالیٰ کا علم مراد ہے۔[1]

ویسے بھی آیت الکرسی میں کرسی کا لفظ علم خدا کے بعد آیا ہے یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم ولا یحیطون بشیءٍ من علمه الا بما شاء وسع کُرسِیُّهُ السَّماوٰاتِ وَالْاَرْض۔اس آیت میں یعلم اور علمه دو قرائن ایسے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وسع کرسیه سے اس کا علم مراد ہے۔بعض روایت

۱۔ شیخ صدوق، توحید ص ۳۲۷، باب معنی قول اللہ عزوجل وسع کرسیه السماوات والارض۔

میں حضرت رسول اکرمؐ سے منقول ہے۔ كُلُّ شَيْءٍ فِي الْكُرْسِيِّ یعنی ہر چیز کرسی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ عبودیت کی بحث چونکہ اسمائے حسنیٰ کی بحث سے مربوط ہے لہٰذا اس سلسلے میں ہم چند معروضات پیش کرتے ہیں۔

عبد اور عبودیت

عَبْدٌ عِبَادَةٌ وَعُبُوْدِيَّةٌ۔ عبودیت یعنی اطاعت اور عبودیت یعنی اظہار خضوع و تذلل۔ عبادت کے یہ دونوں معنی بیان کئے گئے ہیں۔

سورۂ فاتحہ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے الفاظ اطاعت کے معنی میں آئے ہیں یعنی ہم تیری اطاعت کرتے ہیں اور نَعْبُدُ کے معنی اطاعت کے اس لئے ہیں کہ یہ لفظ رب العالمین کے بعد آیا ہے اور رب العالمین کی شان کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ اپنے اوامر شرعی سے لوگوں کو ہدایت کرے۔

لفظ عبادت، اطاعت کے معنوں میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی اس حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ اَطَاعَ رَجُلًا فِي مَعْصِيَةٍ فَقَدْ عَبَدَهُ یعنی جس نے معصیت میں کسی آدمی کی اطاعت کی تو اس نے اس کی عبادت کی۔[1]

حضرت امام علی رضاؑ فرماتے ہیں مَنْ اَصْغٰى اِلٰى نَاطِقٍ فَقَدْ عَبَدَهُ فَاِنْ كَانَ النَّاطِقُ عَنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَقَدْ عَبَدَ اللّٰهَ وَاِنْ كَانَ النَّاطِقُ عَنْ اِبْلِيْسَ فَقَدْ عَبَدَ اِبْلِيْسَ یعنی جس نے کسی بولنے والے کی طرف دھیان دیا تو اس نے اس کی عبادت کی۔ اگر بولنے والا اللہ کی طرف سے ہوگا تو اس نے اللہ کی عبادت کی اور اگر بولنے والا شیطان کی طرف سے ہوگا تو اس نے شیطان کی عبادت کی۔[2]

باشعور مخلوق اپنے ارادے اور اختیار سے عبادت کرتی ہے جبکہ بے شعور مخلوق مسخر ہو کر عبادت کرتی ہے۔ ارشاد باری ہے اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا یعنی آسمانوں اور زمین میں کوئی ایسا نہیں جو اس کی بارگاہ میں بندہ بن کر حاضر ہونے والا نہ ہو۔ (سورۂ مریم۔ آیت ۹۳)

یہی مفہوم قرآن مجید کی دیگر آیات میں یوں بیان ہوا ہے وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی۔ اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔ ﴿سورۂ نحل۔ آیت ۴۹﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ آسمانوں اور زمین کی سب مخلوق خوشی سے یا ناخوشی سے خدا کو سجدہ کر رہی ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام (سجدہ کرتے ہیں)۔ ﴿سورۂ رعد۔ آیت ۱۵﴾

۱۔ شیخ کلینی، اصول کافی، ج ۲، ص ۳۹۸۔

۲۔ عیون اخبار الرضا ج ۱، ص ۳۰۳، حدیث ۶۳۔ وسائل الشیعہ ج ۱۸، ص ۹۲۔

عبد کے چار معانی ہیں:

۱۔ عَبْدٌ بمعنی زرخرید غلام۔ ارشاد الٰہی ہے: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ خدا ایک زرخرید غلام کی مثال بیان کرتا ہے جو کسی چیز پر قادر نہیں۔ (سورۂ نحل آیت ۷۵)

عَبْدٌ کی جمع عَبِیْدٌ ہے۔ ایک حدیث رسولؐ میں یہ لفظ غلاموں کے معنی میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا: مَنْ خَرَجَ اِلَيْنَا مِنَ الْعَبِيْدِ فَهُوَ حُرٌّ یعنی جو غلام ہمارے پاس آئے گا وہ آزاد ہوگا۔[1]

۲۔ عبدٌ جو پیدائشی بندہ ہو۔ اس کی مثال یہ آیت ہے: اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا یعنی آسمانوں اور زمین میں کوئی ایسا نہیں جو اس کی بارگاہ میں بندہ بن کر حاضر ہونے والا نہ ہو۔ (سورۂ مریم آیت ۹۳) اس طرح کے عبدٌ کی جمع عبید ہے جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے: وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ بے شک خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ (سورۂ انفال آیت ۵۱)

۳۔ وہ عبد جو عبادت اور خدمت کی وجہ سے عبد کہلاتا ہو البتہ ایسے عبد کو عابد کہنا زیادہ بلیغ ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں:

ا) خلوص سے خدا کی عبادت کرنے والا۔ اور اس کی جمع عباد ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی داستان میں آیا ہے: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ○ انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پالیا جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت دی تھی۔ (سورۂ کہف آیت ۶۵)

ب) ہر وقت دنیا طلبی میں سرگرداں رہنے والا۔ دنیا کے طالب عبد کی جمع عَبِیْدٌ ہے۔ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الدِّيْنَارِ یعنی درہم و دینار کا غلام ہلاک ہوا اور یہ کہ مَنْ خَرَجَ اِلَيْنَا مِنَ الْعَبِيْدِ فَهُوَ حُرٌّ۔

لوگوں کی ہدایت کے لئے اوامر و نواہی کا حقیقی سرچشمہ رب العالمین ہے۔ جو کوئی اپنے رب کی عبادت و اطاعت کرے وہ اس کا عابد ہے اور جو کوئی اس سے منہ پھیر کر دوسروں کی عبادت اور اطاعت کرے وہ ان معبودوں کا عابد ہے۔

یہاں تک آپ نے الوہیت اور ربوبیت کی بحث ملاحظہ فرمائی۔ رب العالمین کی ایک صفت یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز اس کی مشیت پر عمل پیرا ہے اس لئے اب ہم لفظ مشیت کی بحث پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۲۴۹۔

رب العالمین کی مشیت

رب العالمین کی چند صفات میں یعنی ہدایت دینے میں، رزق دینے میں، عذاب دینے میں، رحمت نازل کرنے میں اس کی مشیت بھی ایک صفت ہے۔

(۱) **لغت میں** شاء، یشاء، مشیئۃ کا مطلب ہے اس نے ارادہ کیا۔ وہ ارادہ کرے گا

چونکہ انسان ایک بااردہ مخلوق ہے اس لئے لفظ "مشیت" قرآن میں ان ہی معنوں میں آیا ہے

انّ ھٰذہ تذکرۃ فمن شآء اتخذ الٰی ربّہ سبیلا ○ یقیناً یہ (قرآن) عبرت و نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اپنے رب کے راستے کو اختیار کرے۔ (سورۂ مزمل آیت ۱۹۔ سورۂ دہر آیت ۲۹)

یعنی کہ اگر کوئی انسان خدا کے راستے پر چلنا چاہے تو وہ پوری طرح آزاد ہے اور اسے اس کا اختیار حاصل ہے۔ یہی مفہوم سورۂ مدثر کی آیت ۵۵، سورۂ عبس کی آیت ۱۲، سورۂ تکویر کی آیت ۲۸ اور سورۂ [illegible] کی آیت ۲۹ کے علاوہ دیگر آیات میں بھی بیان ہوا ہے

لغت میں مشیت کے معنی ارادہ ہے اس لئے یہ لفظ لغوی معنی میں خدا کی طرف بھی منسوب ہوا ہے۔

۱۔ الم تر الی ربّک کیف مدّ الظّلّ ولو شآء لجعلہ ساکناً ○ کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے سایہ کو کیسے پھیلایا اور اگر وہ چاہتا تو اسے ساکن بھی بنا سکتا تھا (سورۂ فرقان آیت ۴۵)

۲۔ فامّا الّذین شقوا ففی النّار لھم فیھا زفیر و شھیق ○ خالدین فیھا ما دامت السّمٰوٰت والارض الّا ما شآء ربّک انّ ربّک فعّال لما یرید ○ و امّا الّذین سعدوا ففی الجنّۃ خالدین فیھا ما دامت السّماوات والارض الّا ما شآء ربّک عطآءً غیر مجذوذ ○ پس بدبخت دوزخ میں ڈالے جائیں گے جہاں وہ چیختے چلاتے ہوں گے۔ جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں وہ اسی میں رہیں گے مگر جسے تمہارا رب نکالنا چاہے۔ بے شک تمہارا رب جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور نیک بخت جنت میں داخل کئے جائیں گے اور جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں وہ وہیں رہیں گے مگر یہ کہ تمہارا رب اس کے خلاف چاہے۔ یہ ایک عطا ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔ (سورۂ ہود آیت ۱۰۶ تا ۱۰۸)

اسی مفہوم کو سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۸۶ اور سورۂ فرقان کی آیت ۵ میں بھی بیان کیا گیا ہے

پہلی آیت بتاتی ہے کہ چیزوں کا سایہ ان کے پنجۂ تقدیر میں کس ہے۔ ہر چیز کا سایہ خدا کے تقدیر میں ہے۔ وہی دوپہر ڈھلنے کے بعد سائے کو مشرق کی طرف پھیلاتا ہے اور آہستہ آہستہ اسے انتہائی طویل بناتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو اس سائے کو ہمیشہ کے لئے ساکن بھی بنا سکتا تھا۔ چنانچہ سائے کا پھیلاؤ اور اس کی حرکت خدا کی قدرت اور اس کے ارادے سے مربوط ہے۔ اس کے ارادے سے خارج نہیں۔

دوسری آیت بتاتی ہے کہ دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جنتی ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اہل نار کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا اور اہل جنت کا ہمیشہ جنت میں رہنا خدا کی قدرت اور ارادے سے وابستہ ہے۔ اس کے ارادے اور قدرت سے باہر نہیں۔

قرآن کی اصطلاح میں جہاں بھی رزق، ہدایت اور عذاب یا رحمت کے بعد مشیت کا ذکر ہے تو اس سے رزق، ہدایت اور عذاب یا رحمت کے وہ قوانین مراد ہیں جو خدا نے اپنی حکمت سے نافذ کئے بنائے ہیں۔ اور خدا کے بنائے ہوئے قوانین بدلتے نہیں ہیں جیسا کہ خود اس نے بتایا ہے

۱۔ سُنَّةَ اللّٰهِ ... وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ○ یہ خدا کا قانون ہے اور تم خدا کے قانون میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ (سورۂ احزاب آیت ۳۸، ۶۲۔ سورۂ فتح آیت ۲۳)

۲۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا ○ تم خدا کے قانون میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور تم خدا کے قانون میں ہرگز کوئی تغیر نہ دیکھو گے۔ (سورۂ فاطر آیت ۴۳)

(۲) رزق کو بھی قرآن مجید نے خدا کی مشیت کے ساتھ جوڑا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے: لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ وہ جس کی چاہتا ہے روزی کھول دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ ہر چیز جانتا ہے۔ (سورۂ شوریٰ آیت ۱۲) وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ○ اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ○ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ○ زمین پر چلنے والے کتنے ہی جاندار ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔ خدا ان کو بھی رزق دے رہا ہے اور تم کو بھی رزق دے رہا ہے۔ اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور اگر ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو یقیناً وہ کہیں گے کہ خدا نے۔ تو پھر یہ کدھر بہکے چلے جا رہے ہیں؟ خدا اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک خدا ہر چیز سے واقف ہے۔ اور اگر تم ان سے

پوچھو کہ آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو کس نے زندہ کیا تو یقیناً وہ کہیں گے کہ خدا نے۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ ساری حمد خدا کے لئے سزاوار ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ ﴿سورۂ عنکبوت آیت ۶۰ تا ۶۳﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ٥ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور تم جو چیز اس کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا بدلہ ضرور دے گا وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ ﴿سورۂ سبا آیت ۳۹﴾ وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْهَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ٥ اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا ٥ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا ٥ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا ٥ وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ٥ خبردار اپنے ہاتھ کو نہ تو بالکل بندھا لو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ ہی بالکل کھول دو (کہ سب کچھ دے دو اور آخرکار) خالی ہاتھ درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ بے شک تمہارا رب جس کی روزی چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور ان کو دیکھ رہا ہے۔ غربت کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکنا مگر اس طریقے سے (اس کے مال میں تصرف کرنا) جو بہترین طریقہ ہے یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائے۔ اور اپنے عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے متعلق پوچھ جائے گا۔ جب (کوئی چیز) ناپ کر دو تو پیمانے پورا بھرا کرو اور (جب کوئی چیز تول کر دو تو) ترازو سیدھی رکھ کر تولو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا نتیجہ بھی بہت اچھا ہے۔ ﴿سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۹ تا ۳۱، ۳۴، ۳۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ٥ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اے خدا تو ہی مالک ملک ہے۔ تو جس کو چاہے ملک دے اور جس سے چاہے ملک لے لے۔ اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کا خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تو ہی بے جان سے جاندار کو پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان کو پیدا کرتا ہے ☆ اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ﴿سورۂ آل عمران آیت ۲۶، ۲۷﴾

☆ مثلاً بے جان انڈے سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان انڈے کو پیدا کرتا ہے

جزائے اعمال کی بحث میں ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ خدا نے روزی کی فراخی کو صلہ رحمی میں مضمر رکھا ہے اور یہ کہ باپ کی نیکی کا بدلہ اولاد کو بھی ملتا ہے جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کی داستان میں آیا ہے۔ حضرت خضر نے گرتی ہوئی دیوار اس لئے بلا معاوضہ بنا دی تھی کہ وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ اس دیوار میں بچوں کے لئے خزانہ دفن تھا۔ بہرنوع صلہ رحمی اور باپ کی نیکی اولاد کے حق میں وسعت رزق کا موثر ذریعہ ہے اور یہ دونوں چیزیں رزق کے متعلق رب العالمین کی مشیت کی مظہر ہیں اور یہ رب العالمین کا بنایا ہوا ناقابل تبدیل قانون ہے۔

(۳) **ہدایت** میں رب العالمین کی مشیت کے دو مفہوم قرآن مجید میں دکھائی دیتے ہیں

۱۔ ہدایت بمعنی تعلیم۔ اس سے انسان کو اسلام کے عقائد اور احکام کی صرف تعلیم مراد ہوتی ہے۔ قرآن مجید اس طرح کی ہدایت کو عموماً انبیائے کرام سے منسوب کرتا ہے کیونکہ خدا نے انہیں عقائد اور احکام کی تبلیغ پر مامور کیا ہے۔ اور کبھی اس طرح کی ہدایت کی نسبت انبیائے کرام کی بجائے براہ راست خدا کی طرف ہوتی ہے کیونکہ انبیائے کرام کو خدا ہی مامور کرتا ہے۔

۲۔ ہدایت بمعنی توفیق۔ اس سے مراد ہے کہ خدا انسان کو اسلام کے عقائد اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ ہدایت کے اس مفہوم کی نسبت صرف خداوند متعال کی طرف دی گئی ہے۔ کبھی تو اسے مشیت الٰہی کے ساتھ اور کبھی ذکر مشیت کے بغیر بیان کیا گیا ہے۔ انشاء اللہ اگلی بحثوں میں اس کی علیحدہ علیحدہ مثالیں بیان کی جائیں گی۔

اس طرح کی ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے یہ شرط ہے کہ انسان برضا و رغبت اسلام قبول کرے اور اپنے عمل سے ہدایت کی اس قسم کے لئے صلاحیت کا مظاہرہ کرے۔

(الف) **ہدایت بمعنی تعلیم:** قرآن مجید میں ہدایت بمعنی تبلیغ کی زیادہ تر نسبت انبیائے کرام کی طرف دی گئی ہے مثلاً **وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ○ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ○** اور بیشک (اے رسولؐ) آپ صراط مستقیم کی ہدایت کرتے ہیں (یعنی) خدا کے رستے کی طرف جو آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے۔ آگاہ رہو کہ سب کاموں کی بازگشت خدا ہی کی طرف ہے۔ ﴿سورۂ شوریٰ۔ آیت ۵۲، ۵۳﴾ اور کبھی انبیائے کرام کی اس ہدایت کی نسبت خدا نے اپنی طرف دی ہے۔ وہ فرماتا ہے **وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا** ہم نے ان (نبیوں) کو لوگوں کا امام بنایا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ ﴿سورۂ انبیاء۔ آیت ۷۳﴾ **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ** وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔ ﴿سورۂ فتح آیت ۲۸﴾

قرآن مجید میں ہدایت بمعنی تعلیم کی اضافت آسمانی کتابوں کی طرف بھی ملتی ہے مثلاً شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس وبینات من الهدی والفرقان رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرتا ہے اور اس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ کرنے والا ہے۔ ﴿سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵﴾ وانزل التوراة والانجیل ○ من قبل هدی للناس اس سے پہلے توراۃ اور انجیل کو لوگوں کی ہدایت کے لئے اتارا۔ ﴿سورۂ آل عمران آیت ۳،۴﴾

قرآن مجید میں ہدایت بمعنی تعلیم کی نسبت خداوند متعال کی طرف بھی دی گئی ہے مثلاً الم نجعل له عینین ○ ولسانا وشفتین ○ وهدیناه النجدین ○ کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں نہیں دیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے؟ اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دونوں راستے دکھا دیئے۔ ﴿سورۂ بلد آیت ۸-۱۰﴾ واما ثمود فهدیناهم فاستحبوا العمی علی الهدی ○ اور ہم نے قوم ثمود کو ہدایت دی تھی مگر انہوں نے ہدایت سے آنکھ بند کر لینا (زیادہ) پسند کیا۔ ﴿سورۂ حم السجدہ آیت ۱۷﴾

قرآن مجید میں ہدایت بمعنی تعلیم کی نسبت خدا کی طرف بھی دی گئی ہے اور نبیوں کے ذریعے راستے کی طرف کی ہدایت تعلیمی خدا کا فرض ہے۔ اس کے بعد یہ انسان کی اپنی ذمے داری ہے کہ وہ اس خدائی ہدایت کو قبول کرتا ہے یا مسترد کرتا ہے۔

(ب) **انتخاب راہ کی آزادی:** خدا نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیائے کرامؑ کو مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتابیں بھی نازل فرمائیں۔ انبیاء کی تبلیغ کے بعد لوگوں کے دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ نے خدا کے پیغام کو قبول کیا اور انہوں نے ہدایت کو گمراہی پر ترجیح دی جب کہ دوسرے گروہ نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی جیسا کہ فرمان الٰہی ہے وان اتلوا القرآن فمن اهتدی فانما یهتدی لنفسه ومن ضل فقل انما انا من المنذرین اور یہ بھی کہ میں قرآن کی تلاوت کروں تو جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے اختیار کرتا ہے اور جو شخص گمراہ رہتا ہے تو (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں۔ ﴿سورۂ نمل آیت ۹۲﴾ قل یا ایها الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اهتدی فانما یهتدی لنفسه ومن ضل فانما یضل علیها وما انا علیکم بوکیل ○ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آچکا ہے تو اب جو کوئی ہدایت اختیار کرے گا وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرے گا اور جو گمراہی اختیار کرے گا تو وہ خود ہی نقصان اٹھائے گا اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ﴿سورۂ یونس آیت ۱۰۸﴾

یہی مفہوم سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۵ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ہدایت قبول کرنے کے بعد خدا کی طرف سے ہدایت قبول کرنے والے کے لئے توفیق کا مرحلہ آتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ویزید الله الذین

اهْتَدَوْا هُدًى ۝ اور خدا ہدایت حاصل کرنے والوں کو مزید ہدایت دیتا ہے۔ ﴿سورۂ مریم آیت ۷۶﴾ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۝ اور جو ہدایت قبول کرتے ہیں خدا ان کو مزید ہدایت بخشتا ہے اور تقویٰ عنایت کرتا ہے۔ ﴿سورۂ محمدؐ آیت ۱۷﴾

جو خوش نصیب انبیاء کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں تو خدا کی توفیق انہیں اپنے دامن میں لے لیتی ہے۔ اس کے برعکس جو بدنصیب انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں اور خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں تو انہیں گمراہی گھیر لیتی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۝ جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم ضرور انہیں اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے اور خدا تو حسن عمل والوں کے ساتھ ہے۔ ﴿سورۂ عنکبوت آیت ۶۹﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝ إِنْ تَحْرِصْ عَلَى هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جس نے یہ تعلیم دی کہ) خدا کی عبادت کرو اور طاغوت کی پرستش نہ کرو۔ پھر ان میں سے بعض کو خدا نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔ (اے رسولؐ) اگرچہ آپ ان (کافروں) کی ہدایت کے خواہاں ہیں مگر خدا جس کو گمراہی میں چھوڑ چکا ہے اب وہ انہیں ہدایت نہیں دے گا اور نہ (قیامت کے دن) ان کا کوئی مددگار ہوگا۔ انہوں نے خدا کی قسم کھا کر (لوگوں کو بہکایا تھا) کہ خدا مرنے والوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ ﴿سورۂ نحل آیت ۳۶ تا ۳۸﴾ فَرِيقًا هَدَى وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۝ ایک گروہ کو تو اس نے ہدایت دی اور ایک گروہ پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنالیا اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ﴿سورۂ اعراف آیت ۳۰﴾

ہدایت کی اس قسم کا تعلق یقیناً مشیت الٰہی سے ہے جیسا کہ اس کی وضاحت پیش کی جائے گی۔

(۴) ہدایت بمعنی توفیق: لفظ ہدایت ایمان اور عمل کی توفیق کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے اور ہدایت کے اس مفہوم کی نسبت خدا کی طرف دی گئی ہے جیسا کہ ان آیات سے واضح ہوتا ہے وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ خدا جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت (توفیق) دیتا ہے۔ ﴿سورۂ بقرہ آیت ۱۴۲ و ۲۱۳۔ سورۂ نور آیت ۴۶۔ سورۂ یونس آیت ۲۵﴾ مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے صراط مستقیم پر لگا دیتا ہے ﴿سورۂ انعام آیت ۳۹﴾ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ

(اے رسولؐ) آپ جس کو چاہیں اسے ہدایت (کی توفیق) نہیں دے سکتے بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت (کی توفیق) دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بخوبی جانتا ہے۔ ﴿سورۂ قصص، آیت ۵۶﴾

لغوی تشریح

۱۔ صراطِ مستقیم سیدھا اور صاف راستا جس میں کسی طرح کی کوئی کجی نہ ہو

سورۂ فاتحہ میں ہے کہ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۝ صراط مستقیم ان لوگوں کا راستا ہے جن پر خدا نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں ان کا راستا نہیں جن پر غضب کیا گیا یا جو بھٹکے ہوئے ہیں۔ (سورۂ فاتحہ آیت ۷)

نعمت یافتہ لوگوں کا راستا ہی صراط مستقیم ہے۔ خدا نے سورۂ مریم میں حضرت زکریا، حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت اسماعیل اور حضرت ادریس علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے اُولٰئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین ومن ھدینا واجتبینا یہ سب وہ انبیاء ہیں جن پر خدا نے اپنی نعمتوں کو نازل کیا تھا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی ہے اور منتخب کیا ہے۔ (سورۂ مریم آیت ۵۸)

انبیاء کی دعوت اور ان کی سیرت صراط مستقیم ہے۔ ویسے تو بہت سی نافرمان قوموں پر خدا کا قہر و غضب نازل ہوا ہے لیکن یہودی مغضوب خاص ہیں جیسا کہ خدا نے بتایا ہے وضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ وباءو بغضب من اللہ ذالک بانہم کانوا یکفرون بآیات اللہ ویقتلون النبیین بغیر الحق ذالک بما عصوا وکانوا یعتدون ۝ (آخر) ان پر ذلت اور رسوائی اور محتاجی مسلط کردی گئی اور وہ غضب الٰہی میں گرفتار ہوگئے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ وہ خدا کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کردیتے تھے۔ اس لئے کہ یہ سب نافرمان تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۶۱)

سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۲ میں بھی یہی مفہوم بیان ہوا ہے۔

۲۔ ضالین سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے دین اسلام کو قبول نہیں کیا ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ واُولٰئک ھم الضالون ۝ اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین پیش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔ (سورۂ آل عمران آیت ۸۵، ۹۰)

۳۔ یھدی: اس کے مفہوم کیلئے "خلق کے لئے رب العالمین کی ہدایت" کی بحث صفحہ ۱۱۵ پر دیکھیں۔

(۹) **عذاب و رحمت** کو قرآن مجید میں کئی مقامات پر رب العالمین کی مشیت سے مربوط بتایا گیا ہے۔

واکتب لنا فی هذه الدنیا حسنة وفی الآخرة انا هدنا الیک قال عذابی اصیب به من اشاء
ورحمتی وسعت کل شیء فساکتبها للذین یتقون ویؤتون الزکوة والذین هم بآیاتنا یؤمنون ○ الذین
یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراة والانجیل یامرهم بالمعروف
وینههم عن المنکر ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی
کانت علیهم فالذین آمنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذی انزل معه اولئک هم المفلحون ○

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔ ارشاد ہوا کہ جو میرا عذاب ہے اسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز پر وسیع ہے جسے میں عنقریب ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ رکھنے والے، زکوٰۃ دینے والے اور ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے ہیں۔ جو لوگ (محمدؐ) رسول (اللہ) کا جو نبی امی ہیں اتباع کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال اور ناپاک چیزوں کو ان کے لئے حرام قرار دیتے ہیں۔ اور ان پر سے بوجھ اور طوق (جو ان کی گردنوں میں تھے) اتارتے ہیں۔ تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کا احترام کیا اور ان کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو ان کے ساتھ نازل ہوا ہے وہی کامیاب ہیں۔ (سورۂ اعراف۔ آیت ۱۵۶ و ۱۵۷)

۲— اقترب للناس حسابهم وهم فی غفلة معرضون ○ ما یاتیهم من ذکر من ربهم محدث
الا استمعوه وهم یلعبون ○ لاهیة قلوبهم واسروا النجوی الذین ظلموا هل هذا الا بشر مثلکم افتاتون
السحر وانتم تبصرون ○ قال ربی یعلم القول فی السماء والارض وهو السمیع العلیم ○ بل قالوا
اضغاث احلام بل افتراه بل هو شاعر فلیاتنا بآیة کما ارسل الاولون ○ ما آمنت قبلهم من قریة
اهلکناها افهم یؤمنون ○ وما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیهم فسئلوا اهل الذکر ان کنتم
لا تعلمون ○ وما جعلناهم جسدا لا یاکلون الطعام وما کانوا خالدین ○ ثم صدقناهم الوعد
فانجیناهم ومن نشاء واهلکنا المسرفین ○ لقد انزلنا الیکم کتابا فیه ذکرکم افلا تعقلون ○

لوگوں کے لئے حساب کا وقت قریب آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں پڑے اس سے روگردانی کئے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نئی نصیحت (کتاب) نہیں آتی مگر یہ کہ وہ اسے سن لیتے ہیں اور پھر کھیل تماشے میں لگ جاتے ہیں۔ ان کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ظالم لوگ چپکے چپکے (آپس میں) کہتے ہیں کہ یہ (شخص) تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہے تو تم دیدہ و دانستہ اس کے جادو کی لپیٹ میں کیوں آتے ہو۔ (پیغمبر نے) کہا کہ جو بات آسمان اور زمین میں کی جاتی ہے میرا رب اسے جانتا ہے۔ اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ بلکہ (ظالم) لوگ تو کہتے ہیں کہ یہ (کتاب) خواب پریشاں کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے اس کو

اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے بلکہ یہ شاعری ہے ورنہ یہ بھی کوئی نشانی لے کر ہمارے پاس آتے جیسی نشانیاں دے کر پچھلے پیغمبر بھیجے گئے تھے۔ ان سے پہلے جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا تھا وہ بستی والے بھی ایمان نہیں لاتے تھے تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے۔ (اے رسولؐ) ہم نے آپ سے پہلے مرد ہی پیغمبر بنا کر بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھ لو۔ اور ہم نے ان لوگوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور ہمیشہ جیتے رہیں۔ پھر ہم نے ان کے بارے میں (اپنا) وعدہ سچا دکھایا، تو ان کو اور ان کے ساتھ جن کو چاہا بچا لیا اور حد سے گزرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ بے شک ہم نے تمہاری طرف وہ کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے۔ (سورۂ انبیاء آیت ۵تا۱۰)

۳— مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ○ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ○ كُلًّا نُمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ○ جو شخص دنیا کا طلبگار ہے ہم اسے جو چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اس کے لئے دوزخ ہے جس میں وہ ذلت و رسوائی کے ساتھ داخل ہوگا۔ اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہے اور اس کے لئے ایسی ہی کوشش بھی کرتا ہے جیسی کرنی چاہیے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش ضرور مقبول قرار دی جائے گی۔ ہم آپ کے رب کی عطا سے ان کی اور ان کی سب کی مدد کرتے ہیں اور آپ کے رب کی عطا کسی سے رکی ہوئی نہیں۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۸تا۲۰)

۴— إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ○ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ○ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ○ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ○ یہ لوگ صرف دنیا کی نعمتوں کو پسند کرتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بڑے سنگین دن (قیامت) کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ یہ تو ایک نصیحت ہے۔ جس کا جی چاہے اپنے رب کے راستے کو اختیار کرے۔ اور تم لوگ کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو خدا کو منظور ہو۔ بے شک خدا جاننے والا حکمت والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور اس نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(سورۂ دہر آیت ۲۷تا۳۱)

اب مومنین کی مشیت کی بحث کے بعد ہم یہ عرض کریں گے کہ محو و اثبات کا اختیار بھی خدا کی صفت عمل سے ہے۔

بداء یا لوح محو و ثبت

لغت میں بداء کے دو معانی آئے ہیں:

(۱) بدا الامر بدوًا و بداءۃً کوئی کام کھل کر واضح ہو جائے۔

(۲) بدا له فی الامر کذا اس نے کسی کام میں سابقہ رائے سے ہٹ کر نئی رائے قائم کی۔

علمائے عقائد کی اصطلاح میں بداء اللہ فی امر کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار کی طرف سے بندوں کے سامنے کوئی ایسا امر آشکار ہو جائے جو پہلے مخفی ہو لہٰذا اگر کوئی شخص کسی وقت میں بداء للہ کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ خدا (لاعلمی کی بنا پر) کسی امر کی نسبت اپنی رائے کو بدل کر نئی رائے کا اظہار کرتا ہے تو وہ غلط سمجھتا ہے کیونکہ خدا کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

قرآن میں بداء کا تصور

سورۂ مبارکہ رعد میں ہے ویقول الذین کفروا لولا انزل علیه آیة من ربه کافر کہتے ہیں کہ اس (پیغمبرؐ) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟۔ (سورۂ رعد آیت ۲۷)

اس کے جواب میں رب کائنات نے فرمایا: وما کان لرسول ان یاتی بآیة الا باذن الله لکل اجل کتاب ○ یمحوا الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب ○ وان ما نرینک بعض الذی نعدهم او نتوفینک فانما علیک البلاغ وعلینا الحساب ○ کسی رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ حکم خدا کے بغیر کوئی نشانی لائے۔ ہر بات کا وقت کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔ خدا جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) ہے۔ (اے محمدؐ) اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں تمہیں دکھائیں یا تمہیں اٹھا لیں (یعنی تمہارے ہوتے ہوئے یا تمہارے بعد ان پر عذاب بھیجیں) تو تمہارا کام (ہمارے احکام) پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ (سورۂ رعد: آیت ۳۸ تا ۴۰)

لغوی تشریح

۱۔ آیۃ لغت میں واضح نشانی کو آیت کہا جاتا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے

وفی کل شیء له آیة
تدل علی انه واحد

ہر چیز میں اس کی نشانی واضح ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک ہے۔

انبیائے کرام کے معجزات کو بھی قرآن مجید میں آیات کہا گیا ہے کیونکہ یہ معجزے ان کی صداقت اور خدا کی قدرت کی نشانی تھے مثلاً حضرت موسیٰ کا عصا اور حضرت صالحؑ کی اونٹنی۔ (سورہ شعراء آیت ۱۵۷ اور سورۂ اعراف آیت ۷۳)

کافروں پر جتنے عذاب آئے ہیں انہیں بھی قرآن نے آیت کہا ہے قوم نوحؑ کے بارے میں آیا ہے
ثم اغرقنا بعد الباقین ۰ ان فی ذلک لآیۃ پھر اس کے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کردیا۔ بے شک اس میں بھی ہماری ایک نشانی ہے۔ (سورۂ شعراء آیت ۱۲۰ و ۱۲۱)

قوم ہودؑ کے انجام کے بارے میں خداوند متعال فرماتا ہے فکذبوہ فاھلکناھم ان فی ذلک لآیۃ انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کردیا۔ بے شک اس میں بھی ہماری ایک نشانی ہے (سورۂ شعراء آیت ۱۳۹)

قوم فرعون کے متعلق خداوند متعال فرماتا ہے فارسلنا علیھم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم آیات مفصلات پھر ہم نے ان پر سیلاب، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون کو واضح نشانی بنا کر بھیجا۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۳۳)

۲۔ اجل کسی چیز یا کام کی مقررہ مدت کو اجل کہا جاتا ہے جیسے جاء اجلہ اس کی اجل آگئی یعنی اس کی موت کا مقررہ وقت آگیا۔ ضربت له اجلا۔ یعنی میں نے اس کام کا ایک وقت معین کردیا

۳۔ کتاب اس لفظ کے کئی معانی ہیں اور یہاں لکھی ہوئی مقدار یا معین چیز مراد ہے۔ لکل اجل کتاب کا مطلب ہے انبیاء کے معجزات کا ایک وقت معین ہوتا ہے۔

۴۔ یمحو محاہ اس نے اسے مٹادیا، زائل کردیا، باطل کردیا یا اس کا اثر ختم کردیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے فمحونا آیۃ الیل وجعلنا آیۃ النھار مبصرۃ ہم نے رات کو زائل کردیا اور دن کو روشن بنادیا۔ (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۲) ویمح اللہ الباطل ویحق الحق بکلماتہ خدا باطل (کے اثرات) کو مٹادیتا ہے اور اپنی باتوں سے حق کو ثابت کرتا ہے۔ (سورۂ شوریٰ آیت ۲۴)

تفسیر آیات

مذکورہ آیت میں خداوند عالم نے بتایا ہے کہ کفار قریش نے رسول اکرمؐ سے معجزات طلب کئے تھے۔ ان کے مطالبات سورۂ بنی اسرائیل میں موجود ہیں۔ مثلاً انہوں نے کہا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ زمین سے چشمہ جاری کر کے دکھائیں یا آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا کر دکھائیں یا خدا کو اور ملائکہ کو ہمارے روبرو لا کر دکھائیں۔

سورۂ رعد کی آیت ۳۸ میں خدا نے صاف صاف فرمایا ہے وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ کسی رسول کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ لوگوں کا من چاہا معجزہ خدا کے حکم کے بغیر لا سکے۔ اور ویسے بھی ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا گیا ہے اور وہ وقت کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔

اس کے بعد والی آیت میں خدا نے استثناء کرتے ہوئے فرمایا ہے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ یعنی اس کتاب (محو) میں سے بھی خدا جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے مثلاً رزق، موت، سعادت اور شقاوت☆ وغیرہ اور جو کچھ اس کتاب (اثبات) میں پہلے سے لکھا ہوا نہیں ہوتا اسے لکھ دیتا ہے وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ یعنی اصل کتاب (لوح محفوظ) اسی کے پاس ہے جس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اس کے بعد خداوند عالم اپنے حبیبؐ سے فرماتا ہے وَإِنْ مَا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ یعنی جس عذاب کا ان لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے اگر ہم اس کے چند مناظر آپ کو آپ کی زندگی میں دکھا دیں تو یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ان لوگوں پر کوئی عذاب نازل ہونے سے قبل ہی ہم آپ کو اس دار دنیا سے اٹھا لیں۔ ہر دو صورت میں آپ کو پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ کیونکہ آپ کے ذمے صرف ہمارا پیغام پہنچانا ہے وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ اور ان سے حساب لینا ہمارے ذمے ہے۔

مقصد یہ ہے کہ خدا کو اپنے بندوں کی سرنوشت بدلنے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ مکتب خلفاء کے علماء کو جو عقیدۂ بداء پر اعتراض کرتے رہتے ہیں طبری، قرطبی اور ابن کثیر کی تفاسیر میں سے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ کے ذیل میں وارد اس روایت کو پڑھنا چاہئے۔ مذکورہ تینوں کتب تفسیر کی مذکورہ روایت کا خلاصہ یہ ہے

حضرت عمر بن خطابؓ طواف کعبہ کے دوران دعا مانگ رہے تھے اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِي فِي أَهْلِ السَّعَادَةِ فَأَثْبِتْنِي فِيهَا وَإِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِي فِي أَهْلِ الشَّقَاوَةِ وَالذَّنْبِ فَامْحُنِي وَأَثْبِتْنِي فِي أَهْلِ السَّعَادَةِ وَالْمَغْفِرَةِ فَإِنَّكَ تَمْحُو مَا تَشَاءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَكَ أُمُّ الْكِتَابِ خدایا! اگر تو نے میرا نام خوش بختوں میں لکھا ہے تو وہ تحریر لکھی رہنے دے اور اگر تو نے میرا نام بدبختوں اور گنہگاروں میں لکھا ہے تو وہاں

☆ لغت میں سعادت کے معنی خوش بختی اور شقاوت کے معنی بدبختی ہیں لیکن علمائے دین کی اصطلاح میں سعادت سے مراد وہ امر ہے جو جنت میں داخلے اور ابدی راحت کا موجب ہو اور شقاوت سے مراد وہ امر ہے جو جہنم میں داخلے اور ابدی عذاب کا موجب ہو۔ آخرت میں کامران و کامگار کو سعید اور آخرت میں ناکام و نامراد کو شقی کہتے ہیں۔

سے میرا نام مٹا کر مجھے خوش نصیبوں اور نجات پانے والوں میں لکھ دے۔ تو جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور تو جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور تیرے پاس اصل کتاب ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنِیْ فِی السُّعَدَاءِ فَاَثْبِتْنِیْ فِیْھِمْ وَاِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنِیْ فِی الْاَشْقِیَاءِ فَامْحُنِیْ مِنَ الْاَشْقِیَاءِ وَاکْتُبْنِیْ فِی السُّعَدَاءِ فَاِنَّکَ تَمْحُوْ مَا تَشَآءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَکَ اُمُّ الْکِتَابِ خدایا! اگر تو نے میرا نام خوش بختوں میں لکھا ہے تو میرے نام کو وہاں ثابت رہنے دے اور اگر تو نے میرا نام بدبختوں میں لکھا ہے تو وہاں سے مٹا کر خوش بختوں میں لکھ دے۔ بیشک تو جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور تیرے پاس اصل کتاب ہے۔

یہ دعا ابو وائل کے ورد زبان رہتی تھی: اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنَا اَشْقِیَاءَ فَامْحُ وَاکْتُبْ سُعَدَاءَ وَاِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنَا سُعَدَاءَ فَاَثْبِتْ فَاِنَّکَ تَمْحُوْ مَا تَشَآءُ وَتُثْبِتُ وَعِنْدَکَ اُمُّ الْکِتَابِ خدایا! اگر تو نے ہمارا نام بدبختوں میں لکھا ہے تو وہاں سے ہمارا نام مٹا دے اور خوش بختوں میں لکھ دے اور اگر تو نے ہمارا نام خوش بختوں میں لکھا تو اسے باقی رہنے دے۔ بے شک تو جو چاہتا ہے مٹا کر ختم کر دیتا ہے اور جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور تیرے پاس اصل کتاب ہے۔[1]

بحار الانوار میں ایک دعا ان الفاظ سے مروی ہے: وَاِنْ کُنْتُ مِنَ الْاَشْقِیَاءِ فَامْحُنِیْ مِنَ الْاَشْقِیَاءِ وَاکْتُبْنِیْ مِنَ السُّعَدَاءِ فَاِنَّکَ قُلْتَ فِیْ کِتَابِکَ الْمُنْزَلِ عَلٰی نَبِیِّکَ صَلَوَاتُکَ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ یعنی پروردگار! اگر میرا نام بدنصیبوں میں لکھا ہے تو وہاں سے مٹا دے اور اسے خوش نصیبوں میں لکھ دے کیونکہ تو نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل کردہ کتاب میں فرمایا ہے: یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْکِتَابِ[2]

قرطبی نے محو و اثبات کے اس خدائی اختیار کیلئے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّبْسَطَ لَهٗ فِیْ رِزْقِهٖ وَاَنْ یُّنْسَاَ لَهٗ فِیْ اَثَرِهٖ (اجله) فَلْیَصِلْ رَحِمَهٗ جسے اپنے رزق کی فراخی اور عمر کی درازی پسند ہو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔

دوسری روایت میں یہی مطلب دوسرے لفظوں میں بیان ہوا ہے: مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّمُدَّ اللّٰهُ فِیْ عُمْرِهٖ وَیَبْسُطَ لَهٗ رِزْقَهٗ فَلْیَتَّقِ اللّٰهَ وَلْیَصِلْ رَحِمَهٗ یعنی جو یہ چاہتا ہو کہ خدا اس کی عمر لمبی اور اس کا رزق کشادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ خدا سے ڈرے اور صلہ رحمی کرے۔[3]

۱۔ یہ تینوں دعائیں طبری نے تفسیر آیت کے ذیل میں نقل کی ہیں۔ ابو وائل شقیق بن سلمہ اسدی کوفی کا شمار ثقہ لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ مخضرم تھے یعنی انہوں نے صحابہ اور تابعین کا زمانہ پایا تھا۔ وہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں سو برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۰، ص ۳۵۴)

۲۔ بحار الانوار ج ۹۸، ص ۱۶۲۔

۳۔ صحیح بخاری ج ۳، ص ۳۴، کتاب الادب، باب ۱۲ و ۱۳۔ صحیح مسلم ص ۱۹۸۲ حدیث ۲۰، ۲۱، باب صلۃ الرحم۔ مسند احمد بن حنبل ج ۳، ص ۱۵۶، ۲۲۷، ۲۶۹ اور ج ۵، ص ۷۶۔

قرطبی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ عمر و اجل میں اضافہ کیسے ہوتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ خدا نے فرمایا ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَى أَجَلًا وَأَجَلٌ مُسَمًّى عِنْدَهُ (اس نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر تمہارے لئے ایک اجل مقرر کر دی اور اس کے پاس ایک دوسری اجل مقرر ہے۔ (سورۂ انعام آیت ۲) پہلی اجل سے مراد وہ وقت ہے جو انسان کی پیدائش سے لے کر اس کی موت پر محیط ہے اور دوسری اجل سے مراد موت کے بعد سے لے کر قبروں سے اٹھائے جانے تک کا وقفہ ہے (یعنی عالم برزخ) جس کی مدت خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس جو شخص خدا کا تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صلہ رحمی کرتا ہے تو خدا برزخ کی مدت میں سے جس قدر چاہتا ہے اس کی دنیاوی زندگی بڑھا دیتا ہے۔ اور جب کوئی شخص خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور قطع رحمی کرتا ہے تو خدا جس قدر چاہتا ہے اس کی دنیاوی زندگی کم کر دیتا ہے اور اتنی ہی مدت کا برزخ کی زندگی میں اضافہ کر دیتا ہے۔[1]

ابن کثیر نے اس استدلال پر یہ اضافہ کیا ہے کہ اس قول کی تائید احمد بن حنبل، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت کردہ اس حدیث نبوی سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ یعنی آدمی گناہ کرنے کے سبب رزق سے محروم ہو جاتا ہے اور دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کا لکھا مٹا نہیں سکتی اور نیکی کے سوا کوئی چیز اس کی عمر بڑھا نہیں سکتی۔[2]

ایک اور حدیث ہے کہ إِنَّ الدُّعَاءَ وَالْقَضَاءَ لَيَعْتَلِجَانِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ یعنی آسمان اور زمین کے درمیان دعا اور قضا ایک دوسرے سے برسرِپیکار رہتے ہیں۔[3]

مکتبِ خلفاء کے علماء نے اس آیت کے متعلق کچھ اور وجوہات کا بھی ذکر کیا ہے مثلاً یہ کہ اس سے ایک حکم کا محو کرنا اور دوسرے حکم کا ثابت کرنا یعنی نسخِ احکام مراد ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ اس آیت کو صرف نسخِ احکام سے مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ آیت عام ہے اور ان تمام وجوہات کو شامل ہے جیسا کہ قرطبی نے بھی کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں: الْآيَةُ عَامَّةٌ فِي جَمِيعِ الْأَشْيَاءِ وَهُوَ الْأَظْهَرُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ یہ آیت تمام چیزوں کے لئے عام ہے اور یہی بات زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔[4]

قرآن مجید کی آیت يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ کے متعلق طبری اور سیوطی نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ يُقَدِّرُ اللّٰهُ أَمْرَ السَّنَةِ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ إِلَّا السَّعَادَةَ وَالشَّقَاوَةَ یعنی اللہ تعالیٰ سعادت اور شقاوت کے سوا شبِ قدر میں پورے سال کے چھوٹے بڑے سب امور کو مقدر کرتا ہے۔[5]

۱،۴۔ تفسیر قرطبی ج ۹، ص ۳۲۹-۳۳۱۔

۲۔ سنن ابن ماجہ، باب ۱۰، حدیث ۹۰۔

۳۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۱۹

۵۔ تفسیر طبری ج ۳، ص ۱۱۱ اور تفسیر سیوطی۔

اسی آیت کے متعلق آیا ہے کہ خدا کے پاس دو کتابیں ہیں ایک کتاب محو ہے جس سے وہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور دوسری کتاب اثبات ہے جس میں جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔

سورۂ یونس میں ارشاد الٰہی ہے **فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۝** پس کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے فائدہ پہنچاتا۔ ہاں یونسؑ کی قوم جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب ہٹا دیا اور ایک مدت تک (فوائد سے) بہرہ مند رکھا۔ (سورۂ یونس آیت ۹۸)

لغوی تشریح

۱۔ كَشَفْنَا كَشَفَ عَنْهُ الْهَمَّ اس نے اس سے غم دور کر دیا۔ كَشَفَ الْعَذَابَ یعنی عذاب ہٹا دیا۔

۲۔ الْخِزْيِ خزی خزیًا یعنی ذلیل و رسوا ہوا۔

۳۔ حِينٍ وقت و مدت۔ اس کے معنی میں قلت یا کثرت کا کوئی دخل نہیں۔

تفسیر آیات

تفسیر قرطبی، تفسیر طبری اور تفسیر مجمع البیان کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یونسؑ موصل کے قریب نینوا کی بستی میں ایک بت پرست قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور بت پرستی سے منع فرمایا۔ اس قوم میں سے ایک عابد اور ایک عالم آپ پر ایمان لائے۔ عابد ہمیشہ آپ کو اپنی قوم کے لئے بددعا کرنے کی ترغیب دیتا تھا لیکن عالم روکتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ آپ ایسا نہ کیجئے کیونکہ خدا آپ کی دعا تو ضرور مستجاب کرے گا لیکن وہ اپنے بندوں کو ہلاک کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔

حضرت یونسؑ نے عابد کے مشورے پر عمل کیا اور اپنی قوم کے لئے بددعا کی۔ خدا نے ان کی دعا قبول کی اور بتایا کہ فلاں دن ان کی قوم پر عذاب نازل ہوگا۔ حضرت یونسؑ نے بھی اپنی قوم کو روز عذاب سے خبردار کیا۔ چنانچہ جب روز عذاب آیا تو حضرت یونسؑ عابد کو ساتھ لے کر وہاں سے نکل گئے لیکن عالم اپنی قوم میں ہی رہا۔ قوم یونس نے ایک دوسرے سے کہا کہ ہم نے آج تک یونسؑ کو جھوٹ بولتے نہیں سنا۔ دیکھو اگر آج رات وہ یہاں بسر کریں تو سمجھو کہ عذاب نہیں آئے گا اور اگر وہ یہ بستی چھوڑ دیں تو سمجھو کہ کل عذاب آ کر رہے گا۔ آدھی رات کے قریب حضرت یونسؑ بستی سے نکل گئے۔ جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا تو انہیں یقین ہو گیا کہ اب ان پر عذاب نازل ہو کر رہے گا۔ چنانچہ وہ گھبرا کر عالم کے پاس پہنچے اور اس سے مشورہ طلب کیا۔ عالم نے ان لوگوں سے کہا کہ تم سب خدا کے حضور توبہ کرو۔ مجھے امید ہے کہ وہ تم پر رحم فرمائے گا اور عذاب ہٹا دے گا۔

۱۔ تفسیر سیوطی ج ۳، ص ۱۵ بحوالہ ابن جریر طبری و حاکم۔ امام حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

عالم کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے پوری قوم صبح سویرے صحرا میں نکل گئی۔ ماؤں سے ان کے بچے اور جانوروں سے ان کے بچے الگ کر دیئے گئے۔ پھر پوری قوم نے گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگی اور خلوص دل سے ایمان لانے کا عہد کیا۔ بچے الگ روتے تھے اور مائیں الگ بکاہ کرتی تھیں۔ سب یک زبان ہو کر کہتے تھے کہ خدایا ہم تجھ پر اور تیرے رسول یونسؑ پر ایمان لاتے ہیں۔ آسمان پر عذاب کے بادل نمودار ہوئے مگر وہ مسلسل توبہ و گریہ میں مصروف رہے۔ آخر خدا کی رحمت جوش میں آئی اور عذاب کے بادل چھٹنے لگے اور کچھ دیر بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔ تب وہ لوگ ہنسی خوشی اپنے گھروں کو لوٹنے اور یوں خدا کا یہ فرمان عملی صورت میں پورا ہوا کہ خدا جس فیصلے کو چاہے مٹا دے اور اس کی جگہ نیا فیصلہ لکھ دے کہ اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔ سچ ہے کہ رحمت حق بہانہ می جوید۔

تفہیم بداء کے لئے یہ دو آیات دیکھئے وواعدنا موسی ثلاثین لیلۃ واتممناھا بعشر فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ اور ہم نے موسیٰ کے لئے تیس رات کی میعاد مقرر کی۔ پھر دس راتیں اور بڑھا دیں۔ یوں ان کے رب کی چالیس رات کی میعاد پوری ہو گئی۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۴۲) یہ واقعہ دوسری جگہ یوں بیان ہوا ہے واذ وعدنا موسی اربعین لیلۃ ثم اتخذتم العجل من بعدہ وانتم ظالمون اور جب ہم نے موسیٰ کے لئے چالیس رات کی میعاد مقرر کی تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو (معبود) بنا لیا اور تم ظالم تھے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۵۱)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے قوم یونسؑ پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن ان لوگوں کی دعا اور توبہ و زاری کی وجہ سے خدا نے ان پر رحم کیا اور عذاب ہٹا دیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کے لئے تیس رات کی میعاد مقرر تھی مگر خدا نے بعد میں دس راتیں بڑھا دیں اور یوں ان کے رب کی مقررہ میعاد تیس کی بجائے چالیس رات میں پوری ہوئی۔

مکتب خلفاء اور بداء

طیالسی، احمد بن حنبل، ابن سعد اور ترمذی نے رسول اکرمؐ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ان کی اولاد دکھائی۔ انہوں نے اپنی اولاد میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کا نور چمک رہا تھا تو انہوں نے پوچھا پروردگارا یہ کون ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تیرا بیٹا داؤدؑ ہے۔

حضرت آدمؑ نے کہا پروردگارا اس کی عمر کتنی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ساٹھ سال۔

تفسیر مجمع البیان ج ۳، ص ۲۵ ۔ تفسیر قرطبی ج ۸، ص ۳۸۳ ۔ تفسیر طبری ج ۱۱، ص ۱۱۸ ۔ تفسیر در منثور ج ۳، ص ۳۱۷ ۔

حضرت آدمؑ نے کہا پروردگار! اس کی عمر بڑھا دے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم اپنی عمر میں سے اسے کچھ دے دو تو میں اس کی عمر بڑھا دوں گا۔
حضرت آدمؑ نے کہا پروردگار! میری عمر کتنی ہے؟
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک ہزار سال۔
حضرت آدمؑ نے کہا میں اپنی عمر کے چالیس سال اسے دیتا ہوں۔
جب حضرت آدمؑ کا وقت رحلت آیا اور فرشتے ان کے پاس آئے تو انھوں نے کہا کہ ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔
فرشتوں نے کہا آپ نے وہ چالیس سال داؤدؑ کو بخش دیے تھے۔[1]

روایات اہلبیتؑ میں بداء کا تذکرہ

بحار الانوار میں امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ما بعث اللّٰہ عزّوجلّ نبیًّا حتّی یأخذ علیہ ثلاث خصال ألاقرار بالعبودیّۃ وخلع الانداد وانّ اللّٰہ یقدّم مایشآء ویؤخّر مایشآء خدا نے اس وقت تک کسی نبی کو نہیں بھیجا جب تک اس سے ان تین باتوں کا اقرار نہیں لے لیا۔
(۱) عبودیت کا اقرار (۲) باطل خداؤں سے کنارہ کشی کا اقرار (۳) اس بات کا اقرار کہ خدا جو چاہے مقدم کردے اور جو چاہے مؤخر کردے۔[2]

دوسری روایت میں اسی تقدیم وتاخیر کو امام جعفر صادقؑ نے محو واثبات کے لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے ما بعث اللّٰہ نبیًّا قطّ حتّی یأخذ علیہ ثلاثًا الاقرار للّٰہ بالعبودیّۃ وخلع الانداد وانّ اللّٰہ یمحو مایشآء ویثبت مایشآء یعنی خدا نے کسی نبی کو اس وقت تک نہیں بھیجا جب تک اس سے تین باتوں کا اقرار نہیں لے لیا (۱) اللہ کی عبودیت کا اقرار (۲) باطل خداؤں سے کنارہ کشی کا اقرار (۳) اس بات کا اقرار کہ خدا جو چاہے محو کردے اور جو چاہے ثبت کردے۔[3]

تیسری روایت میں محو واثبات کو لفظ بداء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ما تنبّأ نبیٌّ قطّ حتّی یقرّ للّٰہ تعالیٰ بالبداء یعنی کسی نبی کو جس نے خدا کے لیے بداء کا اقرار نہ کیا ہو نبوت سے سرفراز نہیں کیا گیا۔[4]

امام علی رضاؑ نے فرمایا ہے ما بعث نبیًّا قطّ الّا بتحریم الخمر وان یقرّ لہ بالبداء یعنی خدا نے جس

۱۔ مسند طیالسی، حدیث ۲۶۹۲ مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۱، ۲۹۸، ۳۷۱ طبقات ابن سعد مطبوعہ یورپ ج ۱ ق ۱ ص ۷ـ۹۔ سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۹۶ـ۱۹۷ در تفسیر سورۂ اعراف۔ بحار الانوار ج ۴ ص ۱۰۲ـ۱۰۳ منقول از امام محمد باقر علیہ السلام۔

۲ و ۳۔ بحار الانوار ج ۴ ص ۱۰۸ بحوالہ توحید شیخ صدوق۔

۴۔ بحار الانوار ج ۴ ص ۱۰۸ بحوالہ المحاسن۔

ہی وحی بھیجا اس نے شراب کو حرام قرار دیا اور خدا کے لئے بداء کا اقرار کیا۔[۱]

عبد اللہ بن مسکان نے امام جعفر صادقؑ سے محو و اثبات کے زمانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:
جب شب قدر آتی ہے تو ملائکہ، روح اور کاتبان اعمال آسمان دنیا پر نازل ہوتے ہیں اور اس سال کے لئے خدا کے تمام فیصلوں کو لکھ لیتے ہیں۔ اس کے بعد اگر خدا کسی فیصلے میں تقدیم و تاخیر یا کمی بیشی کرنا چاہتا ہے تو وہ فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ خدا جسے مٹانا چاہتا ہے مٹا دے اور خدا نے جس امر کا ارادہ کیا ہے اسے ثبت کر دے۔[۲]

امام محمد باقرؑ کی ایک حدیث ہے کہ شب قدر میں فرشتے اور کاتبان اعمال آسمان دنیا پر اترتے ہیں اور سال بھر میں بندوں پر گزرنے والے بھلے برے امور لکھ لیتے ہیں۔ یہ تمام امور خدا کی مشیت پر موقوف ہوتے ہیں۔ پھر وہ جس چیز کو چاہتا ہے مقدم کر دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے موخر کر دیتا ہے (مثلاً عمر، رزق، بلائیں بیماریاں وغیرہ) اور یمحوا اللّٰہ ما یشاءُ ویثبتُ وعندہٗ امُّ الکتاب کا یہی مفہوم ہے۔[۳]

لن یُؤخرَ اللّٰہُ نفساً اذا جاءَ اجلُہا (جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو خدا اسے ہرگز موخر نہیں کرتا۔ سورۂ منافقون۔ آیت ۱۱) کے متعلق امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں خدا کے پاس ایسی کتابیں ہیں جن میں لوگوں کی موت کا وقت مقرر ہے۔ خدا جس کے لئے چاہتا ہے تقدیم و تاخیر کرتا رہتا ہے۔ جب شب قدر آتی ہے تو خدا آئندہ شب قدر تک کے تمام فیصلے اس رات میں کرتا ہے اور اسی بات کو لن یُؤخرَ اللّٰہُ نفساً اذا جاءَ اجلُہا میں بتایا گیا ہے۔ آسمانوں میں لکھنے والوں نے شب قدر میں جو لکھ دیا ہے وہ حتمی نوشتہ موخر نہیں ہوتا۔[۴]

اس باب میں علامہ مجلسی نے حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ کی وہ روایت بھی نقل کی ہے جسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔[۵]

ائمہ اہلبیتؑ کی روایت میں بداء کا یہی مفہوم ہے۔ اگر کوئی معاذ اللہ یہ کہتا ہے کہ خدا لاعلمی کی بنا پر کسی بات کو نہیں جانتا اسی لئے وہ بعد میں اپنی رائے بدل لیتا ہے تو یہ شخص خدا کے رفیع و اعلیٰ مقام سے نا آشنا ہے۔ یہ نظریہ رکھنے والوں کی ائمہ اہلبیتؑ نے پرزور مذمت کی ہے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں من زعم انّ اللّٰہ عزّ وجلّ یبدوٗ لہٗ فی شیءٍ لم یعلمہٗ امس فابرؤوا منہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ خدا کل ایک چیز نہیں جانتا تھا اور اسے آج اس کا علم ہوا ہے تو تم اس سے بیزاری کا اظہار کرو۔[۶]

۱۔ بحار الانوار ج ۳، ص ۱۰۸ بحوالہ توحید شیخ صدوق۔
۲۔ بحار الانوار ج ۴، ص ۹۹ بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی۔
۳۔ بحار الانوار ج ۴، ص ۱۰۲ بحوالہ امالی شیخ مفید۔
۴۔ بحار الانوار ج ۴، ص ۱۰۲ بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی۔
۵۔ بحار الانوار ج ۴، ص ۱۰۲ بحوالہ علل الشرائع۔
۶۔ بحار الانوار ج ۴، ص ۱۱۱ بحوالہ اکمال الدین۔

بداء پر اعتقاد کا اثر

اگر عقیدہ بداء یعنی خدا کے محو و اثبات کے اختیار کا انکار کر دیا جائے تو اس کا نقصان یہ ہے کہ مثلاً اگر ایک شخص یہ عقیدہ رکھے کہ خدا نے اس کا نام خوش بختوں اور سعادت مندوں میں لکھ دیا ہے اس لئے اب وہ جو چاہے گناہ کرتا پھرے اس کی سعادت مندی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اس غلط عقیدے کی وجہ سے لوگوں کو گناہ کرنے کی ترغیب ملے گی۔ اور یہ کہ اگر ایک شخص یہ عقیدہ رکھے کہ خدا نے اس کا نام بدبختوں میں لکھ دیا ہے اور خدا کے لکھے ہوئے کو کوئی مٹا نہیں سکتا تو ایسا شخص خدا کی رحمت سے مایوس ہو جائے گا اور توبہ و استغفار اور اپنی اصلاح نہیں کرے گا۔☆

اس کے برعکس اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ خدا کے پاس محو و اثبات کا اختیار ہے تو آپ کو سعادت مند میں لکھنے والا بھی پھونک پھونک کر قدم رکھے گا کیونکہ اسے ہر وقت یہ خیال رہے گا کہ جس خدا نے اس کا نام سعادت مندوں میں لکھا ہے وہ وہاں سے مٹا کر اس کا نام بدبختوں میں بھی لکھ سکتا ہے۔

☆ شیخ صدوقؒ نے معانی الاخبار میں سلسلۂ روات کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت بیان کی ہے اس میں امام نے فرمایا جس گناہ سے نعمتوں کو زوال آتا ہے وہ تکبر ہے۔ جس گناہ کے کرنے پر پچھتانا پڑتا ہے وہ قتل ہے۔ جس گناہ پر عتاب آتا ہے وہ ظلم ہے۔ جس گناہ سے پردہ فاش ہو جاتا ہے وہ شراب نوشی ہے۔ جس گناہ سے رزق بند ہو جاتا ہے وہ زنا ہے۔ جس گناہ سے عمر کم ہو جاتی ہے وہ قطع رحمی ہے۔ جس گناہ سے دعا قبول نہیں ہوتی وہ والدین کی نافرمانی ہے۔

یہ حدیث ثقۃ الاسلام شیخ کلینیؒ نے بھی روایت کی ہے۔

معانی الاخبار میں ابو خالد کابلی سے روایت کی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

وہ گناہ جو نعمتوں سے محرومی کا سبب بنتے ہیں یہ ہیں: لوگوں پر زیادتی کرنا، بھلائی اور احسان کی عادت ترک کرنا، کفرانِ نعمت اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

وہ گناہ جن پر پچھتانا پڑتا ہے یہ ہیں: کسی کو بے قصور قتل کرنا۔ خدا فرماتا ہے: لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ۔ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے دفن کرے۔ خدا نے فرمایا: فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ فقتلہ فاصبح من النادمین۔ رشتے داروں سے قطع تعلق کرنا یہاں تک کہ وہ خود بھی جان چھوڑ دیں۔ نماز میں دیر کرنا یہاں تک کہ نماز کا وقت جاتا رہے۔ وصیت نہ کرنا اور مظالم (حقوق) کی جو چیزیں لی ہوں وہ نہ لوٹانا۔ زکات ادا نہ کرنا یہاں تک کہ موت آ جائے اور زبان بند ہو جائے۔

وہ گناہ جو عتاب لاتے ہیں یہ ہیں: جان بوجھ کر صاحبِ علم کی مخالفت کرنا، لوگوں پر دست درازی کرنا، ان کا مذاق اڑانا اور ان کی تحقیر کرنا۔

وہ گناہ جن سے روزی کم ہوتی ہے یہ ہیں: اپنے آپ کو محتاج ظاہر کرنا، غروب آفتاب اور صبح کی نماز سے پہلے سونا، خدا کی نعمتوں کو حقیر سمجھنا اور اپنے معبود کی شکایت کرنا۔

وہ گناہ جن سے رسوائی ہوتی ہے یہ ہیں: شراب پینا، جوا کھیلنا، لوگوں کو ہنسانے کے لئے بیہودہ مذاق کرنا، لوگوں کے عیب بیان کرنا اور برے لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔

اسی طرح سے جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ جس کا نام بدبختوں میں لکھا جا چکا ہے تو وہ بھی خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوگا کیونکہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہوگا کہ خدا کے پاس محو و اثبات کا اختیار ہے اور وہ یہ سوچے گا کہ اگر اس نے توبہ کر لی تو خدا اس کا نام بدبختوں میں سے مٹا کر خوش بختوں میں لکھ دے گا۔

مختصر یہ کہ اگر عقیدۂ بداء کا انکار کر دیا جائے تو نیکوکار خدا کے عذاب سے بے خوف ہو جائیں گے اور گنہگار اس کی رحمت سے مایوس ہو جائیں گے۔ پس عذابِ الٰہی سے بے خوفی اور رحمتِ الٰہی سے مایوسی سے بچنے کے لئے عقیدۂ بداء پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

یہاں تک آپ نے عقیدۂ بداء یعنی خدا کے محو و اثبات کے اختیار کے متعلق پڑھا۔ اب ہم جبر و تفویض کی حقیقت پر گفتگو کریں گے کیونکہ آیات و روایات پر دسترس نہ رکھنے کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک فرقے نے انسان کو مجبورِ محض اور دوسرے فرقے نے آزادِ مطلق سمجھ لیا ہے۔

وہ گناہ جن سے بلائیں آتی ہیں یہ ہیں: مصیبت زدہ کی پکار نہ سننا، مظلوم کی مدد نہ کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت برتنا۔

وہ گناہ جن سے دشمنوں کو غلبہ حاصل ہوتا ہے یہ ہیں: علانیہ ظلم کرنا، کھلم کھلا بدکاری کرنا، ناجائز کو جائز سمجھنا، نیک لوگوں کی مخالفت کرنا، برے لوگوں کا ساتھ دینا۔

وہ گناہ جن سے موت نزدیک آتی ہے یہ ہیں: رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنا، بدکاروں کی مدد کرنا، جھوٹ بولنا، [illegible] کرنا، مسلمانوں کے کاموں میں رکاوٹ ڈالنا، امامت کا جھوٹا دعویٰ کرنا۔

وہ گناہ جو ناامیدی پیدا کرتے ہیں یہ ہیں: خدا کی عطا سے ناامید ہونا، خدا کی رحمت سے مایوس ہونا، غیر خدا پر بھروسہ کرنا، خدا کے وعدے کو جھٹلانا۔

وہ گناہ جو معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں یہ ہیں: جادو، کہانت، نجوم پر یقین کرنا، تقدیر کو جھٹلانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔

وہ گناہ جن سے پردہ دری ہوتی ہے یہ ہیں: ادا کرنے کی نیت کے بغیر قرض لینا، غلط کاموں پر بے دریغ خرچ کرنا، بیوی بچوں اور اقرباء پر خرچ میں کنجوسی کرنا، بداخلاقی، بے صبری، گھبراہٹ اور سستی، دینداروں کی بے حرمتی۔

وہ گناہ جن کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی یہ ہیں: بدنیتی، خبثِ باطن، بھائیوں سے منافقت، دعا کے قبول ہونے پر یقین نہ رکھنا، فرض نمازوں کا وقت پر ادا نہ کرنا، فحش گوئی اور فحش کلامی کرنا۔

وہ گناہ جن کی وجہ سے بارش نہیں ہوتی یہ ہیں: حکمرانوں کی ناانصافی، جھوٹی گواہی، سچی گواہی کو چھپانا، زکات اور ضرورت کی چیزیں نہ دینا، غریبوں کے ساتھ سنگدلی سے پیش آنا، یتیم اور بیوہ پر ظلم کرنا، شام کے وقت سائل کو جھڑکنا اور خالی ہاتھ لوٹا دینا۔

جبر، تفویض اور اختیار

لغت میں جبر کا مفہوم ہے جبرهُ علی الامر و اجبرهُ یعنی کسی کو مجبور کر کے اس سے کوئی کام کرانا۔

علمائے عقائد کی اصطلاح میں جبر کا مفہوم یہ ہے کہ خدا انسان کو اعمال و افعال انجام دینے پر مجبور کرتا ہے خواہ وہ اعمال و افعال اچھے ہوں یا برے نیز یہ کہ ان کی ادائیگی میں انسان کے ارادے اور اختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ عقیدہ رکھنے والوں کو مجبرہ کہا جاتا ہے۔ اس عقیدے کے مطابق انسان سے جو فعل سرزد ہوتا ہے وہ ازل سے مقدر ہوتا ہے اور وہ اس فعل کو بجالانے میں مجبور محض (یعنی کٹھ پتلی) ہے۔ اشاعرہ کا (یعنی مکتب خلفاء کے ماننے والوں کی اکثریت کا) یہی عقیدہ ہے۔[1]

لغت میں تفویض کا مفہوم ہے فوض الیہ الامر تفویضاً یعنی اس نے معاملہ اس کے سپرد کر دیا اور اس کو تصرف کی پوری اجازت دے دی۔

علمائے عقائد کی اصطلاح میں تفویض کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے انسان کو ہر طرح کے اعمال و افعال انجام دینے کی پوری آزادی دے دی ہے چنانچہ وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اور ان کے اعمال و افعال میں خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ عقیدہ رکھنے والوں کو مفوضہ کہا جاتا ہے۔ معتزلہ کا یہی عقیدہ ہے۔[2]

لغت میں اختیار کا مفہوم ہے خیّرہُ یعنی اس نے اسے دو یا دو سے زائد امور میں سے چناؤ کا اختیار دے دیا۔

علمائے عقائد کی اصطلاح میں اختیار کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے انبیاء و مرسلین کی وساطت سے انسانوں کو بعض اعمال و افعال بجالانے اور بعض اعمال و افعال سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ خدا نے امر و نہی سے قبل انسانوں کو اعمال و افعال بجالانے کی قوت اور ارادہ دیا ہے اور ان کو اعمال و افعال بجالانے یا ترک کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ وہ کسی کو کوئی فعل انجام دینے یا انجام نہ دینے پر مجبور نہیں کرتا۔ (امامیہ شیعوں کا یہی عقیدہ ہے)۔

۱و۲۔ اشاعرہ اور معتزلہ کی تعریف کے لئے شہرستانی کی کتاب الملل والنحل کا مطالعہ کریں۔

قضاء و قدر

قضاء و قدر کا اطلاق چند معانی پر ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ کا تعلق ہماری اس بحث سے ہے۔

قضاء کا مفہوم

۱۔ قضاء بمعنی فیصلہ۔ قرآن کہتا ہے اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ
تیرا رب قیامت کے دن ان کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کر دے گا۔ (سورۂ یونس۔ آیت ۹۳۔ سورۂ جاثیہ۔ آیت ۱۷)
اس آیت میں قضاء کے معنی "فیصلہ" ہے۔

۲۔ قضاء بمعنی خبر دینا۔ قرآن کہتا ہے وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ
اور ہم نے اسے یہ بات بتا دی کہ صبح ہوتے ہی اس قوم کی جڑیں تک کاٹ دی جائیں گی۔ (سورۂ حجر آیت ۶۶)
اس آیت میں قضاء کے معنی "خبر دینا" ہے۔

۳۔ قضَى اللّٰهُ الشَّيْءَ، بہ معنی کوئی چیز واجب کرنا۔ قرآن کہتا ہے وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ
تمہارے رب نے حکم دے دیا ہے اور اس نے واجب کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔
(سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت ۲۳)

۴۔ قضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ اَوِ الشَّيْءَ یعنی خدا نے اس کام یا چیز کے بارے میں ارادہ کیا۔ قرآن کہتا ہے
وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا
پس وہ ہو جاتا ہے۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت ۱۱۷)

۵۔ قضاء بمعنی مقرر کرنا۔ قرآن کہتا ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا ۝ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تمہاری زندگی کا ایک وقت مقرر کر دیا۔ (سورۂ انعام آیت ۲)

قدر کا مفہوم

قدر علی الشیءِ اوِ الفعلِ یعنی کسی چیز یا کام کی قدرت رکھنا۔ اسی سے قادر اور قدیر مشتق ہیں مثلاً

۱۔ اولیس الذی خلق السموات والارض بقادر علی ان یخلق مثلھم ○ بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان کو پھر ویسے ہی پیدا کر دے۔ (سورۂ یٰسین آیت ۸۱)

۲۔ ولو شاء اللہ لذھب بسمعھم وابصارھم ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر ○ اور اگر خدا چاہے تو ان کی سماعت و بصارت کو بھی ختم کر سکتا ہے بے شک خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۰)

یعنی وہ ہر اس کام پر قدرت رکھتا ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہو۔

قَدَرَ یعنی تنگ کرنا۔

قَدَرَ الرِّزقَ علیہ ویقدر کا مطلب ہے روزی تنگ کرنا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے

۱۔ قُل انَّ ربی یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر کہہ دیجئے کہ بے شک میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ (سورۂ سبا آیت ۳۶)

۲۔ قدر اللہ الامر بقدرہ خدا نے کسی امر کی تدبیر کی اور اس کے وقوع کا ارادہ کیا۔ سورۂ مرسلات میں ہے فقدرنا فنعم القادرون یعنی ہم نے تدبیر کی اور ہم بہترین تدبیر کرنے والے ہیں۔ (آیت ۲۳)

قدّر

۱۔ قَدَّرَ اللہُ الامر یعنی اللہ نے ایک امر کا حکم دے دیا اور فیصلہ کر دیا جیسا کہ زوجہ لوط کے متعلق فرمایا لننجینہ واھلہ الا امراتہ قدرناھا من الغابرین ہم نے لوط اور ان کے گھر والوں کو نجات دی سوائے ان کی بیوی کے جس کیلئے ہم نے فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ ہلاک شدگان میں سے ہوگی۔ (سورۂ نمل ۵۷

۲۔ قدر فی الامر یعنی ٹھہر ٹھہر کر کوئی کام کرنا جیسا کہ خدا نے حضرت داؤد سے فرمایا

وقدر فی السرد (زرہیں بناؤ) اور ان کی کڑیوں کو ٹھہر ٹھہر کر جوڑو۔ (سورۂ سبا آیت ۱۱)

القدر

۱۔ قدر مقدار اور کمیت کو کہا جاتا ہے جیسے کہ فرمان خداوندی ہے

وان من شیءٍ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم ○ اور ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم ان کو مناسب مقدار میں نازل کرتے رہتے ہیں۔ (سورۂ حجر آیت ۲۱)

۲۔ قدر الشیء زمانہ ومکانہ کسی چیز کا زمان اور مکان۔ فرمان الٰہی ہے

الم نخلقکم من ماءٍ مھین ○ فجعلناہ فی قرار مکین ○ الی قدر معلوم ○ کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا؟ پھر اس (نطفے) کو محفوظ جگہ (یعنی رحم مادر) میں رکھا۔ ایک معینہ مدت تک۔ (سورۂ مرسلات آیت ۲۰تا۲۲)

۳۔ قدر اللہ۔ اس سے مخلوق کے متعلق خدا کی حتمی قضاء اور اس کا مبرم حکم مراد ہوتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ۝ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی خدا کا یہی دستور رہا ہے اور خدا کا حکم محکم و مبرم ہوتا ہے۔ (سورۂ احزاب آیت ۳۸)

ہم سمجھتے ہیں کہ قضاء اور قدر کے معنوں کی کثرت کے سبب یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی میں جو کچھ عمل کرتا ہے وہ سب قضاء و قدر کے تحت ہوتا ہے اور اس کی زندگی کے تمام اعمال کا فیصلہ اس کی پیدائش سے پہلے ہو چکا ہوتا ہے۔ احادیث میں مجبرہ اور مفوضہ دونوں کے لئے قدریہ کا لفظ آیا ہے۔[1] قدر دو متضاد معانی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے قرءٌ دو متضاد معانی کا حامل ہے۔ قرءٌ کا ایک معنی حیض ہے اور ایک معنی اس کے بالکل برعکس یعنی حیض سے پاک ہونا ہے۔ یہاں ہم مجبرہ اور مفوضہ کے سوالات اور جوابات میں الجھے بغیر چند احادیث نقل کرتے ہیں جن میں ان کے سوالوں کے جوابات بھی موجود ہیں۔

قضاء و قدر پر ائمہ اہلبیتؑ کی روایات

(۱) شیخ صدوقؒ نے کتاب "توحید" میں اپنی اسناد کے ساتھ امام حسن مجتبیٰ (ع) سے اور ابن عساکر نے "تاریخ دمشق" میں اپنی اسناد کے ساتھ ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔ توحید صدوق میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام (ایک دن جنگ صفین کے بعد کوفہ میں تشریف فرما تھے) کہ ایک عراقی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا: یا امیر المومنین! کیا ہمارا اہل شام سے لڑنے کے لئے جانا قضاء و قدر سے تھا؟

امیر المومنینؑ نے فرمایا: ہاں! اس سفر کے دوران تم جس ٹیلے پر چڑھے اور جس وادی میں اترے وہ سب قضاء و قدر کے موافق تھا۔ اس نے کہا: پھر تو ہمیں کوئی ثواب نہیں ملا۔ یہ سن کر امیر المومنینؑ نے فرمایا: تم نے یہ کیوں سمجھ لیا؟ اس عراقی نے کہا: اگر قضاء و قدر کے فیصلوں سے مجبور ہو کر ہم نے یہ سب کچھ کیا تو پھر اطاعت پر ثواب نہیں اور معصیت پر عذاب نہیں۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: شاید تم نے سمجھ لیا ہے قضاء و قدر سے حتمی اور لازمی فیصلہ کر دیا ہے (جیسا کہ مجبرہ سمجھتے ہیں)۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ثواب اور عذاب، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، زجر و توبیخ اور وعدہ وعید کا کچھ مطلب نہ ہوتا۔ کوئی بدکار قابل ملامت اور کوئی نیکوکار قابل تعریف نہ ہوتا۔ نیکوکار، بدکار سے زیادہ قابل ملامت بن جاتا اور بدکار، نیکوکار سے زیادہ قابل تعریف ٹھہرتا۔ یہ قول ہے بت پرستوں، خدا کے دشمنوں، اس امت کے قدریوں اور مجوسیوں کا۔ اے شخص! یاد رکھ خدا نے جن کاموں کا حکم دیا ہے انسان کو ان کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی دیا ہے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان کا نقصان بھی بتا دیا ہے۔ اس نے انسان کو آسان کاموں کا مکلف ٹھہرایا ہے اور تھوڑے عمل پر بہت زیادہ ثواب بتلایا ہے۔ نہ کوئی خدا کی نافرمانی پر مجبور ہے اور نہ کسی پر خدا کی اطاعت کے لئے زبردستی ہے۔ خدا نے آسمانوں کو، زمین کو اور جو

ا۔ بحار الانوار ج ۵ ص ۵

کچھ اس کے درمیان ہے بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ یہ تو کافروں کا گمان ہے اور ان کافروں کی تو دوزخ میں شامت آ جائے گی۔

حضرت علی کی یہ گفتگو سن کر اس شخص نے کہا اے امیر المومنینؑ! آپ نے میرا غم زائل کر دیا۔ خدا آپ کے غموں کو دور رکھے۔ اس کے بعد وہ شخص کھڑا ہوا اور اس نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے

أنتَ الإمامُ الّذی نرجو بطاعتہ   یومَ النّجاۃِ من الرّحمنِ غفرانا

أوضحتَ من دیننا ما کانَ مُلتبساً   جزاکَ ربُّکَ عنّا فیہ إحسانا

فلیسَ معذرۃٌ فی فعلِ فاحشۃٍ   قد کنتُ راکبَھا فسقاً و عصیانا

آپ وہ امام ہیں کہ آپ کی اطاعت کی وجہ سے ہم قیامت کے دن خدائے رحمن کی بخشش سے امیدوار ہیں۔ آپ نے ہمارے دین کا وہ مسئلہ واضح کر دیا جو ہم پر مشتبہ تھا۔ خدا آپ کو ہماری طرف سے اس نیکی کا بدلہ عطا فرمائے۔ فعل بد پر کوئی عذر نہیں تراشا جا سکتا کیونکہ گناہ کا فعل خود انسان سے سرزد ہوتا ہے۔[1]

(٢) حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: إنَّ النّاسَ فی القدرِ علی ثلاثۃِ أوجُہٍ رجلٌ یزعمُ أنَّ اللہ عزّ وجلَّ أجبرَ النّاسَ علی المعاصی فھذا قد ظلمَ اللہ فی حُکمِہ فھو کافرٌ ورجلٌ یزعمُ أنَّ الأمرَ مُفوَّضٌ إلیھم فھذا قد أوھنَ اللہ فی سُلطانِہ فھو کافرٌ ورجلٌ یزعمُ أنَّ اللہ کلّفَ العبادَ ما یُطیقون ولم یُکلّفھم ما لا یُطیقون وإذا أحسنَ حمدَ اللہ وإذا أساءَ استغفرَ اللہ فھذا مُسلمٌ بالغٌ۔

لوگوں کے نزدیک قدر کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی صورت میں آدمی سمجھتا ہے کہ خدا نے لوگوں کو گناہوں پر مجبور کیا ہے۔ اس آدمی نے خدا کو اس کے فیصلے میں ظالم قرار دیا ہے۔ پس وہ کافر ہے۔ دوسری صورت میں آدمی سمجھتا ہے کہ تمام معاملات لوگوں کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔ ایسے شخص نے خدا کی حکومت میں (اسے بے دخل کر کے اس کی) توہین کی ہے۔ پس وہ کافر ہے۔ تیسری صورت میں آدمی سمجھتا ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کو ان ہی کاموں کا مکلف ٹھہرایا ہے جن کی وہ طاقت رکھتے ہیں اور ان کاموں کا مکلف نہیں ٹھہرایا ہے جو ان کے بس سے باہر ہیں۔ اور جب اس سے کوئی اچھائی ہوتی ہے تو خدا کی تعریف کرتا ہے اور جب اس سے کوئی برائی ہو جاتی ہے تو اس سے معافی مانگتا ہے۔ یہ آدمی بالیدہ مسلمان ہے۔[2]

1۔ شیخ صدوق، توحید ص ۳۸۰۔ تاریخ دمشق ابن عساکر ج ۳، ص ۲۳۴ تحقیق۔ شیخ محمودی

2۔ شیخ صدوق، توحید، ج ۲، ص ۳۶۰۔۳۶۱۔

☆ حضرت امیرؑ اور عراقی کا یہ مکالمہ اصول کافی ج ۵، ص ۳۵، مطبوعہ انتشارات علمیہ اسلامیہ تہران میں بھی موجود ہے البتہ دوسرا شعر یوں تحریر ہے: اوضحت من امرنا ما کان ملتبسا   جزاک ربک بالاحسان احسانا

ڈاکٹر سید فتح چندی، مدیر نگار لکھنؤ نے اپنی کتاب "من و یزداں" میں حضرت امیرؑ کے اسی قول سے مسئلہ قضا و قدر کا جواب —

(۳) حضرت امام علی رضاؑ فرماتے ہیں: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمْ يُطَعْ بِاِكْرَاهٍ وَلَمْ يُعْصَ بِغَلَبَةٍ، وَلَمْ يُهْمِلِ الْعِبَادَ فِي مُلْكِهِ، هُوَ الْمَالِكُ لِمَا مَلَّكَهُمْ وَالْقَادِرُ عَلٰى مَا اَقْدَرَهُمْ عَلَيْهِ فَاِنِ ائْتَمَرَ الْعِبَادُ بِطَاعَتِهِ لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ مِنْهَا صَادًّا، وَلَا مِنْهَا مَانِعًا، وَاِنِ ائْتَمَرُوا بِمَعْصِيَتِهِ فَشَاءَ اَنْ يَحُوْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ ذٰلِكَ فَعَلَ وَاِنْ لَمْ يَحُلْ وَفَعَلُوْهُ فَلَيْسَ هُوَ الَّذِيْ اَدْخَلَهُمْ فِيْهِ یعنی خدا نہ کسی سے زبردستی اطاعت کراتا ہے نہ کسی نے گناہ کر کے خدا پر غلبہ پالیا ہے نہ خدا اپنی سلطنت میں بندوں سے لاتعلق ہوگیا ہے۔ اس نے بندوں کو جن چیزوں کا مالک بنایا ہے دراصل وہ خود ان کا مالک ہے اور جن کاموں کی اس نے بندوں کو طاقت بخشی ہے وہ خود اس پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر بندے اس کی اطاعت کریں تو اس کی طرف سے کوئی رکاوٹ اور ممانعت نہیں۔ جب بندے اس کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ بندوں کے اور ان کی نافرمانی کے بیچ حائل ہونا چاہے تو ہوسکتا ہے لیکن اگر وہ حائل نہ ہو اور لوگ نافرمانی کریں تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اسی نے لوگوں کو نافرمانی کی طرف دھکیلا ہے۔[1]

امام علیہ السلام کے فرمان کا ماحصل یہ ہے کہ اطاعت کرنے والا اطاعت پر مجبور نہیں اور معصیت کرنے والا خدا کی مشیت پر غالب نہیں۔ خدا کی مشیت یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں بااختیار ہو۔

امام علی رضاؑ فرماتے ہیں: يَا ابْنَ آدَمَ! بِمَشِيَّتِيْ كُنْتَ اَنْتَ الَّذِيْ تَشَاءُ لِنَفْسِكَ مَا تَشَاءُ، وَبِقُوَّتِيْ اَدَّيْتَ فَرَائِضِيْ، وَبِنِعْمَتِيْ قَوِيْتَ عَلٰى مَعْصِيَتِيْ، جَعَلْتُكَ سَمِيْعًا، بَصِيْرًا، قَوِيًّا، مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ اے فرزند آدمؑ! تو اپنے لئے جو کچھ چاہتا ہے تو تیرا یہ چاہنا میری ہی بخشی ہوئی مشیت سے ہے۔ اور میری ہی بخشی ہوئی قوت سے ہی تو نے میرے فرائض ادا کئے اور میری ہی نعمت کی وجہ سے تجھے نافرمانی کی قوت ملی۔ میں نے تجھے سننے والا، دیکھنے والا اور قوت رکھنے والا بنایا ہے۔ تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور تجھے جو بھی برائی پہنچتی ہے وہ خود تیری اپنی پیدا کردہ ہے۔[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ تو نے میری دی ہوئی قوت سے میری نافرمانی کی ہے۔[3]

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِيْضَ وَلٰكِنْ اَمْرٌ بَيْنَ اَمْرَيْنِ یعنی (انسانی اعمال میں) نہ جبر ہے نہ تفویض بلکہ معاملہ ان دونوں کے درمیان ہے۔

راوی نے پوچھا کہ مولا اَمْرٌ بَيْنَ اَمْرَيْنِ سے کیا مراد ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا اس کی مثال یوں سمجھو کہ تم نے ایک شخص کو برائی کرتے ہوئے دیکھا تو اسے برائی سے منع کیا لیکن وہ تمہارے کہنے پر برائی سے باز نہ آیا چنانچہ تم نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور اس نے برائی کا ارتکاب کیا۔ اب جو تم نے نصیحت قبول نہ

۱۔ شیخ صدوق، توحید ص ۳۶۱۔

۲۔ شیخ صدوق، توحید ص ۳۳۸، ۳۴۰، ۳۶۲، اصول کافی ج ۱ ص ۱۶۰

۳۔ شیخ صدوق، توحید ص ۳۶۲۔

کرنے پر سے اس کے حال پر چھوڑ دیا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم نے اسے برائی کا حکم دیا۔

امام جعفر صادق فرماتے ہیں: جس بات پر تم کسی شخص کو ملامت کر سکو وہ فعل اسی کی طرف سے ہے، اور جس بات پر تم کسی کو ملامت نہ کر سکو وہ فعل خدا کی طرف سے ہے۔

يقول الله تعالى لعبد لم عصيت؟ لم فسقت؟ لم شربت الخمر؟ لم زنيت؟ فهذا فعل العبد ولا يقول له لم مرضت؟ لم قصرت؟ لم ابيضضت؟ لم اسوددت؟ لانه من فعل الله تعالى

یعنی خدا بندے سے کہے گا کہ تو نے گناہ کیوں کیا؟ تو نے نافرمانی کیوں کی؟ تو نے شراب کیوں پی؟ تو نے زنا کیوں کیا؟ یہ بندے کے فعل ہیں اور خدا یہ نہیں کہے گا کہ تو بیمار کیوں ہوا؟ تو ٹھنگنا کیوں تھا؟ تو گورا کیوں تھا؟ تو کالا کیوں تھا؟ اس لئے کہ یہ خدا کے فعل ہیں۔[1]

جبر و تفویض کے دو پہلو

(۱) ایک جبر و تفویض جس کا تعلق خدا کی صفات سے ہے۔

(۲) ایک جبر و تفویض جس کا تعلق انسان کی صفات سے ہے۔

جس کا تعلق خدا کی صفات سے ہے تو انبیاء اور اوصیاء کی وساطت سے ہمیں اس پر عقیدہ رکھنا چاہئے۔ اور جس کا تعلق انسان کی صفات سے ہے مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "تمہاری مرضی تو یہ کرو یا نہ کرو" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مخاطب کے پاس مذکورہ کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار موجود ہے۔

ہم پہلے تفصیل سے بتا چکے ہیں کہ انسان کی حرکت ستاروں اور سیاروں کی حرکت کی طرح غیر اختیاری نہیں ہے۔ ستارے، سیارے اور کہکشائیں اپنی حرکت میں تسخیری ہدایت کے مطابق رواں دواں ہیں لیکن انسان عقل و شعور رکھتا ہے لہٰذا اسے دوسری اشیاء کی طرح سے تقدیر کا پابند نہیں بنایا گیا بلکہ اسے اپنی راہ آپ چننے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسے بہت سے اختیارات دے کر اس جہان میں بھیجا گیا ہے۔ البتہ ان اختیارات کی بھی ایک حد ہے اور حد سے زیادہ اس کے پاس اختیار نہیں ہے۔ جہاں اسے بہت سے اختیارات دیے گئے ہیں وہاں اسے اپنی ذات کے اندر موجود تمام محرکات کے اختیارات نہیں دیے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بخشی اور حق و باطل میں تمیز کر کے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا۔ پھر جیسے ہی انسان عقل سلیم اور کچھ اختیارات لے کر دنیا میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی رہنمائی کے لئے انبیاء بھیجے جنہوں نے اسے یہ بتایا کہ حق پر ایمان لانے کا طریقہ کیا ہے اور کون سے اعمال اس کے لئے مفید ہوتے ہیں۔ اب اگر وہ انبیاء کی دعوت پر لبیک کہے اور صراط مستقیم پر چلنا شروع

۱۔ شیخ صدوق، توحید، ص ۳۶۲، اصول کافی ج ۱، ص ۱۶۰۔ ۲۔ طرائف۔

کرے تو توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی سنت اور حکمت کے مطابق جس کے لئے چاہتا ہے دنیا و آخرت میں اس کے اعمال کا اجر سات سو گنا بڑھا دیتا ہے۔

ہم نے انسان اور دنیا کے حوالے سے ایک مثال پیش کی تھی کہ یہ دنیا ''سیلف سروس ریسٹورنٹ'' کی مانند ہے جہاں ہر طرح کے طعام سجے ہوتے ہیں اور مومن و کافر دونوں ہی اس غذائی ریسٹوران سے مستفید ہو رہے ہیں البتہ مومن اس ریسٹوران میں بیٹھ کر مفید غذاؤں کا انتخاب کر رہا ہے جبکہ کافر اپنے لئے مضر غذاؤں کا چناؤ کر رہا ہے۔ بہرحال جہاں تک چناؤ کا تعلق ہے تو دونوں ایک ہی ریسٹوران سے اپنی اپنی پسند کی چیزوں کا چناؤ کر رہے ہیں۔ قرآن مجید کہتا ہے **كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا** ۝ ہم ان کو اور ان کو سب کو آپ کے رب کی بخشش سے مدد کرتے ہیں اور آپ کے رب کی بخشش (کسی مومن یا کافر سے) رکی ہوئی نہیں۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۰)

اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فکری اور جسمانی طاقت عطا نہ کرتا اور ان کے لئے بہت سی اشیا کو مسخر نہ کرتا تو بندۂ مومن عمل صالح نہ کرسکتا اور کافر غلط کام نہ کرسکتا تھا اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی بخشی ہوئی عقل و صحت جیسی نعمت کو ایک لمحے کے لئے چھین لے تو کوئی کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کائنات میں انسان جو عمل کر رہا ہے وہ خدا ہی کی بخشی ہوئی قوت سے کر رہا ہے۔ خدا نے ہر چیز انسان کے سپرد نہیں کی ہے (جیسا کہ **مفوضہ** کہتے ہیں) اور نہ اسے کسی فعل پر مجبور کیا ہے (جیسا کہ **مجبرہ** کہتے ہیں) بلکہ معاملہ ان دونوں کے درمیان ہے۔ **الامر بین الامرین** کا یہی مطلب ہے۔ انسانی افعال کے متعلق مشیت اور سنت خداوندی کا یہی مفہوم ہے اور سنت خداوندی میں ہرگز تبدیلی نہیں ہوتی۔

چند سوال اور ان کے جواب

اس مقام پر چار سوال پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) انسانی افعال کو اختیاری افعال کیسے قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ انسان پر شیطان کو مسلط کر دیا گیا ہے جسے انسان دیکھ تک نہیں سکتا اور اسے انسان کے دل تک رسائی دی گئی ہے جس میں وہ ہر وقت وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور برائی پر اکساتا رہتا ہے؟

(۲) ایسا شخص جو برے ماحول میں پیدا ہوا ہو اور پلا بڑھا ہو اور جس نے بھلائی کو دیکھا تک نہ ہو اگر وہ برائی کرے تو کیا وہ برائی کرنے میں مجبور نہیں سمجھا جائے گا؟

(۳) وہ لوگ جو متمدن دنیا سے دور جنگلوں میں رہتے ہیں اور جن تک انبیاء کی دعوت ہی نہیں پہنچی ان کا حساب کتاب کیسے ہوگا؟

(۴) ولد حرام کی فطرت میں اس کے والدین کی خیانت کی وجہ سے برائی سے محبت شامل ہے لہٰذا اگر وہ دنیا میں برے کام کرے، تو اس میں اس کا کیا قصور ہے؟

پہلے دو سوالوں کا جواب ہم کتاب کے شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ انسان جسم اور روح سے عبارت ہے۔ جس طرح جسم کے لئے غذا کی ضرورت ہے اسی طرح سے روح کے لئے بھی غذا کی ضرورت ہے۔ اگر جسم کو اس کی غذا نہ ملے تو وہ بے چین ہو جاتا ہے اور غذا کی تلاش میں دن رات ایک کر دیتا ہے اور اسے حاصل کر کے ہی دم لیتا ہے۔ اسی طرح سے روح کی غذا مسبب الاسباب کی پہچان ہے۔ اور مسبب الاسباب کی پہچان انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے اسی لئے سورۂ اعراف میں ہے ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن ھذا غافلین ○ تاکہ قیامت کے دن تم لوگ یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس سے غافل تھے۔ (آیت ۱۷۲)

جس طرح سے انسانی جسم کو بھوک پیاس ستاتی ہے اسی طرح سے انسانی روح کو بھی معرفت خداوندی کی تڑپ رہتی ہے اور جب تک روح اس حقیقت کا ادراک نہ کر لے اس وقت تک تشنگی محسوس کرتی رہتی ہے۔

تیسرے سوال کے جواب میں ہم سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۶ کا ایک ٹکڑا پیش کرتے ہیں اور یہ اس سوال کا مکمل جواب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا خدا کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

چوتھے سوال کا جواب یہ ہے کہ ولد الحرام برائی پر مجبور نہیں ہے۔ البتہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جب کوئی خیانت کار مرد اور عورت بدکاری کر رہے ہوتے ہیں تو ان دونوں کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ اس فعل کا ارتکاب کر کے سماج سے خیانت کر رہے ہیں اور اگر سماج نے انہیں اس حالت میں دیکھ لیا تو وہ ان کو تحقیر و تذلیل کریں گے۔ اسی لئے جب مرد و عورت خیانت کرتے ہیں تو ان کو اپنے سماج سے نفرت ہوتی ہے خاص طور پر سماج کے شریف لوگوں سے ان کو شدید نفرت ہوتی ہے اور جب اس حالت میں نطفہ ٹھہرتا ہے تو اس میں سماج کے خلاف بالعموم اور شرفاء کے خلاف بالخصوص دشمنی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں اور اس نطفے سے پیدا ہونے والا شخص شریف لوگوں کی دشمنی سے کر پیدا ہوتا ہے۔

اگر اس حقیقت سے کسی کو اختلاف ہو اور وہ دلیل کا خواہش مند ہو تو اسے زیاد بن ابیہ اور ابن زیاد کے حالات زندگی پر نظر کرنی چاہیے۔ ان دونوں کو کائنات کے شریف ترین شخص یعنی حضرت علیؑ سے اور ان کی اولاد سے دشمنی کیوں تھی؟ اس کا سبب ان کی ماؤں کی خیانت ہے۔

آپ دیکھیں کہ ابن زیاد نے آل محمدؐ کے ساتھ کربلا میں کیا کیا۔ اس نے انہیں ناحق قتل کیا۔ گھوڑوں کی نعل بندی کر کے ان کی پاک لاشوں کو پامال کیا۔ یہی نہیں اس کی کمینگی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اس نے کاشانۂ نبوت کی پاک بیبیوں کو بے مقنع و چادر شہر شہر پھرایا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ امام حسینؑ کی شہادت عظمیٰ سے

بعد آل محمدؑ میں مزید تب و تاب نہیں رہی تھی مگر اس نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ اس کے خمیر میں کائنات سے شریف ترین افراد کی دشمنی شامل تھی

ولد الحرام کو شریف لوگوں سے دشمنی اپنے والدین سے ورثے میں ملتی ہے جبکہ حلال زادوں کو شریف لوگوں سے دوستی ورثے میں ملتی ہے لیکن پھر بھی دونوں اپنے افعال میں مجبور نہیں ہیں۔

مسئلے کی مزید وضاحت کے لئے ہم یہاں ایک مثال بیان کرنا چاہتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ دو آدمی ہیں ایک بیس سال کا بھرپور جوان ہو اور دوسرا نوے برس کا بوڑھا ہو جس کی شہوت انتہائی کم ہو چکی ہو۔ جوان ہر وقت جنسی جذبے کی تسکین چاہتا ہو جبکہ بوڑھے کو اس کی پروا تک نہ ہو۔ اب اگر وہ جوان اپنے جنسی جذبے کو قابو میں رکھے اور اسے آوارہ نہ ہونے دے تو وہ یقیناً اجر و ثواب کا مستحق ہوگا جبکہ جنس سے پرہیز کی وجہ سے بوڑھے کو ثواب نہیں ملے گا کیونکہ اس میں شہوانی قوت ہی موجود نہیں ہے۔

اسی طرح سے ایک ولد الحرام کو برائی کی شدید خواہش ہوتی ہے اور اگر وہ اپنے آپ پر قابو رکھے اور برائی سے بچے تو یقیناً اجر و ثواب پائے گا بالخصوص اگر وہ زنا سے بچے تو خدا اسے اس کا اجر عطا فرمائے گا۔

بہرنوع جب ہم انسانی افعال کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ نسانی افعال انسانی اختیار کا مظہر ہیں۔ البتہ غلظت و نجاست کی بات علیحدہ ہے۔

(ضمیمہ نمبر۱)

مخلوق کی ابتداء اور بعض مخلوق کی صفات کا تذکرہ

احمد بن حنبل، محمد بن سعد، ابو داؤد اور ترمذی نے اپنی سند سے حضرت رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ان اللہ خلق آدم من قبضۃ قبضھا من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض فجاء منھم الاحمر والابیض والاسود و بین ذالک خدا نے آدم کو ایک مٹھی خاک سے پیدا کیا تھا جو تمام روئے زمین سے لی تھی۔ یہی باعث ہے کہ زمین کے اثر سے فرزندان آدم میں کوئی سرخ ہے کوئی سفید ہے، کوئی سیاہ ہے، کوئی درمیانی رنگ (گندمی، سانولا وغیرہ) کا ہے۔[۱]

ابن سعد نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ جب آدم سے خطا سرزد ہوئی تو ان کی شرمگاہ ان پر ظاہر ہوگئی۔ اس سے پہلے انہوں نے اپنی شرمگاہ نہیں دیکھی تھی۔[۲]

مسعودی نے تخلیق کائنات کے متعلق حضرت علیؑ سے حسب ذیل روایت نقل کی ہے:

... فسطح الارض علی ظہر الماء و اخرج من الماء دخاناً فجعلہ السماء ثم استجلبھما الی الطاعۃ فاذعنت بالاستجابۃ، ثم انشاء اللہ الملائکۃ من انوار ابدعھا، وارواح اخترعھا، وقرن بتوحیدہ نبوۃ محمد(ص) فشہرت فی السماء قبل بعثتہ فی الارض، فلما خلق اللہ آدم ابان فضلہ للملائکۃ، واراھم ما خصہ بہ من سابق العلم من حیث عرّفہ عند استنبائہ ایاہ اسماء الاشیاء، فجعل اللہ آدم محراباً وکعبۃً و باباً وقبلۃً اسجد الیھا الابرار والروحانیین الانوار، ثم نبہ آدم علی مستودعہ، وکشف لہ عن خطر ما ائتمنہ علیہ، بعد ما سماہ اماماً عند الملائکۃ پھر خدا نے زمین کو پانی پر بچھایا اور پانی سے دھواں اٹھایا۔ اس دھوئیں سے آسمان بنایا۔ پھر زمین و آسمان کو اپنی اطاعت کی دعوت دی تو انہوں نے خوشی سے اطاعت قبول کی۔ پھر خدا نے نور سے فرشتوں اور ارواح کو پیدا کیا اور اپنی توحید کے ساتھ محمد (ص) کی نبوت کو شامل کیا۔ زمین پر ان کی بعثت سے پہلے آسمان پر ان کی نبوت مشہور ہو چکی تھی۔ جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو فرشتوں کو ان کی فضیلت سے باخبر کیا اور انہیں علم اسما (یعنی چیزوں کے نام) سکھائے اور پھر فرشتوں سے ان چیزوں کے نام پوچھ کر آدم کی عظمت دکھلائی۔ خدا نے آدم کو محراب و محد...

۱۔ سنن ترمذی ج ۱۱، ص ۱۶، ح از تفسیر سورۂ بقرہ۔ سنن ابی داؤد کتاب السنۃ، باب ۶۔ مسند احمد ج ۴، ص ۴۰۰، ۴۰۶۔ طبقات ابن سعد، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی، ج ۱، ص ۲۵۔ درج بالا روایت کے الفاظ سنن ترمذی کے ہیں۔

۲۔ طبقات ابن سعد مطبوعہ یورپ ج ۱، ق ۱، ص ۱۰۔

درود زہ و بعد قرار دیا۔ اور تمام ابرار اور روحانی نوار کو ان کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ پھر حضرت آدم کو اس عارضی قیام گاہ پر منتخب کیا اور جس چیز کا انہیں امین بنایا تھا اس کے خطرے سے انہیں آگاہ کیا۔ جبکہ اس سے قبل بزم ملائکہ میں ان کا نام امام رکھا تھا۔[1]

مخلوق کی پیدائش کا تفصیلی تذکرہ

نہج البلاغہ کے پہلے خطبے میں امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں:

انشأ الخلق انشاءً وابتدأه ابتداءً سے لے کر **فاعطاه الله النظرة استحقاقاً للسخطة** تک

اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا بغیر کسی فکر کی جولانی کے اور بغیر کسی تجربے کے جس سے فائدہ اٹھانے کی اسے ضرورت پڑی ہو اور بغیر کسی حرکت کے جسے اس نے پیدا کیا ہو اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس سے وہ بے تاب ہوا ہو۔ ہر چیز کو اس کے وقت کے حوالے کیا۔ بے جوڑ چیزوں میں توازن و ہم آہنگی پیدا کی۔ ہر چیز کو جداگانہ طبیعت و مزاج کا حامل بنایا اور ان طبیعتوں کے لئے مناسب صورتیں ضروری قرار دیں۔ وہ ان چیزوں کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا، ان کی حدود و نہایات پر احاطہ کئے ہوئے تھا اور ان کے نفوس و اعضاء کو پہچانتا تھا۔ پھر یہ کہ اس نے کشادہ فضا، وسیع اطراف و اکناف اور خلا کی وسعتیں خلق کیں اور ان میں ایسا پانی بہایا جس کے دریائے مواج کی لہریں طوفانی اور بحر زخار کی موجیں تہ بہ تہ تھیں۔ اسے تیز ہوا اور تند آندھی کی پشت پر لادا۔ پھر اسے پانی کے پلٹانے کا حکم دیا اور اسے اس کے پابند رکھنے پر قابو دیا اور اسے پانی کی سرحد سے ملا دیا۔ اس کے نیچے ہوا دور تک پھیلی ہوئی تھی اور اوپر پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پھر اللہ سبحانہ نے اس پانی سے اندر ایک ہوا خلق کی، جس کا چلنا بانجھ (بے ثمر) تھا اور اسے اس کے مرکز پر برقرار رکھا، اس کے جھونکے تیز کر دیئے اور اس کے چلنے کی جگہ دور دور تک پھیلا دی۔ پھر اس ہوا کو مامور کیا کہ وہ پانی کے ذخیرے کو تھپیڑے دے اور بحر بیکراں کی موجوں کو اچھالے۔ اس ہوا نے پانی کو یوں متھ دیا جس طرح دہی کے مشکیزے کو متھا جاتا ہے اور اسے دھکیلتی ہوئی تیزی سے چلی جس طرح خالی فضا میں چلتی ہے اور پانی کے ابتدائی حصے کو آخری حصے پر اور ٹھہرے ہوئے کو چلتے ہوئے پانی پر پلٹانے لگی یہاں تک کہ اس متلاطم پانی کی سطح بلند ہو گئی اور وہ تہ بہ تہ پانی جھاگ دینے لگا۔ اللہ نے وہ جھاگ کھلی ہوا اور کشادہ فضا کی طرف اٹھائی اور اس سے ساتوں آسمان پیدا کئے۔ نیچے والے آسمان کو رکی ہوئی موج کی طرح بنایا اور اوپر والے آسمان کو محفوظ چھت اور بلند عمارت کی صورت میں اس طرح قائم کیا کہ نہ ستونوں کے سہارے کی حاجت تھی، نہ بندھنوں سے جوڑنے کی ضرورت۔ پھر ان کو ستاروں کی سج دھج اور روشن تاروں کی چمک دمک سے آراستہ کیا اور ان میں ضوپاش چراغ اور جگمگاتا چاند رواں کیا جو

۱۔ اس سلسلے میں صفحہ ۲۷ کے پر حاشیہ ملاحظہ کیجئے۔ ۲۔ مروج الذہب ج ۱ ص ۳۳۔

گھومنے والے فلک چلتی پھرتی چھت اور جنبش کھانے والی لوح میں ہے۔ پھر خداوند عالم نے بلند آسمانوں کے درمیان شگاف پیدا کیے اور ان کی وسعتوں کو طرح طرح کے فرشتوں سے بھر دیا۔ کچھ ان میں سربسجود ہیں جو رکوع نہیں کرتے، کچھ رکوع میں ہیں جو سیدھے نہیں ہوتے۔ کچھ صفیں باندھے ہوئے ہیں جو اپنی جگہ نہیں چھوڑتے اور کچھ پاکیزگی بیان کر رہے ہیں جو اکتاتے نہیں، نہ ان کی آنکھوں میں نیند آتی ہے، نہ ان کی عقلوں میں سہو و چوک پیدا ہوتی ہے، نہ ان کے بدنوں میں سستی و کاہلی آتی ہے، نہ ان پر نسیان کی غفلت طاری ہوتی ہے۔ ان میں کچھ تو وحی الٰہی کے امین، اس کے رسولوں کی طرف پیغام رسانی کے لئے زبان حق اور اس کے قطعی فیصلوں اور فرمانوں کو لے کر آنے جانے والے ہیں۔ کچھ اس کے بندوں کے نگہبان اور جنت کے دروازوں کے پاسبان ہیں، کچھ وہ ہیں جن کے قدم زمین کی تہ میں جمے ہوئے ہیں اور ان کے پہلو اطراف عالم سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں، ان کے شانے عرش کے پایوں سے میل کھاتے ہیں، عرش کے سامنے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور اس کے نیچے اپنے پروں میں لپٹے ہوئے ہیں، ان میں اور دوسری مخلوق میں عزت کے حجاب اور قدرت کے سراپردے حائل ہیں۔ وہ شکل و صورت کے ساتھ اپنے رب کا تصور نہیں کرتے، نہ اس پر مخلوق کی صفتیں طاری کرتے ہیں، نہ اسے محل و مکان میں گھرا ہوا سمجھتے ہیں، نہ اشباہ و نظائر سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

پھر اللہ نے سخت و نرم اور شیریں و شور زدہ زمین سے مٹی جمع کی، اسے پانی سے اتنا بھگویا کہ وہ صاف ہو کر نتھر گئی اور تری سے اتنا گوندھا کہ اس میں لس پیدا ہو گیا۔ اس سے ایک ایسی صورت بنائی، جس میں موڑ ہیں اور جوڑ، اعضاء ہیں اور مختلف حصے، اسے یہاں تک سکھایا کہ وہ خود تھم سکی اور اتنا سخت کیا کہ وہ کھنکھنانے لگی۔ ایک وقت معین اور مدت معلوم تک اسے یونہی رہنے دیا۔ پھر اس میں روح پھونکی تو وہ ایسے انسان کی صورت میں کھڑی ہو گئی جو قوائے ذہنی کو حرکت دینے والا، فکری حرکات سے تصرف کرنے والا، اعضاء و جوارح سے خدمت لینے والا اور ہاتھ پیروں کو چلانے والا ہے اور ایسی شناخت کا مالک ہے جس سے حق و باطل میں تمیز کرتا ہے اور مختلف مزوں، بوؤں، رنگوں اور جنسوں میں فرق کرتا ہے۔ رنگارنگ مٹی اور ملتی جلتی موافق چیزوں اور مخالف ضدوں اور متضاد خلطوں سے اس کا خمیر ہوا ہے۔ یعنی گرمی، سردی، تری، خشکی کا پیکر ہے۔ پھر اللہ نے فرشتوں سے چاہا کہ وہ اس کی سونپی ہوئی ودیعت ادا کریں اور اس کے پیمان وصیت کو پورا کریں جو سجدۂ آدم سے حکم تسلیم کرنے اور اس کی بزرگی کے سامنے تواضع و فروتنی کے لئے تھا، اس لئے اللہ نے کہا کہ "آدم کو سجدہ کرو، ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔" اسے عصبیت نے گھیر لیا، بدبختی اس پر چھا گئی، آگ سے پیدا ہونے کی وجہ سے اپنے کو بزرگ و برتر سمجھا، اور کھنکھناتی ہوئی مٹی کی مخلوق کو ذلیل جانا۔ اللہ نے اسے مہلت دی تاکہ وہ پورے طور پر غضب کا مستحق بن جائے (ترجمہ مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ)

علامہ مجلسی بحار الانوار میں لکھتے ہیں کہ تخلیق ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے امیر المومنینؑ نے فرمایا:

وملائكةٌ خلقتهم وأسكنتهم سماواتك، فليس فيهم فترة، ولا عندهم غفلة، ولا فيهم معصية، هم أعلم خلقك بك، وأخوف خلقك منك، وأقرب خلقك إليك، وأعملهم بطاعتك، ولا يغشاهم نوم العيون، ولا سهو العقول، ولا فترة الأبدان، لم يسكنوا الأصلاب، ولم تضمهم الأرحام، ولم تخلقهم من ماءٍ مهين، أنشأتهم إنشاءً فأسكنتهم سماواتك، وأكرمتهم بجوارك، وائتمنتهم على وحيك، وجنبتهم الآفات، ووقيتهم البليات، وطهرتهم من الذنوب، ولولا تقويتك لم يقووا، ولولا تثبيتك لم يثبتوا[1]، ولولا رحمتك لم يطيعوا، ولولا أنت لم يكونوا، أما إنهم على مكانتهم منك وطواعيتهم إياك ومنزلتهم عندك وقلة غفلتهم عن أمرك لو عاينوا ما خفي عنهم منك لاحتقروا أعمالهم، ولأزروا على أنفسهم ولعلموا أنهم لم يعبدوك حق عبادتك، سبحانك خالقاً ومعبوداً ما أحسن بلاءك عند خلقك

یعنی خدایا! تو نے فرشتوں کو پیدا کیا اور انہیں اپنے آسمانوں میں جگہ دی۔ ان پر کاہلی اور سستی نہیں چھاتی، غفلت نہیں پکڑتی اور معصیت نہیں کرتے۔ وہ خلق میں سب سے زیادہ تجھ کو جاننے والے ہیں اور خلق میں سب سے زیادہ تجھ سے ڈرنے والے ہیں اور خلق میں سب سے زیادہ تجھ سے قریب ہیں اور سب سے زیادہ تیری طاعت کرنے والے ہیں۔ ان پر آنکھوں کی نیند طاری نہیں ہوتی، ان کی عقلوں میں بھول چوک نہیں ہوتی اور ان کے بدنوں پر سستی نہیں چھاتی۔ وہ باپوں کی صلبوں میں نہیں ٹھہرے اور ماؤں کے شکموں میں نہیں رہے۔ تو نے انہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا۔ تو نے انہیں خلق کیا اور اپنے آسمانوں میں ٹھہرایا اور اپنی ہمسایگی کا شرف بخشا۔ تو نے انہیں اپنی وحی کا امین بنایا اور انہیں آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھا۔ تو نے انہیں گناہوں سے پاک بنایا اور اگر تو انہیں قوت فراہم نہ کرتا تو وہ قوت حاصل نہ کر پاتے اور اگر تو انہیں ثبوت عطا نہ کرتا تو وہ ثابت نہ رہتے اور اگر تیری رحمت ان کے شامل حال نہ ہوتی تو وہ تیری طاعت نہ کر سکتے۔ اور اگر تو نہ ہوتا تو وہ بھی نہ ہوتے مگر تیری جناب میں ایسا مرتبہ رکھنے، تیری طاعت کرنے، تیرے نزدیک منزلت رکھنے اور تیرے حکم سے غفلت نہ برتنے کے باوجود بھی اگر وہ تیری اس عظمت کو دیکھ لیتے جو ان سے مخفی رکھی گئی ہے تو وہ اپنے سب اعمال کو حقیر جانتے اور خود کو قصوروار ٹھہراتے اور انہیں معلوم ہو جاتا کہ انہوں نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ اے خالق و معبود! تو کتنا پاک ہے اور تیری طرف سے تیری مخلوق کی آزمائش کتنی اچھی ہے۔

---

۱ بحار الانوار ج ۵۹، ص ۱۷۵ - ۱۷۶، بحوالہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی ص ۵۸۳۔

(ضمیمہ نمبر۲)

قرآن کریم اور اصول کائنات

نجوم، کوکب اور سیارگان سمیت تمام طبیعی مظاہر اور مخلوقات کو کائنات کہا جاتا ہے۔

Macmillan Encyclopedia کے مطابق ان اجرام پر جن کی پہچان ممکن ہو سکتی ہے میں سورج اور نظام شمسی کے تمام سیاروں اور ان سیاروں کی گزرگاہوں نیز ان کے درمیان موجود تمام چیزوں پر لفظ کائنات کا اطلاق ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر لفظ کائنات پہاڑوں، چٹانوں، معدنیات، گیسوں، مٹی، حیوانوں اور انسانوں کے علاوہ تمام ثابت اور متحرک اجسام پر محیط ہے۔

ماہرین فلکیات کے نزدیک لفظ کائنات کا اطلاق فضا اور اجرام فلکی پر ہوتا ہے۔ اور جہاں تک کائنات کی وسعت کا تعلق ہے تو یہ فضا اتنی بسیط ہے کہ اس میں ہمارا سورج اور اس کے گرد گردش کرنے والے سیاروں کی حیثیت نقطوں کی سی ہے۔ اس وسیع کائنات میں سورج جیسے تقریباً دس ارب ستارے اور موجود ہیں۔

دیوہیکل دوربینوں سے دیکھا جائے تو نظام شمسی بہت بڑا دکھائی دیتا ہے۔ ہماری یہ زمین سورج سے تقریباً ترانوے ملین میل کے فاصلے پر ہے جبکہ پلوٹو[1] جو ہمارے ہی نظام شمسی کا ایک سیارہ ہے، زمین اور سورج کے فاصلے کے چار ہزار فاصلے پر واقع ہے۔

تخلیق کائنات کے متعلق اس وقت مختلف نظریات موجود ہیں۔ ان میں سے مقبول عام اور جدید ترین Big Bang Theory ہے جسے جارج لیمٹر نے ۱۹۲۷ء میں پیش کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ آج سے تقریباً دس بیس بلین سال پہلے ہائیڈروجن اور ہیلیم کے تپتی درجۂ حرارت کی وجہ سے ایک زوردار دھماکہ ہوا تھا جس سے سورج کے ٹکڑے دور دور تک بکھر گئے تھے اور یہی دھماکہ مختلف کروں کے وجود میں آنے کا باعث بنا تھا۔

سائنسی دنیا میں کائنات کی وسعت پذیری سے متعلق Hubble's Law of Expanding Universe کو بڑی پذیرائی ملی ہے۔ اس نظریے کے مطابق کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اور اس میں برابر وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ ماہرین فلکیات نے اپنے تازہ انکشافات میں کہا ہے کہ ہماری کہکشاں جیسی کائنات میں کئی کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں کے لاتعداد نظام شمسی ہیں اور یہ کہکشائیں ہماری زمین سے دس بلین نوری سال کے فاصلے پر واقع ہیں۔

یہ حافظ محمد سلیم کے اس مضمون کا اقتباس ہے جو پاکستان کے شاہی سفارتخانے سے شائع ہونے والے رسالے انطاقۃ اباکستانیہ میں ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا تھا۔

☆ ۲۰۰۶ء میں IAU (انٹرنیشنل اسٹرانومیکل یونین) کے ماہرین فلکیات نے پلوٹو کو نظام شمسی سے خارج قرار دے دیا ہے۔

قرآن کریم انسانوں کے نام اللہ تعالیٰ کا آخری آسمانی پیغام ہے۔ چنانچہ اس میں بڑی وضاحت سے یہ بات کہی گئی ہے کہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین، سورج، چاند اور دیگر اجرام فلکی و دقیق ترین حساب اور تناسب سے بنایا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ بدیع السماوات والارض و اذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون ٥ اللہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو بس کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، اور وہ ہوجاتی ہے۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۱۱۷) یہ آیت صاف صاف بتاتی ہے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ لفظ بدیع عدم سے وجود میں لانے پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں مادے اور نمونے کے بغیر کسی چیز کے بنانے کو ابداع کہتے ہیں۔ جب لفظ بدیع اللہ تعالیٰ کی نسبت بطور صفت استعمال ہو تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اشیا کو عدم سے معرض وجود میں لاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ وھو الذی خلق السمٰوٰت والارض بالحق ویوم یقول کن فیکون ٥ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق سے پیدا کیا ہے اور جس وقت وہ کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے۔ (سورۂ انعام آیت ۷۳) علامہ راغب کہتے ہیں کہ لفظ حق نئی چیز کی طرف اشارہ کے لئے مستعمل ہوتا ہے جس کی پہلے مثال موجود نہ ہو۔ اور جب اس لفظ کا تعلق اوصاف خالق سے ہو تو اس سے مراد عدم سے نئی چیز کو پیدا کرنا ہوتا ہے۔

متعدد آیات میں ظواہر کائنات اور طبعیات پر بھی بحث کی گئی ہے مثلاً وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر۔ وہی تو ہے جس نے رات، دن، سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ (سورۂ انبیاء آیت ۳۳)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے ھو الذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نورًا وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب ما خلق اللہ ذالک الا بالحق یفصل الآیات لقوم یعلمون ٥ وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور کاموں کا حساب معلوم کرو۔ یہ سب خدا نے حق (یعنی عدم) سے پیدا کیا ہے۔ سمجھنے والوں کے لئے وہ اپنی آیتیں تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ (سورۂ یونس آیت ۵)

اپنی شان قدرت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے۔ اولم یروا ان اللہ الذی خلق السماوات والارض ولم یعی بخلقھن بقادرٍ علی ان یحیی الموتی ٥ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے۔ (سورۂ احقاف آیت ۳۳)

مذکورہ آیات سے یہ بات بڑی مبرہن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم محسوس کو ایک حساب کے تحت بنایا ہے اور اگر وہ اپنی مخلوق کو دوبارہ لوٹانا چاہے تو وہ اس بات پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اسی نے مادہ کو پیدا کیا ہے اور اسی نے طبعی قوانین بنائے ہیں جن کی وجہ سے ان کی حرکت میں ہم آہنگی اور یکسانی پائی جاتی ہے۔

قرآن مجید میں کئی جگہ تخلیق کائنات کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً
۱۔ اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقناھما وجعلنا من الماء کل شیء حی ○ کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین باہم جڑے ہوئے تھے تو ہم نے ان کو جدا جدا کر دیا اور ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ پھر بھی یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ (سورۃ انبیاء آیت ۳۰)
حسب ذیل آیت میں زمین اور آسمان کی تخلیق کے بعد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
۲۔ ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین
اس کے بعد وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو بالکل دھواں تھا۔ اُسے اور زمین کو حکم دیا کہ خوشی سے یا ناخوشی سے ہماری طرف آؤ۔ دونوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔ (سورۃ حم السجدہ آیت ۱)
اس آیت سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ
۱۔ تخلیق کائنات میں ایک ہی مادہ کارفرما تھا۔
۲۔ پوری کائنات پہلے مکمل جڑی ہوئی تھی۔
۳۔ ایک ہی ٹکڑے کے مختلف حصے بنائے گئے۔ پھر ایک منظم اور طبیعی قانون کے تحت انہیں جدا کیا گیا اور ایک ہی ٹکڑے سے جدا ہونے والے حصے اپنے بڑے ٹکڑے کے گرد گردش کرنے لگے۔ ہمارے نظام شمسی کی طرح اس کائنات میں کئی نظام شمسی موجود ہیں اور ہر سورج کے گرد اس کے سیارے گردش کر رہے ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نہایت قیمتی نکات بتائے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ابتدا میں آسمان ایک ہی ٹکڑے کی شکل میں تھا۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اسے سات آسمانوں میں تقسیم کیا اور زمین بھی ایک ٹکڑے کی شکل میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ٹکڑے کو سات ٹکڑوں میں تقسیم کیا۔ جبکہ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین ابتدا میں جڑے ہوئے تھے اور خلا کی خلاف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کیا

Dr Maurice Bucaille ☆ نے گہرے مشاہدے اور مطالعے کے بعد اس نظریے کو قبول کیا ہے جو مسلمان علماء نے تخلیق کائنات کے ضمن میں قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر بوکائل کا کہنا ہے کہ قرآنی آیات سائنسی مشاہدے اور تحقیق کے عین مطابق ہیں کیونکہ پہلے تمام کائنات ایک ہی جسم تھا۔ بعد اس دھماکے کی وجہ سے ایک ٹکڑے سے مختلف ٹکڑے وجود میں آئے جسے قرآن مجید نے لفظ فتق سے تعبیر کیا ہے۔

Big Bang Theory بھی اس حقیقت کی تصدیق کرتی ہے کہ کائنات کے مختلف ٹکڑے حرارت کی وجہ سے پیدا ہونے والے دھماکے سے وجود میں آئے ہیں اور اس سے پہلے تمام کائنات ایک ہی جسم کی شکل میں تھی لیکن فزکس کے قوانین اس دھماکے کے نتیجے میں وجود میں نہیں آئے۔

☆ دعائے جوشن کبیر میں جہاں یا من خلق الاشیاء من العدم آیا ہے وہیں فتق کو یا فاتق (یعنی جدا کرنے والا) کہا گیا ہے

☆ مشہور کتاب The Bible , The Quran and Science کا فرانسیسی مصنف اور ماہر کا اسکالر۔

موجودہ دور کے اس مقبول عام نظریے کو دیکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ برسہا برس کی محنت و جستجو کے بعد سائنسدان جس نتیجے پر پہنچے ہیں قرآن مجید نے ان سائنسی حقائق کو آج سے چودہ سو سال قبل بیان کردیا تھا جبکہ اس وقت ان بحثوں کا کوئی رواج تک نہیں تھا۔ آج سائنسدان جس تھیوری کو بیسویں صدی کا عظیم انکشاف سمجھ رہے ہیں لیکن قرآن حکیم نے چودہ سو سال پہلے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ سے کیا تھا۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ○ اور آسمان کو ہم نے اپنے دست قدرت سے بنایا اور ہم ہی اسے توسیع دینے والے ہیں۔ (سورۂ ذاریات، آیت ۴۷)

قدیم علماء نے آسمان کی وسعت سے بارش اور رزق کا نزول مراد لیا تھا لیکن آج یہ بات طے ہوچکی ہے کہ فضا میں مسلسل توسیع ہو رہی ہے اور آج تک اس میں کئی گنا وسعت کا انکشاف ہوچکا ہے۔

جب ہم جدید ترین فلکی آلات سے کائنات کی وسعت پذیری کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ چیز دکھائی دیتی ہے کہ سورج میں موجود ہیڈروجن انتہائی درجہ حرارت کی وجہ سے ہر وقت ہیلیم میں تبدیل ہو رہی ہے۔ کہکشانی غبار Stardust بھی دراصل ستاروں کا عظیم مجموعہ ہے جو فاصلے کی وجہ سے ہمیں غبار دکھائی دیتا ہے۔

بہرطور یہ کائنات ایک عظیم الشان قوت کے ذریعے سے وجود میں آئی ہے اور اس میں مسلسل توسیع جاری ہے اور یہ تمام نتائج اس مفروضے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جس میں یہ کہا گیا ہے کہ Red Shift یعنی سرخ تبدیلی Dopler Effect کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

کائنات کی وسعت کو سمجھنے کے لئے لفظ عالمین سے کافی مدد مل سکتی ہے اور یہ لفظ قرآن مجید میں چھتیس (۳۶) بار استعمال ہوا ہے جن میں سے چند مقامات حسب ذیل ہیں

۱۔ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ○ (سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۱)

۲۔ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ (سورۂ انعام آیت ۱۶۲)

۳۔ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ○ (سورۂ اعراف آیت ۵۴)

۴۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ (سورۂ انبیاء آیت ۱۰۷)

۵۔ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ○ (سورۂ قصص آیت ۳۰)

۶۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ (سورۂ فاتحہ آیت ۲)

درج بالا آیات ہمیں یہ پیغام دیتی ہیں کہ کائنات کا مالک، محافظ اور اس کو وسعت دینے والا اللہ ہے اور لفظ عالمین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کے علاوہ اور بھی بہت سے عالم موجود ہیں۔

اس فضائے بسیط میں کئی بلین ستاروں کے مجموعے موجود ہیں اور ہر مجموعے میں کئی بلین ستارے اور سیارے موجود ہیں اور ہماری کہکشاں جیسی لاتعداد کہکشائیں موجود ہیں۔

ڈاکٹر موریس بوکائل نے کائنات کی وسعت و ضخامت پر بحث علمی گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ سورج کی روشنی کو چاند تک پہنچنے کے لئے چھ گھنٹے لگتے ہیں جبکہ روشنی کی رفتار ۱۸۶،۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہے۔ کائنات اتنا وسیع ہے کہ یہاں بعض ستاروں کی روشنی کو زمین تک پہنچنے کے لئے کئی کروڑ سال لگتے ہیں۔

جب ہم کائنات کی وسعت پذیری کو دیکھتے ہیں تو بے ساختہ والسماء بنیناها بأید وانا لموسعون کی صداقت نگاہوں میں ابھر جاتی ہے اور جب ہم جدید سائنس کا یہ انکشاف پڑھتے ہیں کہ پہلے کل کائنات گیس کی شکل میں تھی تو ہمارا ذہن ثم استوی الی السماء وھی دخان کی صداقت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

مادہ اپنے ابتدائی دور میں گیس کی شکل میں تھا اور آج بھی ستاروں کے گرد دکھائی دینے والے دھندلے حلقے Nebula کی اس کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور جب ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں کہ وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بھم وجعلنا فیھا فجاجا سبلا لعلھم یھتدون ○ (سورۂ انبیاء آیت ۳۱) اور ثم استوی الی السماء وھی دخان تو قرآنی ترتیب کے مطابق ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ابتداء میں مادہ گیس کی شکل میں تھا اور جب ان گیسوں نے جمع ہو کر ٹھوس صورت اختیار کی تو ایک دھماکہ ہوا جس سے مختلف اجرام فلکی وجود میں آ گئے

امید ہے کہ سائنس جس قدر ترقی کرے گی قرآن مجید کے حقائق اور زیادہ روشن ہو کر سامنے آئیں گے اور یوں قرآن مجید کی صداقت اور حقانیت سے ایک عالم کو آشنائی نصیب ہوگی۔

(ضمیمہ نمبر ۳)

کتاب مقدس

یعنی

پرانا اور نیا عہد نامہ

بائبل سوسائٹی
انارکلی - لاہور

۱۱ اور ایسا ہوا کہ دوسرے سال جس وقت بادشاہ جنگ
کے لئے نکلتے ہیں داؤد نے یوآب اور اُس کے ساتھ اپنے
خادموں اور سب اسرائیلیوں کو بھیجا اور اُنہوں نے
بنی عمون کو قتل کیا اور ربہ کو جا گھیرا۔ پر داؤد یروشلیم
ہی میں رہا۔
۲ اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اُٹھ کر
بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے
اُس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ
۳ عورت نہایت خوبصورت تھی۔ تب داؤد نے لوگ
بھیج کر اُس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا
وہ اِلیعام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حِتّی اوریاہ کی بیوی
۴ ہے؟ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اُسے بلا لیا۔ وہ اُس کے
پاس آئی اور اُس نے اُس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی
۵ ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی) پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی۔ اور
وہ عورت حاملہ ہو گئی۔ سو اُس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی
۶ کہ میں حاملہ ہوں۔ اور داؤد نے یوآب کو کہلا بھیجا کہ حِتّی
اوریاہ کو میرے پاس بھیج دے۔ سو یوآب نے اوریاہ
۷ کو داؤد کے پاس بھیج دیا۔ اور جب اوریاہ آیا تو داؤد
نے پوچھا کہ یوآب کیسا ہے اور لوگوں کا کیا حال ہے اور
۸ جنگ کیسی ہو رہی ہے؟ پھر داؤد نے اوریاہ سے
کہا کہ اپنے گھر جا اور اپنے پاؤں دھو۔ اور اوریاہ بادشاہ
کے محل سے نکلا اور بادشاہ کی طرف سے اُس کے پیچھے پیچھے
۹ ایک خوان بھیجا گیا۔ پر اوریاہ بادشاہ کے گھر کے آستانہ
پر اپنے مالک کے اور سب خادموں کے ساتھ سویا اور
اپنے گھر نہ گیا۔ اور جب اُنہوں نے داؤد کو بتایا کہ
اوریاہ اپنے گھر نہیں گیا تو داؤد نے اوریاہ سے کہا کیا
۱۱ تُو سفر سے نہیں آیا؟ پس تُو اپنے گھر کیوں نہ گیا؟ اوریاہ
نے داؤد سے کہا کہ صندوق اور اسرائیل اور یہوداہ جھونپڑیوں
میں رہتے ہیں اور میرا مالک یوآب اور میرے مالک کے
خادم کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں تو کیا
میں اپنے گھر جاؤں اور کھاؤں پیوں اور اپنی بیوی کے
ساتھ سوؤں؟ تیری حیات اور تیری جان کی قسم مجھ
۱۲ سے یہ بات نہ ہوگی۔ پھر داؤد نے اوریاہ سے کہا کہ آج
بھی تُو یہیں رہ جا۔ کل میں تجھے روانہ کر دوں گا۔ سو اوریاہ
۱۳ اُس دن اور دوسرے دن بھی یروشلیم میں رہا۔ اور جب
داؤد نے اُسے بلایا تو اُس نے اُس کے حضور کھایا پیا اور
اُس نے اُسے پلا کر متوالا کیا اور شام کو وہ باہر جا کر اپنے
مالک کے اور خادموں کے ساتھ اپنے بستر پر سو رہا پر
۱۴ اپنے گھر کو نہ گیا۔ صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک
۱۵ خط لکھا اور اُسے اوریاہ کے ہاتھ بھیجا۔ اور اُس نے خط
میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا
اور تم اُس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور

۱۶ جاں بحق ہو۔ اور یوں ہُوا کہ جب یوآب نے اُس شہر کا
ملاحظہ کر لیا تو اُس نے اُوریاہ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ
۱۷ جانتا تھا کہ بہادر مرد ہیں۔ اور اُس شہر کے لوگ نکلے
اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں
سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتی اوریاہ بھی مر
۱۸ گیا۔ تب یوآب نے آدمی بھیج کر جنگ کا سب حال
۱۹ داؤد کو بتایا۔ اور اُس نے قاصد کو تاکید کر دی کہ جب
۲۰ تو بادشاہ سے جنگ کا سب حال عرض کر چکے۔ تب
اگر ایسا ہو کہ بادشاہ کو غصہ آجائے اور وہ تجھ سے کہنے
لگے کہ تم لڑنے کو شہر کے ایسے نزدیک کیوں چلے گئے؟
کیا تم نہیں جانتے تھے کہ وہ دیوار پر سے تیر ماریں گے؟
۲۱ یروبست کے بیٹے ابی ملک کو کس نے مارا؟ کیا ایک عورت
نے چکی کا پاٹ دیوار پر سے اُس پر نہیں پھینکا
کہ وہ تیبض میں مر گیا؟ سو تم شہر کی دیوار کے نزدیک
کیوں گئے؟ تو پھر تو کہنا کہ تیرا خادم حتی اوریاہ بھی
۲۲ مر گیا ہے۔ سو وہ قاصد چلا اور آکر جس کام کے لئے یوآب
۲۳ نے اُسے بھیجا تھا وہ سب داؤد کو بتایا۔ اور اُس قاصد
نے داؤد سے کہا کہ وہ لوگ ہم پر غالب ہوئے اور نکل کر
میدان میں ہمارے پاس آگئے۔ پھر ہم اُن کو رگیدتے
۲۴ ہوئے پھاٹک کے مدخل تک چلے گئے۔ تب تیر اندازوں
نے دیوار پر سے تیرے خادموں پر تیر چھوڑے سو
بادشاہ کے تھوڑے سے خادم بھی مرے اور تیرا خادم
[redacted] حتی اوریاہ بھی مر گیا۔ تب داؤد نے قاصد سے کہا کہ
تو یوآب سے یوں کہنا کہ تجھے اِس بات سے ناخوشی نہ
ہو اس لئے کہ تلوار جیسا ایک کو اُڑاتی ہے ویسا ہی دوسرے
کو۔ سو تو شہر سے اور سخت جنگ کر کے اُسے ڈھا دے
اور تو اُسے دم دلاسا دینا۔
۲۶ جب اوریاہ کی بیوی نے سنا کہ اُس کا شوہر اوریاہ
۲۷ مر گیا تو وہ اپنے شوہر کے لئے ماتم کرنے لگی۔ اور جب
سوگ کے دن گزر گئے تو داؤد نے اُسے بلوا کر اُس کو
اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اُس کی بیوی ہو گئی اور اُس
سے اُس کے ایک لڑکا ہوا پر اُس کام سے جسے داؤد
نے کیا تھا خداوند ناراض ہوا۔

۱۲ اور خداوند نے ناتن کو داؤد کے پاس بھیجا۔ اُس نے
۱ اُس کے پاس آکر اُس سے کہا کسی شہر میں دو شخص تھے
ایک امیر دوسرا غریب۔ اُس امیر کے پاس بہت سے
ریوڑ اور گلے تھے۔ پر اُس غریب کے پاس بھیڑ کی ایک
پٹھیا کے سوا کچھ نہ تھا جسے اُس نے خرید کر پالا تھا اور
وہ اُس کے اور اُس کے بال بچوں کے ساتھ بڑھی تھی۔
اُسی کے نوالہ میں سے کھاتی اور اُس کے پیالہ سے پیتی اور
اُس کی گود میں سوتی تھی اور اُس کے لئے بطور بیٹی کے تھی۔
۴ اور اُس امیر کے ہاں کوئی مسافر آیا۔ سو اُس نے اُس
مسافر کے لئے جو اُس کے ہاں آیا تھا پکانے کو اپنے ریوڑ
و گلہ میں سے کچھ نہ لیا بلکہ اُس غریب کی بھیڑ لے لی اور
۵ اُس شخص کے لئے جو اُس کے ہاں آیا تھا پکائی۔ تب داؤد
کا غضب اُس شخص پر بشدت بھڑکا اور اُس نے ناتن
سے کہا کہ خداوند کی حیات کی قسم کہ وہ شخص جس نے یہ کام
۶ کیا واجب القتل ہے۔ سو اُس شخص کو اُس بھیڑ کا چوگنا
بھرنا پڑیگا کیونکہ اُس نے ایسا کام کیا اور اُسے ترس
نہ آیا۔
۷ تب ناتن نے داؤد سے کہا کہ وہ شخص تو ہی ہے۔
خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میں نے تجھے
مسح کر کے اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور میں نے تجھے
۸ ساؤل کے ہاتھ سے چھڑایا۔ اور میں نے تیرے آقا کا
گھر تجھے دیا اور تیرے آقا کی بیویاں تیری گود میں کر دیں
اور اسرائیل اور یہوداہ کا گھرانا تجھ کو دیا اور اگر یہ
سب کچھ تھوڑا تھا تو میں تجھ کو اور چیزیں بھی دیتا۔
۹ سو تو نے کیوں خداوند کی بات کی تحقیر کر کے اُس کے حضور
بدی کی؟ تو نے حتی اوریاہ کو تلوار سے مارا اور اُس کی بیوی
لے لی تاکہ وہ تیری بیوی بنے اور اُس کو بنی عمون کی
۱۰ تلوار سے قتل کروایا۔ سو اب تیرے گھر سے تلوار کبھی
الگ نہ ہوگی کیونکہ تو نے مجھے حقیر جانا اور حتی اوریاہ کی
بیوی لے لی تاکہ وہ تیری بیوی ہو۔ سو خداوند یوں
فرماتا ہے کہ دیکھ میں شر کو تیرے ہی گھر سے تیرے
خلاف اُٹھاؤنگا اور میں تیری بیویوں کو لیکر تیری آنکھوں
کے سامنے تیرے ہمسایہ کو دونگا اور وہ دن دہاڑے

٢ سموئیل

١٢ تیری بیویوں سے صحبت کرے گا۔ کیونکہ تو نے تو چھپ کر
یہ کیا پر میں سارے اسرائیل کے روبرو دن دہاڑے
١٣ یہ کروں گا۔ تب داؤد نے ناتن سے کہا میں نے خداوند
کا گناہ کیا۔ ناتن نے داؤد سے کہا کہ خداوند نے بھی تیرا
١٤ گناہ بخشا۔ تو مرے گا نہیں۔ تو بھی چونکہ تو نے اس کام
سے خداوند کے دشمنوں کو کفر بکنے کا بڑا موقع دیا ہے
١٥ اس لئے وہ لڑکا بھی جو تجھ سے پیدا ہوگا مر جائے گا۔ پھر
ناتن اپنے گھر چلا گیا اور خداوند نے اس بچہ کو جو
اوریاہ کی بیوی کے داؤد سے پیدا ہوا تھا مارا اور وہ بہت بیمار
١٦ ہو گیا۔ سو داؤد نے اس لڑکے کی خاطر خدا سے منت
کی اور داؤد نے روزہ رکھا اور اندر جا کر ساری رات زمین
١٧ پر پڑا رہا۔ اور اس کے گھر کے بزرگ اٹھ کر اس کے پاس
آئے تاکہ اسے زمین پر سے اٹھائیں پر وہ نہ اٹھا اور نہ اس
١٨ نے ان کے ساتھ روٹی کھائی۔ اور ساتویں دن وہ لڑکا مر گیا
اور داؤد کے ملازم اسے ڈر کے مارے یہ نہ بتا سکے کہ
لڑکا مر گیا کیونکہ انہوں نے کہا کہ جب وہ لڑکا ہنوز زندہ
تھا اور ہم نے اس سے گفتگو کی تو اس نے ہماری بات
نہ مانی۔ پس اگر ہم اسے بتائیں کہ لڑکا مر گیا تو وہ بہت ہی
١٩ کڑھے گا۔ پر جب داؤد نے اپنے ملازموں کو آپس میں
پھسپھساتے دیکھا تو داؤد سمجھ گیا کہ لڑکا مر گیا۔ سو داؤد
نے اپنے ملازموں سے پوچھا کیا لڑکا مر گیا؟ انہوں نے
٢٠ جواب دیا مر گیا۔ تب داؤد زمین پر سے اٹھا اور غسل
کر کے اس نے تیل لگایا اور پوشاک بدلی اور خداوند
کے گھر میں جا کر سجدہ کیا۔ پھر وہ اپنے گھر آیا اور اس کے
حکم دینے پر انہوں نے اس کے آگے روٹی رکھی اور اس نے
٢١ کھائی۔ تب اس کے ملازموں نے اس سے کہا یہ کیا
کام ہے جو تو نے کیا؟ جب وہ لڑکا جیتا تھا تو تو نے
اس کے لئے روزہ رکھا اور روتا رہا اور جب وہ لڑکا
٢٢ مر گیا تو تو نے اٹھ کر روٹی کھائی۔ اس نے کہا کہ جب
تک وہ لڑکا زندہ تھا میں نے روزہ رکھا اور میں روتا
رہا کیونکہ میں نے سوچا کیا جانے خداوند کو مجھ پر رحم
٢٣ آ جائے کہ وہ لڑکا جیتا رہے۔ پر اب تو وہ مر گیا۔ پس
میں کس لئے روزہ رکھوں؟ کیا میں اسے لوٹا لا سکتا ہوں؟
میں تو اس کے پاس جاؤں گا پر وہ میرے پاس نہیں لوٹنے کا۔
٢٤ پھر داؤد نے اپنی بیوی بت سبع کو تسلی دی اور اس کے
پاس گیا اور اس سے صحبت کی اور اس کے ایک بیٹا
ہوا اور داؤد نے اس کا نام سلیمان رکھا اور وہ خداوند کا
٢٥ پیارا ہوا۔ اور اس نے ناتن نبی کی معرفت پیغام بھیجا
سو اس نے اس کا نام خداوند کی خاطر یدیدیاہ رکھا۔
٢٦ اور یوآب نے بنی عمون کے ربہ سے لڑ کر اس
٢٧ دار السلطنت کو لے لیا۔ اور یوآب نے قاصدوں کی معرفت
داؤد کو کہلا بھیجا کہ میں ربہ سے لڑا اور میں نے پانیوں
٢٨ کے شہر کو لے لیا۔ پس اب تو باقی لوگوں کو جمع کر اور اس
شہر کے مقابل خیمہ زن ہو اور اسے فتح کر تا ایسا نہ ہو
کہ میں اس شہر کو سر کروں اور وہ میرے نام سے کہلائے۔
٢٩ تب داؤد نے سب لوگوں کو جمع کیا اور ربہ کو گیا اور اس
٣٠ سے لڑا اور اسے لے لیا۔ اور اس نے ان کے بادشاہ کا
تاج اس کے سر پر سے اتار لیا۔ اس کا وزن ایک قنطار سونے کا
تھا اور اس میں جواہر جڑے ہوئے تھے۔ سو وہ
داؤد کے سر پر رکھا گیا اور وہ اس شہر سے لوٹ کا بہت
٣١ سا مال نکال لایا۔ اور اس نے ان لوگوں کو جو اس میں
تھے باہر نکال کر ان کو آروں اور لوہے کے ہینگوں اور
لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کر دیا اور ان کو اینٹوں کے
پزاوہ میں سے چلوایا اور اس نے بنی عمون کے سب
شہروں سے ایسا ہی کیا۔ پھر داؤد اور سب لوگ یروشلیم
کو لوٹ آئے۔

☆ بائبل کے مقابلے میں قرآن کی حقانیت پر مبلغ اسلام مرحوم احمد دیدات کی کتابیں اور تقریریں مشہور ہیں۔ اسی طرح قرآن اور بائبل پر مبلغ اسلام ڈاکٹر ذاکر نائیک کے مناظرے خاص کر شمالی امریکہ میں ڈاکٹر کیمبل کے ساتھ ہونے والے لاجواب مناظرہ میں جس کی ویڈیو کیسٹ اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن بمبئی نے جاری کی ہے قرآن کی حقانیت ثابت کی گئی ہے۔

(ضمیمہ نمبر۴)

اسلامی افکار میں فکر اہلبیتؑ کی پختگی

مسلمان ہمیشہ سے اسلامی عقائد کی گفتگو وجستجو کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اس جستجو میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عقائدی اختلاف پیدا ہوا اور کئی فرقے پیدا ہوگئے لیکن سب فرقے اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اسلام کا سرچشمہ قرآن اور حدیث ہے۔ دین کے سرچشمے میں متحد ہونے کے باوجود اس اختلاف کی کئی وجوہات ہیں جن میں حسب ذیل اسباب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

(۱) بحث واجتہاد کے طریقۂ کار میں اختلاف

(۲) بدعات اور غلط تاویلات

(۳) جہالت اور نصوص سے عدم واقفیت

(۴) قبائلی اختلافات اور سیاسی خواہشات

(۵) مسلمان ہونے والے علمائے یہود و نصاریٰ کا جھوٹی روایات گھڑ کر اسلام میں تخریب کاری کرنا۔

اس مقالے میں ہم مختلف اسلامی افکار کے مقابلے میں فکر اہلبیتؑ کو پیش کریں گے تاکہ آپ دیکھ سکیں کہ دوسرے چراغوں کے مقابلے میں "چراغ اہلبیتؑ" کس قدر روشن ہے۔

اعتقادی اختلافات کی تاریخ اور بنیاد

ہمیں یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ رسول کریمؐ کی حیات طیبہ میں ہی کچھ فکری اور اعتقادی اختلافات نے سر اٹھایا تھا لیکن وہ اختلاف اس حد تک نہیں پہنچا تھا کہ وہ مذہب کی شکل اختیار کرتا کیونکہ آنحضرتؐ موجود تھے اور آپ اس طرح کے اختلاف کا بروقت تدارک کرتے تھے اور اسے پھیلنے نہیں دیتے تھے۔ آپ کی مدبرانہ قیادت کی وجہ سے مسلمان معاشرہ ایسی محبت واخوت کا ایک گہوارا بن گیا تھا جس کی مثال تاریخ میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ ہی میں صحابہ کی اولاد میں مسئلہ تقدیر پر اختلاف پیدا ہوا تھا

جناب شیخ عباس علی براتی کا یہ مقالہ رسالہ "التقلین" تہران کے شکریے کے ساتھ افادہ عام کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔ ناشر

ور یہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ باقاعدہ بحثیں ہوتی تھیں۔ جب رسول اکرمؐ نے ان کی صدائیں سنیں تو گھر سے باہر تشریف لائے اور انہیں اس سے منع کیا۔ کتب حدیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے جیسا کہ احمد بن حنبل نے عمرو ابن شعیب سے، اس نے اپنے والد سے اور اس نے اپنے والد سے روایت کی کہ ایک دن رسول اکرمؐ گھر سے باہر تشریف لائے تو لوگ (مسجد میں) تقدیر کے موضوع پر بحث کر رہے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ ان کی گفتگو سن کر آپ کا چہرہ انار کے دانوں کی طرح سے سرخ ہوگیا اور آپ نے ان سے کہا کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے بعض آیات کو بعض پر مار رہے ہو۔ تم سے پہلی امتیں بھی اسی وجہ سے ہلاک ہوئی تھیں۔[1]

قرآن و حدیث میں اصول عقائد کی بنیادوں کا تذکرہ موجود ہے لیکن رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد کچھ ایسے سوال منظر عام پر آئے جن کا قرآن و حدیث میں واضح جواب موجود نہیں تھا چنانچہ استنباط و اجتہاد کی ضرورت محسوس کی گئی اور عقیدہ و شریعت میں اجتہاد کا حق فقہاء و مجتہدین کے سپرد کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بعض اعتقادی مسائل میں صحابہ کے مابین اختلاف دکھائی دیتا ہے۔

رسول اکرمؐ کی زندگی میں اختلاف اور آپ کی وفات کے بعد کے اختلاف میں بڑا فرق تھا۔ آپ کی زندگی میں اگر کہیں اختلاف پیدا ہوتا تھا تو آپ اس کا فیصلہ کرکے اسے ختم کر دیتے تھے[2] لیکن آپ کی وفات کے بعد وہ حالت قائم نہ رہی۔ حکمران کسی صحابی یا چند صحابہ کے اجتہاد کی سرپرستی کرتے تھے لہٰذا اختلاف ختم نہیں ہوتا تھا کیونکہ کئی صحابہ کے نظریات ان اصحاب کے نظریات سے ہم آہنگ نہیں تھے۔ بطور مثال حسب ذیل دو معاملات کو ہی دیکھیں۔

(۱) رسول اکرمؐ کی جانشینی اور امامت کبریٰ کا مسئلہ۔[3]

(۲) مانعین زکوٰۃ کو قتل کرنے اور مرتد قرار دینے کا مسئلہ۔

الغرض اس طرح کے مسائل مختلف کلامی اور اعتقادی مذاہب کے فروغ کا ذریعہ بنے ہیں چنانچہ ان مذاہب کے استدلال اور استنباط کے لئے جن نظریات نے جنم دیا وہ یہ ہیں

(۱) محض نقلی استدلال (۲) محض عقلی استدلال (۳) ذوقی و اشراقی استدلال

(۴) حسی اور تجرباتی استدلال (۵) فطری استدلال

۱۔ مسند احمد بن حنبل ج ۲، ص ۱۷۸۔۱۹۶۔

۲۔ سیرت ابن ہشام ج ، ص ۳۳۱۔۳۳۲۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ج ۱، ص ۷۔

۳۔ اشعری کی مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین ج ۱، ص ۳۳۔۳۹۔ ابن حزم کی الفصل فی الملل والاہواء والنحل ج ۴ ص ۔ احمد امین مصری کی کتاب فجر الاسلام۔

(١) محض نقلی استدلال

احمد بن حنبل اپنے دور میں اس طرز فکر کے امام تھے اور آج اہلحدیث اس طرز فکر کی نمائندگی کر رہے ہیں جو اپنی ذمہ داری صرف یہی قرار دیتے ہیں کہ روایت کی میراث کی حفاظت کریں۔ انہیں روایات کے مطالب کی گہرائی سے اور صحیح وسقیم کی پہچان سے کوئی غرض نہیں ہے۔ فی زمانہ اس طرز فکر کے حامل سلفی کہلاتے ہیں۔ حنبلی اپنی فقہ میں بھی اسی طرز فکر کے قائل ہیں۔ ان کی نظر میں دینی مسائل پر غور وفکر کرنا حرام ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت اور ان میں بحث کرنا بدعت پسندی کا درجہ رکھتی ہے۔ انہوں نے درس حدیث کو بے حد ضروری لیکن غور وفکر کو حرام قرار دیا ہے۔ وہ اسے "اتباع" اور اس کے سوا ہر طرز فکر کو "بدعت پسندی" کہتے ہیں۔ ان کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ اعتقادی مسائل کے باب میں جو احادیث آئی ہیں ان کی تدوین و تبویب کریں اور اگر ہو سکے تو لفظی تشریح اور روایات کی اسناد بیان کریں۔ چنانچہ بخاری، احمد بن حنبل، ابن خزیمہ، بیہقی اور ابن بطہ کی کتابوں میں یہی انداز کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ ان لوگوں کی شدت پسندی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اعتقادی مسائل میں علم کلام اور عقلی سوچ کو حرام قرار دیا ہے یہاں تک کہ ابن قدامہ نے رسالۃ تحریم النظر فی علم الکلام بھی لکھی ہے۔

امام احمد بن حنبل کہا کرتے تھے کہ علم کلام کا حامل شخص کبھی نجات نہیں پائے گا اور جو شخص علم کلام کا شائق ہوگا اس کے دل میں منافقت ضرور ہوگی۔ انہوں نے علم کلام کی پرزور مذمت کی ہے اور ان کی شدت پسندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے حارث محاسبی سے قطع تعلق کر لیا تھا حالانکہ حارث ایک زاہد اور پرہیزگار آدمی تھا۔ اس قطع تعلق کی وجہ یہ تھی کہ حارث نے اہل بدعت کے خلاف ایک کتاب لکھی تھی جس پر تنقید کرتے ہوئے احمد بن حنبل نے کہا تھا کہ "تم پر افسوس ہے کہ تم نے اپنی کتاب میں پہلے اہل بدعت کا تذکرہ کیا ہے اور پھر ان کی تردید کی ہے۔ اس طرح تم نے درحقیقت لوگوں کو اہل بدعت کے نظریات پڑھنے اور ان میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے جس سے لوگ رائے اور بحث کی طرف مائل ہوں گے۔"

امام حنبل اتنے شدت پسند تھے کہ کہا کرتے تھے "علمائے متکلمین بے دین ہیں۔"

امام شافعی کی رائے بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ زعفرانی کا بیان ہے کہ امام شافعی کا فیصلہ تھا

"متکلمین کو کوڑے مارے جائیں اور پھر قبائل میں پھرایا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر علم کلام میں داخل ہونے والوں کی یہی سزا ہے۔"

سلفی شروع ہی سے اس نظریے کے قائل رہے ہیں۔ وہ ہمیشہ اس بات کے مدعی رہے ہیں کہ صحابہ باقی لوگوں کی بہ نسبت حقائق کو بہتر طور پر جانتے تھے اور دوسروں کی بہ نسبت الفاظ کی ترتیب سے بھی زیادہ آشنا

تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے بہت سے مسائل میں سکوت کیا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان مسائل سے بدامنی پھیل جائے گی اور رسول اکرمؐ نے بھی فرمایا تھا هلک المتنطعون، هلک المتنطعون، هلک المتنطعون یعنی زیادہ بحث مباحثہ کرنے والے ہلاک ہوئے، زیادہ بحث مباحثہ کرنے والے ہلاک ہوئے، زیادہ بحث مباحثہ کرنے والے ہلاک ہوئے۔[۱]

سلفی خدا کے متعلق تجسیم و تشبیہ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ یہ لوگ تقدیر کا یہ معنی کرتے تھے کہ انسان کسی بھی طور سے آزاد نہیں ہے۔ وہ ہر لحاظ سے مجبور محض ہے۔[۲] اس گروہ نے عقیدے میں تقلید کو جائز اور غور و فکر کو حرام قرار دیا۔ ڈاکٹر احمد محمود صبحی رقم طراز ہیں کہ عقیدے میں تقلید نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی جائز جبکہ عبیداللہ بن حسن عنبری، حشویہ اور تعلیمیہ[۳] نے نیز رازی[۴] نے المحصل میں اس کی مخالفت کی ہے جبکہ جمہور علماء کا نظریہ ہے کہ عقیدے میں تقلید جائز نہیں ہے۔

شرح ترتیب میں استاد ابواسحاق لکھتے ہیں کہ علمائے حق کا اس امر پر اجماع ہے کہ عقیدے میں تقلید جائز نہیں ہے۔ امام الحرمین نے اپنی کتاب الشامل میں لکھا ہے کہ حنابلہ کے علاوہ اصول دین میں تقلید کا کوئی بھی قائل نہیں ہے لیکن امام شوکانی نے اس اجماع سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ عقائد کو دلیل و برہان سے جاننا تکلیف ما لا یطاق ہے اور ہر شخص اس کی اہلیت اور طاقت نہیں رکھتا۔ بعد میں شوکانی نے ان علماء کے قول کی تردید کی جو اصول دین میں تقلید کے قائل نہیں ہیں۔ ہمیں شوکانی کے اس مقالے پر شدید تعجب ہے۔ شوکانی کہتے ہیں کہ اصول دین کو دلیل و برہان سے ماننا اس امت پر ظلم کے مترادف ہے۔ یہ ایسی تکلیف ہے جو ان کی اہلیت و طاقت سے زیادہ ہے۔ بہت سے صحابہ چونکہ درجۂ اجتہاد پر فائز نہیں تھے اس لئے انہوں نے اصول دین میں بھی تقلید کی تھی۔ امت کے افراد کی اکثریت کے لئے اصول عقائد میں غور و فکر کرنا حرام ہے اور یہ جہالت و ضلالت کا پیش خیمہ ہے۔[۵]

یہ طرز فکر رکھنے والے علم منطق کا پڑھنا پڑھانا حرام جانتے ہیں اور اسے معرفت بشر تک پہنچنے کا وسیلہ تسلیم نہیں کرتے جبکہ علم منطق دلیل و برہان کا علم ہے اور اس میں دلائل کی تنظیم کا طریقہ بیان کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر عبد الحلیم محمود کی کتاب التوحید الخالص او الاسلام والعقل ص ۳۰۔

۲۔ صابونی ابو عثمان اسماعیل کی کتاب رسالۃ عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث۔(فی الرسائل المنیرۃ)

۳۔ آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام ج ۳، ص ۳۰۰۔

۴۔ شوکانی، ارشاد الفحول ص ۲۶۶۔۲۶۷۔

۵۔ امام الجوینی، الارشاد الی قواطع الادلۃ ص ۲۵۔ امام غزالی، الجام العوام عن علم الکلام ص ۶۶۔۶۷ اور ڈاکٹر احمد محمود صبحی، علم الکلام ج ۱۔

اس علم کے بنیادی اصول ارسطو نے اپنی کتاب الارغانون میں بیان کئے تھے اور انھیں "میزان" کا نام دیا تھا۔

روایات پرست گروہ علم منطق کی ناکامی کے لئے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ کندی، فارابی، ابن سینا، غزالی، ابن باجہ، ابن طفیل اور ابن رشد عالم اسلام کے مشہور مفکر اور علم منطق کے ماہر تھے۔ اگر علم منطق کسی صحیح نتیجے پر پہنچانے میں معاون ہوتا تو ان میں باہمی اختلاف نہ ہوتا جبکہ علم منطق سے آراستہ ہونے کے باوجود ان کے افکار و آراء میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس لئے منطق کو حق و باطل کی "میزان" قرار نہیں دیا جا سکتا۔

یہ گروہ اپنے ابتدائی ادوار میں اسی سوچ کا حامل رہا اور اس نے علم کلام اور علم منطق کی شدید مخالفت کی لیکن بعد کے ادوار میں اسے حالات سے مجبور ہو کر اپنے موقف سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ مثلاً جب ہم اس گروہ کے ایک سرخیل ابن تیمیہ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کے اندر علم کلام کے متعلق کافی لچک دکھائی دیتی ہے۔ وہ علم کلام کو مطلقاً حرام قرار نہیں دیتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ بوقت ضرورت علم کلام حلال ہو جاتا ہے چنانچہ ابن تیمیہ نے ملحدوں اور زنادقہ کے نظریات کی تردید کے لئے عقلی اور شرعی دلائل کا سہارا لیا۔[1]

ابن تیمیہ نے جہاں علم کلام سے مصالحت کر لی تھی وہاں اس نے نہ صرف علم منطق سے مخاصمت برقرار رکھی بلکہ اس کی رد میں ایک کتاب الرد علی المنطقیین بھی لکھی۔

ابن تیمیہ کے پیروکار کہتے ہیں کہ فرانسیسی فلسفی ڈیکارٹ (۱۵۹۶ء - ۱۶۵۰ء) نے ارسطو کی منطق کی طرح صحیح اور غلط کی پہچان کے لئے کچھ اصول و قواعد وضع کئے تھے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ جو آدمی اس کے اصول و قواعد کی مکمل پیروی کرے گا وہ فکری غلطی سے محفوظ رہے گا اور یقین کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ارسطو کی منطق کی طرح ڈیکارٹ کے اصول و قواعد بھی انسان کو فکری لغزشوں سے محفوظ نہ رکھ سکے اور انسان آج بھی اصابت فکر کے لئے ہزاروں برس قبل کے انسان کی طرح ترس رہا ہے۔[2]

بہت سے اسلامی مفکر عقلی طریقے کو ناپسند کرتے تھے چنانچہ امام غزالی نے تہافۃ الفلاسفہ لکھ کر فلاسفہ کی آراء کو دلائل سے رد کیا۔ غزالی کی کتاب کا لب لباب یہ ہے کہ عقل پر انحصار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جہاں عقل تعمیر کرتی ہے وہاں تخریب کا باعث بھی ثابت ہوتی ہے۔ امام غزالی یہ ثابت کرتے ہیں کہ الٰہیات اور اخلاقیات کے متعلق انسانی عقل زیادہ سے زیادہ تخمین پیدا کر سکتی ہے یقین نہیں۔

ابن رشد اندلسی (متوفی ۵۹۵ھ) نے غزالی کی رد میں تہافۃ التہافۃ لکھی جس میں غزالی کے نظریے کا ابطال کرتے ہوئے لکھا کہ عقل صریح اور نقل صحیح میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس نے اس مسئلے کی وضاحت

۱۔ ابن تیمیہ: مجموع الفتاوی ج ۳، ص ۳۰۶-۳۰۷۔

۲۔ ڈاکٹر عبدالحلیم محمود: التوحید الخالص ص ۵-۲۰۔

وضاحت اپنی کتاب فصل المقال فیما بین الحکمة والشریعة من الاتصال میں کی۔ اسے عادت کا جز کہیں یا حسن اتفاق کہ جو نظریہ ابن رشد نے پیش کیا تھا بعینہ وہی نظریہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب موافقة صریح المعقول لصحیح المنقول میں پیش کیا ہے۔

ہمیں تو ابن تیمیہ کے دو متضاد موقف اختیار کرنے پر تعجب ہے۔ بہرنوع اہلسنت میں سے اہلحدیث ہوں یا شیعوں میں سے اخباری[1] وہ آیات اور روایات کے ظاہری الفاظ کی پیروی کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو رائے اور قیاس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔[2]

آج کل سلفی اور اہلحدیث مذہب کو سعودی عرب (نجد) میں فروغ حاصل ہے۔ ان کی تھوڑی بہت جماعتیں (پاکستان)، عراق، شام اور مصر میں بھی موجود ہیں۔[3]

(۲) محض عقلی استدلال

معتزلی مذہب میں عقل کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس مکتب کے افراد تاریخ میں اصحاب الرائے (اور اصحاب التوحید والعدل) کہلاتے ہیں۔ اس مکتب کے بانی واصل بن عطا (۸۰ھ-۱۳۱ھ) اور عمرو بن عبید بصری (۸۰ھ-۱۴۴ھ) تھے۔ اس وقت منصور دوانقی کا دور خلافت تھا۔ واصل اور عمرو کے بعد اس مکتب کی آبیاری احمد بن ابی داؤد نے کی جو مامون الرشید کا وزیر تھا اور قاضی عبدالجبار بن احمد ہمدانی (متوفی ۴۱۵ھ) نے بھی معتزلی عقائد کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ فرقہ معتزلہ میں نظام، ابوالہذیل علاف، جاحظ اور جبائیوں کو بھی خصوصی مقام حاصل ہے۔ معتزلہ عقل کو خصوصی اہمیت دینے کے سبب معرفت خداوندی اور صفات خداوندی اور شریعت کی تفہیم کے لئے عقل پر بھروسا کرتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ عقل کے بغیر دین کا ادراک اور اس کی تطبیق ممکن نہیں ہے۔

اب معتزلہ معدوم ہو چکے ہیں اور فی زمانہ کہیں دکھائی نہیں دیتے البتہ زیدی اور اباضی مذہب میں معتزلی افکار کا پرتو دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں مذاہب بہت سے عقائد میں معتزلہ سے متاثر ہیں۔ معتزلہ چند مسائل میں شیعہ اثناعشری اور شیعہ اسماعیلی سے بھی متفق تھے۔ اہلحدیث معتزلہ کو "قدریہ" کہا کرتے تھے کیونکہ معتزلہ انسانی ارادے کی مکمل آزادی کے قائل تھے۔ ان کے عقائد کی اہم کتاب قاضی عبدالجبار کی

۱۔ شیخ مفید، اوائل المقالات۔

۲۔ سیوطی، صون المنطق والکلام عن علمی المنطق والکلام ص ۲۵۲۔ شوکانی، ارشاد الفحول ص ۲۰۲۔ علی سامی النشار، مناہج البحث عند مفکری الاسلام ص ۱۹۳۔ علی حسین الجابری، الفکر السلفی عند الاثنی عشریة ص ۵۴۔ ۲۰۲۔ ۳۲۹۔

۳۔ القاسمی، تاریخ الجهمیة والمعتزلة ص ۵۶۔

شرح الاصول الخمسہ ہے۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں رسائل العدل والتوحید کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے جو مشہور معتزلی علماء حسن بصری، قاسم الرسی اور عبد الجبار بن احمد کے تالیف کردہ ہیں۔

معتزلہ ایسی تمام آیات و احادیث کی تاویل کرتے تھے جو ان کے عقیدے کے خلاف ہوتی تھیں اس لئے وہ مکتب تاویل کے افراد شمار ہوتے تھے۔ معتزلہ نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ عباسی دور کی ابتداء میں یونانی فلسفے کے فروغ کی وجہ سے اسلام کے خلاف جو بلا خیز فکری طوفان آیا تھا معتزلہ نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ مامون اور معتصم جیسے جابر بادشاہ بھی معتزلہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لیکن متوکل کے عہد میں معتزلہ کا زوال شروع ہوا کیونکہ حکمران ان کے مخالف ہوگئے تھے اور اہلحدیث ان پر کفر، ضلالت اور فسق کے فتوے لگا رہے تھے چنانچہ آہستہ آہستہ یہ مکتب معدوم ہوتا چلا گیا۔ معتزلہ کو معصوم اور مظلوم کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے بھی اپنے زمانہ عروج میں اپنے مخالفین کو شدید اذیتوں کا نشانہ بنایا تھا۔ بعد ازاں جو کچھ ہوا اسے مکافات عمل کا نام دیا جاسکتا ہے مزید وضاحت کے لئے اس عنوان پر لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔[1]

معتزلہ مندرجہ ذیل پانچ اصول دین کے قائل تھے

۱۔ توحید یعنی اللہ مخلوقات کی صفات سے پاک ہے اور اسے ظاہری آنکھوں سے دیکھنا محال ہے۔

۲۔ عدل یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا اور وہ اپنی مخلوق کو معصیت پر مجبور نہیں کرتا۔

۳۔ المنزلۃ بین المنزلتین یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ تو مومن ہے اور نہ کافر ہے بلکہ وہ فاسق ہے۔

۴۔ وعد و وعید یعنی اللہ پر واجب ہے کہ مومنوں سے جنت اور کافروں سے دوزخ کا وعدہ پورا کرے

۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر جب ظالم حکام نصیحت سے باز نہ آئیں تو ان کی مخالفت واجب ہے

اشعری اور ماتریدی عقائد

اشعری مذہب جس کی نمائندگی موجودہ اہلسنت والجماعت[2] کرتے ہیں معتزلہ اور اہلحدیث[3] کے

---

۱ زہدی حسن جار اللہ، المعتزلہ، طبع دوم، بیروت: دار الاھلیۃ للنشر والتوزیع ۱۹۷۴ء۔

☆ اکثر برادران اہلسنت عقائد میں اشعری کو امام مانتے ہیں اور فقہ میں ان ائمہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرتے ہیں۔

۱۔ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان زوطی متولد ۸۰ھ کوفہ — متوفی ۱۵۰ھ بغداد

۲۔ ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک اصبحی متولد ۹۳ھ مدینہ — متوفی ۱۷۹ھ مدینہ

۳۔ محمد بن ادریس بن عباس بن شافع مطلبی متولد ۱۵۰ھ غزہ — متوفی ۲۰۴ھ مصر

۴۔ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی مروزی متولد ۱۶۴ھ بغداد — متوفی ۲۴۱ھ بغداد

☆ اہلحدیث سلفی بھی کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ متقدمین میں محمد بن عبد الوہاب نجدی اور متاخرین میں عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز کے عقائد و نظریات کی پیروی کرتے ہیں۔

درمیان ایک اعتدال پسند مذہب ہے۔ اس مکتب کا بانی ابوالحسن اشعری (متوفی ۳۲۴ھ) پہلے معتزلی تھا۔ وہ چالیس سال تک معتزلی عقائد پر کاربند رہا لیکن ۳۰۰ھ میں اس نے بصرہ کی جامع مسجد میں معتزلی عقائد سے تائب ہوکر اہلسنت والجماعت کا مذہب اختیار کیا۔ اس نے اہلحدیث اور معتزلہ کے درمیانی راستے کا انتخاب کیا۔ اس نے عملی طور پر اہلحدیث کو تقویت پہنچائی لیکن اس کے لئے اس نے معتزلہ کا عقلی طریقہ استعمال کیا۔ اس کی اسی روش کی وجہ سے معتزلہ نے اس کی مخالفت کی جبکہ اہلحدیث نے بھی اسے اپنے موضوع میں دخل جانا۔ اہلحدیث آج تک اسے معاف کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ وہ اسے بنیادی اصول سے روگردانی کا مجرم قرار دیتے ہیں اور بعض شدت پسند اہلحدیث اس پر کفر کا فتویٰ بھی صادر کرتے ہیں۔

اشعری کے زمانے میں ابومنصور ماتریدی سمرقندی (متوفی ۳۳۳ھ) بھی بعینہٖ انہی خطوط پر عمل کر رہا تھا ماتریدی کو بھی عقائد میں اہلسنت کا امام تصور کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اشعری اور ماتریدی دونوں مذہب اہلسنت کے عقائد کے امام تھے لیکن بعض مسائل میں دونوں کی رائے یکساں نہیں تھی۔ کچھ افراد نے ان کے اختلافات کی تعداد گیارہ تک بیان کی ہے۔[1] اشعری قرآن اور حدیث کے ظاہری الفاظ کی تاویل سے بہت اجتناب کرتا تھا اور وہ تشبیہ و تجسیم کے پاتال میں بلاکیف کہہ کر اور مسائل قدر میں بالکسب کہہ کر جبر کے [illegible] میں گرنے سے بچنے کی کوشش کیا کرتا تھا جبکہ دوسرے فرقے اس کی اس کوشش کو فکری اور اعتقادی مسائل میں اس کی نارسائی تصور کرتے تھے۔ بہرحال اشعری مذہب اہلحدیث کے سامنے سینہ سپر رہا اور رفتہ رفتہ عالم اسلام میں پھیل گیا۔[2]

(۳) ذوقی و اشراقی استدلال

اسلامی مکاتب فکر میں ایک ایسا مکتب بھی گزرا ہے جو علم کلام کے مسائل کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتا تھا اور پھر اس نظریے کا انتخاب کرتا تھا جو صوفیاء کے ذوق سے مطابقت رکھتا تھا۔ یہ مکتب عقلیات پر قائم اہل عدل متکلمین کے مسلک سے بالکل جدا تھا۔ اس مکتب کا بانی حلاج تھا۔☆

اس مکتب میں امام غزالی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے الجام العوام عن علم الکلام میں لکھا ہے کہ یہ "خاصہ" کا طرز فکر ہے۔ اس کے سوا باقی طرز فکر "عامہ" سے تعلق رکھتے ہیں۔ "عامہ" اور ان کے

۱۔ محمد ابو زہرہ، تاریخ مذاہب الاسلامیہ، قسم الاشاعرۃ والماتریدیۃ۔ آیت اللہ جعفر سبحانی، الملل و النحل ص ۱-۳۔ فرد ولی، الفرق الاسلامیۃ فی الشمال الافریقی ص ۱۸۔ احمد محمود صبحی، علم الکلام ج ۱۔

۲۔ سبکی، طبقات الشافعیۃ ج ۳، ص ۳۹۱۔ یافعی، مرآۃ الجنان ج ۲، ص ۳۴۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ ج ۳، ص ۹۔

☆ مشہور صوفی منصور حلاج مراد ہے۔ منصور دراصل اس کے باپ کا نام تھا اور اس کا نام حسین تھا۔ ۳۰۹ھ وہ انا الحق کہنے پر سولی دیا گیا اور اس کی لاش کو جلا کر دریائے دجلہ میں بہا دیا گیا تھا

پیروکار "اول" کو تو جانتے ہیں لیکن "سند دوم" سے محروم ہیں۔[1]

ڈاکٹر سلیمان دنیا نے غزالی اور دوسرے صوفیاء کے طرز فکر پر **الحقیقة فی نظر الغزالی** کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ ڈاکٹر احمد محمود صبحی نے غزالی پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غزالی نے ذات باری کی حقیقت کے متعلق یہ فتویٰ دیا تھا کہ عوام کو اس میں غور و فکر کرنا حرام ہے۔ ہمیں غزالی کے اس فتویٰ سے تو کوئی اختلاف نہیں لیکن غزالی کی انتہا پسندی یہ ہے کہ اس نے ادیبوں، نحویوں، محدثوں، فقیہوں اور متکلمین سب کو عوام کے زمرے میں شامل کیا ہے اور یہ فتویٰ دیا ہے کہ ذات باری کی حقیقت کے متعلق **راسخین فی العلم** سے مراد صرف بحر معرفت میں ڈوبے ہوئے اولیاء ہیں جو کہ خواہشات دنیا سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ غزالی کی یہ عبارت ان لوگوں کے لئے سند ہے جن کا یہ دعویٰ ہے کہ حکمت اشراقیہ اور فیض کے متعلق غزالی کا ایک عقیدہ و نکتہ نظر تھا۔ اسی نظریے کی وجہ سے ابو حامد غزالی کو حجۃ الاسلام کہا جاتا تھا۔

اس کے بعد ڈاکٹر صبحی کہتے ہیں کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ فقہاء، مفسرین اور متکلمین کو تو **راسخین فی العلم** کی صف سے باہر رکھا جائے اور صوفیاء کو ہی علم میں راسخ قرار دیا جائے؟ کیا اس سے صوفیاء کے مزید "شطحیات" کا دروازہ نہیں کھل جاتا؟ جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فیض و اشراق اور اس کے درآمد شدہ اصول اسلامی عقائد کے لئے اتنے ہی مضر ہیں جتنے کہ متکلمین کے خود ساختہ مسائل نقصان دہ ہیں۔[2] اس کے باوجود تصوف نے اسلامی عقائد سے متعلق بھاری میراث چھوڑی ہے جس میں "فتوحات مکیہ" سرفہرست ہے۔[3]

(۴) حسی اور تجرباتی استدلال

اسلامی عقائد کے متعلق یہ بالکل نئی فکر ہے اور اس فکر کے حامل زیادہ تر وہ علماء اور دانشور ہیں جو مغرب سے زیادہ متاثر ہیں۔ یہ علماء اور دانشور مصر، ہندوستان، عراق اور ان اسلامی ممالک سے تعلق رکھتے ہیں جو انگلستان، امریکہ، جاپان اور فرانس کی نوآبادیات رہے ہیں۔ اس طرز فکر کے حامل فرد معرفت الٰہی کے ذرائع کے متعلق ایک خاص نکتہ نظر رکھتے ہیں اور وہ حسی اور تجرباتی اسالیب پر زیادہ انحصار کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں قدیم عقلی طرز فکر اور ارسطو کی منطق کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ان لوگوں نے ما بعد الطبیعیاتی علوم یعنی Metaphysics اور معارف دینیہ کو سائنس اور تجرباتی میزان پر پرکھنے کی کوششیں کی ہیں۔[4]

۱۔ امام غزالی، الجام العوام عن علم الکلام ص ۶۶

۲۔ ڈاکٹر احمد محمود صبحی علم الکلام ج ۲، ص ۳۰۳۔

۳۔ شعرانی عبد الوہاب بن احمد، الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر۔ شیخ عاطف الزین، الصوفیة فی نظر الاسلام طبع سوم، مطبوعہ دار الکتاب اللبنانی ۱۹۸۵ء۔

۴۔ ڈاکٹر عبد الحلیم محمود، التوحید فی الخالص او الاسلام و العقل۔

اس مسلک کے علاوہ وہ دانشور معجزات کی مادّی تفسیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبوت انسانی عبقریت کا دوسرا نام ہے۔ کچھ محققین نے اس طرز فکر پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔[1] مثال کے طور پر سرسید احمد خان کی تالیفات۔[2] سرسید نے اپنی تفسیر قرآن میں سخت مغرب پسند ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی تفسیر جدید سائنسی انکشافات سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔ سرسید کو اگرچہ مذکورہ طرز فکر کا پورا علمبردار تو نہیں کہا جا سکتا البتہ یہ بات ضرور کہی جا سکتی ہے کہ انہوں نے قرآن کے متعلق معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قرآن مجید مکمل طور پر جدید علوم کا حامی ہے۔ اس طرز فکر کی فی الحال کوئی سرحد معین نہیں کی جا سکتی البتہ اس کا پرتو مختلف دینی مسائل اور جدید سائنسی مقالات میں پوری طرح سے دیکھا جا سکتا ہے۔[3]

(۵) فطری استدلال

اہلبیتؑ کی تعلیمات میں فطری استدلال کے بنیادی عناصر موجود ہیں جن کے بغیر اسلامی عقائد کا صحیح ادراک ممکن نہیں ہے۔ اس طرز فکر کی اساس قرآن و سنت سے ماخوذ ہے جیسا کہ قرآن مجید بتاتا ہے

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ○ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے۔ یقیناً یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے مگر لوگوں کی اکثریت اس بات سے بالکل بے خبر ہے۔ (سورۂ روم آیت ۳۰)

اس آیت میں یہ اعلان ہے کہ معارف دین تک پہنچنے کا بہترین راستہ انسان کی فطرت ہے اور فطرت کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ بری معاشرت اور خراب تربیت سے تبدیل نہ ہوئی ہو اور خواہشات کی پیروی اور ناحق بحث و مباحثہ سے اس کا نور مدھم نہ ہوا ہو۔ انسانوں کی اکثریت حق و حقیقت تک اس لئے نہیں پہنچ پاتی کہ عصبیت کی وجہ سے ان کا چراغ فطرت بجھ چکا ہے اور ان کی ہٹ دھرمی حقائق کے ادراک میں مانع ہے۔

حدیث میں بھی فطرت سلیمہ کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ یعنی ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔[4]

۱۔ ڈاکٹر عبد الرزاق نوفل، المسلمون والعلم الحدیث۔ فرید وجدی، الاسلام فی عصر العلم۔

۲۔ ترجمہ تفسیر قرآن ج ۱، ص ۹۔۱۵۔

۳۔ شیخ محمود شلتوت، تفسیر القرآن الکریم کے پہلے دس پارے ص ۱۱۲۔۱۳۔ علامہ اقبال، احیاء الفکر الدینی فی الاسلام جس کا فارسی ترجمہ احمد آرام نے کیا ہے ص ۱۲۷۔۱۵۱۔ سید جمال الدین افغانی، العروة الوثقیٰ ج ۵ ص ۳۸۳، مطبوعہ مصر۔ (اس طرز فکر کی جھلک پرویز کی تحریروں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ مترجم)

۴۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز و کتاب التفسیر ۳۰ القدر ۳۰۔ صحیح مسلم، کتاب القدر حدیث ۲۲۔۲۳۔۲۴۔ مسند احمد ج ۲، ص ۲۳۳۔۲۸۱، ج ۳، ص ۳۵۳ نیز آصف محسنی قندہاری کی صراط الحق میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

فطری طرز فکر میں عقل، نقل، شہود، شرق اور سائنسی انداز سب ہی شامل ہیں۔ اس طرز فکر کی خوبی یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہی طریقے پر انحصار نہیں کرتا بلکہ خدائی ہدایت کے تحت جہاں جس طریقے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں اس سے استفادہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

ہدایت کی توفیق اللہ کی طرف سے ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ یہ آپ پر احسان جتاتے ہیں کہ اسلام لے آئے ہیں۔ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے کہ تم مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو۔ اگر تم اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو اللہ تم پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی ہے۔ (حجرات آیت ۱۷) ایک اور آیت میں ہے: وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَىٰ مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاکیزہ نہ بن سکتا تھا۔ (سورۂ نور آیت ۲۱)

اس طرز فکر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پیروکار علم کلام کے مناظرات اور شکوک و شبہات سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ ائمہ اہلبیتؑ سے ایسی روایات نقل کرتے ہیں جن میں دین کے متعلق خواہ مخواہ کی مناظرہ بازی سے منع کیا گیا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مخالفین ایک مذہب رکھنے کے باوجود ہمیشہ سے بنیادی مسائل کے متعلق اختلاف کا شکار ہیں۔[۲] اللہ کی پیدا کردہ فطرت کو روایات اہلبیتؑ میں کبھی طینت اور کبھی عقل مطبوع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے علم حدیث کے ذخیروں کی طرف رجوع فرمائیں۔[۳]

عقائد سمجھنے کے لئے اہلبیتؑ کا طرز فکر

عقیدے کی بحث میں اس کے مصادر کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ قبلاً ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ قرآن اور حدیث اسلامی عقائد کا سرچشمہ ہے۔ دوسرے مکاتب فکر اور اہلبیتؑ کے مکتب فکر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اہلبیتؑ کا مکتب کسی صورت میں بھی قرآن اور حدیث سے جدا نہیں ہوتا اور ہر مسئلہ قرآن اور حدیث کے سائے میں حل کرتا ہے۔ وہ قرآن اور حدیث کے مقابلے میں کسی خواہش اور عصبیت کو ترجیح دینے پر آمادہ نہیں یہ مکتب اجتہاد کے بنیادی اصول میں بھی قرآن اور حدیث کو ہی اولین ماخذ قرار دیتا ہے۔ اسی لئے

(۱) اس مکتب فکر کے افکار کی گہرائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے پیرو اجتہاد کو نص پر مقدم نہیں کرتے اور یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ نص معارض سے خالی ہو یا اگر معارض موجود ہو تو وہ اس کے مفہوم کی مقاومت نہ کر سکتا ہو۔ جبکہ دوسرے مذاہب کا نصوص کے ساتھ رویہ کچھ بہتر نہیں۔ ایسے مکاتب بھی موجود ہیں

۲۔ علی بن طاؤس، کشف المحجۃ لثمرۃ المہجۃ ص ۲۰، مکتبۃ الداوری، قم۔

۳۔ اصول کافی ج ۱، ص ۴۰۱، باب الہدایۃ ج ۲، ۳ باب طینۃ المؤمن و الکافر، طبع چہارم مکتبۃ الاسلامیہ، تہران ۱۳۹۲ھ

جو کمزور تاویلات کا سہارا لے کر نصوص کی پابندی سے اپنے آپ کو آزاد کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت امیرالمومنینؑ نے حارث بن حوط سے فرمایا تھا: **انک لم تعرف الحق فتعرف من اتاہ ولم تعرف الباطل فتعرف من اتاہ** یعنی تم نے ابھی تک حق کو ہی نہیں پہچانا تو حق والوں کو کیسے پہچانتے اور تم نے باطل کو ہی نہیں پہچانا تو بھلا اہل باطل کو کیسے پہچانتے؟ (نہج البلاغہ، حکمت ۲۶۲)

(۲) مکتب اہلبیتؑ میں نص پر کسی چیز کو مقدم نہیں رکھا جاتا بشرطیکہ نص قطعی اور متواتر ہو۔ اسلامی عقیدے کے لئے یہ بنیادی شرط ہے کیونکہ تخمین و ظن سے عقیدے کا اثبات ممکن نہیں ہے۔ اہلبیتؑ کے پیروؤں کی روش مدنظر رکھ کر سلفی حضرات کو بھی اپنی اصلاح کرلی چاہئے کیونکہ وہ عقیدے سے متعلق ضعیف اور خبر واحد کو بھی قبول کرتے ہیں اور اپنے طرز فکر کے دفاع میں مرنے مارنے سے دریغ نہیں کرتے اور بعض ضعیف روایات پر انحصار کرکے مسلمانوں کو کافر کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ انہیں صرف روایت پسند ہی نہیں ہونا چاہئے حدیث کے صدق و کذب اور عام و خاص، محکم و متشابہ اور راوی کے حفظ و وہم کی جستجو اور تحقیق بھی کرنی چاہئے۔

(۳) اسلامی عقائد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے "ضروری" اور "نظری"۔ "ضروری" سے مراد وہ عقائد ہیں جن کا منکر دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً توحید، نبوت اور قیامت جو ضروریات دین میں سرفہرست ہیں۔ نظری عقائد سے مراد ایسے عقائد ہیں جن کے لئے تحقیق اور دلیل کی ضرورت محسوس ہو اور جن میں مذاہب میں اختلاف ممکن ہو۔ پس ضروری عقائد کا منکر کافر ہوتا ہے جبکہ نظری عقائد کا منکر کافر نہیں ہوتا۔

(۴) عقیدے میں قیاس اور استحسان قابل قبول نہیں ہیں۔

(۵) مکتب اہلبیتؑ اس بات پر بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ عقل کے صحیح تقاضے صحیح منقول کے موافق ہوتے ہیں بشرطیکہ دونوں کے تقاضوں کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے اور ظنیات کو بطور مسلمات پیش نہ کیا جائے۔ معقول صحیح کے مقابلے میں منقول ضعیف کو اور صحیح متواتر روایت کی جگہ پر خبر واحد کو نہ لیا جائے۔

(۶) ایسے تمام اجتہادات اور تعبیرات ناجائز ہیں جن کا مقصد بدعت کی آبیاری ہو۔

(۷) مکتب اہلبیتؑ تمام انبیاءؑ اور بارہ ائمہ اہلبیتؑ کو دلائل قطعیہ سے معصوم جانتا ہے اور جب ان سے کوئی چیز ثابت ہوجائے تو اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ مجتہد سے صحیح اجتہاد بھی ممکن ہے اور اس سے اجتہادی غلطی کا بھی امکان ہے البتہ اگر اس نے اجتہاد کی تمام شرائط کے مطابق حق تحقیق ادا کیا ہو تو وہ معذور ہے۔

(۸) امت میں محدث بھی موجود ہیں اور وہ بھی جن کو الہام ہوتا ہے اور وہ بھی جنہیں سچے خواب دکھائی دیتے ہیں اور وہ ان ذرائع سے حقیقتوں کو پالیتے ہیں لیکن یہ تمام امور اثبات کے محتاج ہیں۔ عقیدہ و عمل میں ان کا بھی ایک مقام ہے لیکن اس کے لئے شرائط مقرر ہیں۔

(۹) تقویٰ اور ادب آداب کے ساتھ کیا جانے والا مناظرہ جس کا مقصد اجالا پھیلانا، حق پہنچانا اور عقائد

کی ترویج کرنا ہو تو وہ قابل تعریف ہے لیکن بنا علمی تبحر دکھانے کے لئے مناظرہ کرنا قابل مذمت ہے۔ مناظرے کے دوران ایسی کوئی بات ہرگز نہیں کہنی چاہئے جس کا پورا علم اور یقین نہ ہو۔

(۱۰) مکتب اہلبیتؑ بدعت سے متنفر ہے اور ہر وہ کام بدعت ہے جسے دین کے نام پر رائج کیا جائے جبکہ وہ دین میں سے نہ ہو۔ بعض لوگ کسی چیز کو بدعت اور کسی چیز کو سنت سمجھ لیتے ہیں لیکن جب تحقیق کی جاتی ہے تو وہ چیز بدعت یا سنت نہیں ہوتی اس لئے پہلے، اچھی طرح سے تحقیق کر لینی چاہئے پھر فتویٰ دینا چاہئے۔[۱]

(۱۱) کسی کو کافر کہنے کے لئے انتہائی غور و فکر ضروری ہے۔ جب تک کوئی شخص خود اپنے کفر کا اقرار نہ کرے یا اس کے خلاف ناقابل تردید شہادت نہ ملے اس وقت تک کفر کا فتویٰ نہیں لگانا چاہئے کیونکہ "تکفیر" حد شرعی کا سبب ہے اور حد شرعی کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ "حدود، شبہات سے ٹل جاتی ہیں۔" کسی کو کافر کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ہاں اگر کوئی واقعی کافر ہو جائے تو پھر اسے کافر کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[۲]

(۱۲) اختلافات کی صورت میں کتاب، سنت اور عترت کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ "اگر لوگ (اس امر کو) رسول اور اپنے صاحبان امر کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے (صاحبان امر) اس امر کی تحقیق کر لیتے۔ اور اگر تم پر فضل و کرم نہ ہوتا تو معدود چند لوگوں کے سوا سب شیطان کے پیرو ہو جاتے۔" (سورۂ نساء آیت ۸۳)

(۱۳) صفات باری کے متعلق مکتب اہلبیتؑ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات عین ذات ہیں۔ وہ بذات خود زندہ ہے، حیات کی وجہ سے زندہ نہیں ہے۔ وہ بذات خود قادر ہے اور بذات خود عالم ہے۔[☆] اللہ ان معنوں میں صفات سے موصوف نہیں جیسا کہ مشبہہ کہتے ہیں۔ صفات باری کے متعلق جو بدترین نظریہ ابوہاشم جبائی نے پیش کیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ اہل توحید سے جدا ہوا تھا مذہب اہلبیتؑ ایسے تمام نظریات کا ابطال کرتا ہے۔ صفات باری کے متعلق امامیہ اور معتزلہ کا مجموعی عقیدہ یہی ہے البتہ معتزلہ میں سے چند ایک نے اس بات سے اختلاف کیا ہے جن کی نشاندہی ابھی ہم نے کی ہے۔ امامیہ اور معتزلہ کے علاوہ زیدیہ، اکثر مرجئہ اور اصحاب حدیث کی ایک جماعت کا تعلق یا تو اہل اثبات سے ہے یا پھر اہل تعطیل سے۔[۳]

(۱۴) مکتب اہلبیتؑ اشیا کے حسن و قبح کو عقلی جانتا ہے اور یہ مکتب اس بات پر عقیدہ رکھتا ہے کہ عقل بعض اشیا کے حسن و قبح کو فوراً محسوس کر لیتی ہے۔

۱۔ شریف مرتضیٰ علی بن حسین موسوی متوفی ۴۳۶ھ، رسائل الشریف المرتضی، رسالہ الحدود والحقائق۔

۲۔ ان لوگوں کی تکفیر جو کہتے ہیں کہ اللہ کی صفات ہیں اور وہ ان صفات سے موصوف تھا اور انہوں نے ان کے ثبوت کے لئے حد تشبیہ کو عبور کیا۔

☆ حضرت امیرؑ دعائے صباح میں فرماتے ہیں یا مَنْ دَلَّ عَلَىٰ ذَاتِهِ بِذَاتِهِ وَتَنَزَّهَ عَنْ مُجَانَسَةِ مَخْلُوقَاتِهِ۔

۳۔ شیخ مفید، اوائل المقالات ص ۱۸۔

توحید کے متعلق نظریات: کتب اہلبیتؑ توحید میں تنزیہ مطلق پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ کوئی چیز اس کی مثل نہیں ہے اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (سورۂ شوریٰ آیت ۱۱) علاوہ ازیں مکتب اہلبیتؑ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حاسہ چشم سے اللہ تعالیٰ کا دیکھنا محال ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ یعنی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں جبکہ وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ (سورۂ انعام آیت ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی صفات سے متصف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ فرمان الٰہی ہے سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وہ ان باتوں سے جو اس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے (اور اس کی شان ان سے) بلند ہے۔ (سورۂ انعام آیت ۱۰۱) سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین اور عرش کا پروردگار ان باتوں سے پاک ہے۔ (سورۂ زخرف، آیت ۸۲)

عدل کے متعلق نظریات: کتب اہلبیتؑ اللہ تعالیٰ کو عادل مانتا ہے اور اس سے ظلم کی نفی کرتا نظر آتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ بیشک اللہ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (سورۂ نساء، آیت ۴۰) إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ بیشک اللہ تو انسانوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن انسان ہی اپنی جانوں پر ظلم کررہے ہیں (سورۂ یونس آیت ۴۴)

نبوت کے متعلق نظریات: نبوت کے متعلق کتب اہلبیتؑ کا پیغام یہ ہے کہ انبیاء مطلقاً معصوم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۝ اور کبھی نہیں ہوسکتا کہ نبی خیانت کرے اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز لاکر حاضر کرنی ہوگی۔ (سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۱) قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (اے رسولؐ) آپ کہہ دیجئے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے یوم عظیم کے عذاب کا خوف ہے۔ (سورۂ انعام، آیت ۱۵) کتب اہلبیتؑ انبیائے کرام کو وحی پہنچانے میں بھی معصوم سمجھتا ہے ارشاد باری ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ اگر یہ پیغمبر اپنی طرف سے ہماری نسبت کوئی بات خود بنالیتے تو ہم ان کے ہاتھ کو پکڑ لیتے۔ پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔ (سورۂ حاقہ آیت ۴۴تا۴۶)

کتب اہلبیتؑ فرشتوں کو بھی معصوم سمجھتا ہے لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔ (سورۂ تحریم، آیت ۶)

امامت کے متعلق نظریات. کتب اہلبیتؑ کا نظریہ ہے کہ امامت ایک خدائی عہدہ ہے اور

غیر معصوم امام نہیں ہو سکتا مگر عصمت کی شرط امامت کبریٰ کے لئے ہے اور امامت کبریٰ سے مراد دنیا اور دین سے امور میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جانشینی ہے۔ یہ شیعہ نظریہ اس آیت پر قائم ہے وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝ جب پروردگار نے چند باتوں میں ابراہیم کو آزمایا تو وہ ان میں پورے اترے۔ خدا نے کہا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میری اولاد میں سے بھی (امام بنانا)۔ ارشاد ہوا کہ ہمارا یہ عہدہ ظالموں کیلئے نہیں۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۲۴)

الغرض ان نصوص قطعیہ کی بنیاد پر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انبیاء اور ائمہ کے خواب بھی سچے ہوتے ہیں اور اللہ نے انہیں خواب کی غلطی سے بھی معصوم بنایا ہے۔

مکتب اہلبیتؑ میں استنباط کیلئے عقل کا مقام

مکتب اہلبیتؑ معتزلہ کی فرط اور اہلحدیث کی تفریط کے بین بین عقل کو ایک خاص مقام عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ شیخ مفید (متوفی ۴۱۳ھ) رقم طراز ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ مذہب امامیہ کے ائمہ کے متعلق متواتر روایات موجود نہیں ہیں بلکہ ان کے لئے اخبار آحاد ہیں تو ہمارے مذہب کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ اخبار آحاد کے ساتھ ساتھ ہمارے پاس ایسے عقلی دلائل بھی موجود ہیں جو ائمہ ہدیٰ کی امامت کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اگر خدانخواستہ مذکورہ نقلی روایات باطل ہوتیں جیسا کہ مخالفین کہتے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ عقلی دلائل بھی باطل ہو جاتے جو ائمہ کی امامت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔[1]

شیخ مزید لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق و مشیت سے میں اس کتاب میں مذہب شیعہ اور مذہب معتزلہ کا فرق واضح کروں گا اور اس کے ساتھ ساتھ عدل الٰہی کا نظریہ رکھنے والے شیعوں اور عدل الٰہی کا عقیدہ رکھنے والے معتزلہ کا باہمی فرق بھی اجاگر کروں گا۔[2]

شیخ صدوق محمد بن بابویہ (متوفی ۳۸۱ھ) فرماتے ہیں۔ خدا کی سنت یہ ہے کہ پہلے وہ عقل میں کسی چیز کے حقائق کی تصویر کشی کرتا ہے۔ اس کے بعد اس چیز کی دعوت دیتا ہے کیونکہ اگر عقل میں پہلے سے اس کی تصویر ہی موجود نہ ہو تو پھر دعوت کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہو سکتا۔ اشیاء عقل میں اپنی صورت بناتی ہیں اور اپنے مقصود کی

۱۔ شیخ مفید، اوائل المقالات۔

۲۔ شیخ مفید، المسائل الجارودیہ ص ۳۹۔

بھی خبر دیتی ہیں۔ مگر عقل میں انبیاء کا انکار پہلے سے موجود ہوتا تو خدا کبھی بھی کسی نبی کو مبعوث نہ کرتا۔[۱]

شیخ صدوق مزید لکھتے ہیں اس سلسلے کی صحیح ترین گفتگو یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہم نے خدا کو خدا کے ذریعے سے ہی پہچانا ہے کیونکہ اگر ہم نے خدا کو اپنی عقل سے پہچانا تو عقل بھی تو خدا کی عطا کی ہے اور اگر ہم نے خدا کو انبیاء اور ائمہ کے ذریعے سے پہچانا تو انہیں بھی تو خدا نے مبعوث کیا ہے اور اسی نے ہی انہیں اپنی حجت قرار دیا ہے۔ اور اگر ہم نے خدا کو اپنے نفوس سے پہچانا تو ہمارے نفوس بھی تو خدا کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ لہٰذا ذریعہ معرفت جو بھی ہو اس کا آخری نتیجہ یہی ہوگا کہ ہم نے خدا کو خدا ہی سے پہچانا۔[۲] اور عقل کے متعلق یہ طرز عمل یعنی اسے انبیاء و ائمہ ہدیٰ کے پہلو بہ پہلو تسلیم کرنا مذہب امامیہ کا ہی طرۂ امتیاز ہے اور مکتب اہلبیتؑ کے علاوہ کسی بھی مذہب میں عقل کو یہ پذیرائی نہیں ملی۔

صادق آل محمدؑ سے اس سلسلے میں یہ حدیث مروی ہے: لولا اللّٰہ ما عرفنا ولولا نحن ما عرف اللّٰہ یعنی اگر خدا نہ ہوتا تو ہماری پہچان نہ ہوتی اور اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی پہچان نہ ہوتی۔[۳]

شیخ صدوق اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر خدا کی حجتیں نہ ہوتیں تو اس کی مکمل پہچان نہ ہوتی اور اگر خدا نہ ہوتا تو حجتوں کو کوئی نہ پہچانتا۔[۴]

علم کلام کے مناظروں کے متعلق مکتب اہلبیتؑ کا نظریہ

مناظرے کے متعلق دو قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ اہلحدیث علماء کے نزدیک علم کلام کے مسائل پر گفتگو کرنا مطلقاً حرام اور ناجائز ہے جب کہ معتزلہ کا دارومدار ہی علم کلام کے مباحثوں پر رہا ہے۔ یہ دونوں نظریات افراط و تفریط پر مبنی ہیں جبکہ مکتب اہلبیتؑ کا نظریہ دونوں انتہاؤں کے بیچ میں ہے اور مکتب اہلبیتؑ مناظرہ کے لئے اعتدال پسندانہ نکتہ نظر رکھتا ہے۔

۱۔ شیخ صدوق، اکمال الدین واتمام النعمۃ۔

☆ اہل دانش کی یہ بات کہ انسان اپنی فطرت کی بنا پر جو فطرت اسلام ہے یہ جان سکتا ہے کہ اس کائنات کا اور خود انسان کا ایک خالق ہے ادھوری بات ہے۔ کہ اگر خداوند عالم اپنے نبیوں کو نہ بھیجتا تو انسان کبھی اپنی عقل سے خدا کے احکامات و محرمات اور موت کے بعد کی زندگی کو نہیں جان سکتا تھا اسی سبب سے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے پیغمبر باطن یعنی عقل کے ساتھ پیغمبر ظاہر بھی بھیجے جن کا بھیجنا اس بات کی دلیل ہے کہ عقل کی رسائی ان امور تک نہیں ہے لہٰذا جوشؔ کا یہ کہنا بالکل صحیح نہیں ہے۔

ہم اہل نظر کو ثبوت حق کے لئے
اگر رسول نہ ہوتے تو صبح کافی تھی

۲۔۳۔۴۔ شیخ صدوق، کتاب التوحید ص ۲۹۰۔

مذہب اہلبیتؑ قرآن کریم کی اتباع میں مناظرے کو دو قسموں میں تقسیم کرتا ہے

(۱) اچھا مباحثہ (۲) برا مباحثہ

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝ (اے رسولؐ) لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت سے اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو۔ جو راستے سے بھٹک گیا ہے تمہارا رب اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۱۲۵)

شیخ مفید مناظرے کے متعلق کتب اہلبیتؑ کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں جماعت صادقین نے اپنے ماننے والوں میں سے ایک گروہ کو حکم دیا کہ وہ مخالفین سے مناظرہ نہ کریں اور دوسرے گروہ کو حکم دیا کہ وہ مخالفین سے مناظرہ کریں اور انہیں حق کی دعوت دیں۔ معصومین نے دونوں گروہوں کے حالات کو مدنظر رکھ کر انہیں علیحدہ علیحدہ حکم دیا۔ جو گروہ حق کی صحیح ترجمانی سے قاصر تھا اسے مناظرہ کرنے کا اہل قرار نہیں دیا گیا اور جو گروہ احقاق حق اور ابطال باطل کی صلاحیت رکھتا تھا اسے اس کا حکم دیا گیا۔[1]

شیخ مفید کے کلام میں جماعت صادقین سے مراد عترت طاہرہ کے وہ معصوم امام ہیں جن کی طہارت کی خبر خدا نے دی ہے اور جنہیں خدا نے ہر رجس سے پاک رکھا ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ۝ اے اہلبیتؑ! اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں اس طرح سے پاک رکھے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے۔ (سورۂ احزاب آیت ۳۳)

اور جماعت صادقین سے مراد وہ معصوم ہستیاں ہیں جن کے متعلق خدا نے حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ اے ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (سورۂ توبہ آیت ۱۱۹)

جماعت صادقین ان ائمہ ہدیٰ پر مشتمل ہے جن کی امامت پر رسول کریمؐ نے نص فرمائی اور ہر پہلے امام نے دوسرے کے متعلق نص فرمائی یہاں تک کہ ان کی تعداد پوری ہوگئی۔ احادیث میں ائمہ ہدیٰ کے متعلق مختلف الفاظ میں اعلان موجود ہیں اور حدیث نبوی میں ان کی تعداد بھی موجود ہے اور ان کے پہلے امام پر واضح الفاظ میں نص بھی موجود ہے۔ جو حضرات تفصیل کے خواہشمند ہوں تو وہ اس موضوع کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔[2]

۱۔ شیخ مفید، تصحیح الاعتقاد ص ۶۶۔

۲۔ اس موضوع کے لئے ابن عیاش جوہری کی کتاب مقتضب الاثر فی النص علی عدد الائمۃ الاثنی عشر، ابن طولون دمشقی کی کتاب الشذرات الذہبیۃ فی الائمۃ الاثنی عشریۃ، شیخ مفید کی کتاب المسائل، بحار وغیرہ اور شیخ حر عاملی محمد بن حسن کی کتاب اثبات الہداۃ بالنصوص والمعجزات کا مطالعہ کیجئے۔

معرفت الٰہی کے متعلق غور وفکر واجب ہے

مکتب اہلبیتؑ میں عقل وشریعت کو ایک دوسرے کا مخالف نہیں بلکہ حلیف سمجھا جاتا ہے جیسا کہ شیخ صدوق نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے زہرہ کو پھر چاند کو اور پھر سورج کو دیکھا اور جب سب کو غروب ہونے والا پایا تو فرمایا: یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ۝ اے میری قوم! میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے مگر اس کے باوجود وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ دلیل کے بغیر توحید کو ثابت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بیان کردہ دلیل کو اپنی القائی حجت بتایا ہے: وتلک حجتنا اتیناھا ابراھیم علی قومہ یہ ہماری وہ دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے پر دی تھی۔

معرفت توحید کے لئے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے مستغنی نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا: فاعلم انہ لا الہ الا اللّٰہ آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔[۱]

شیخ صدوق کا مقصود یہ ہے کہ عقل وحی کے بغیر معرفت پروردگار حاصل کرنے سے قاصر ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ عقل بالکل ہی بے سود ہے اور جن نتائج پر عقل پہنچاتی ہے ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

شیخ مفید لکھتے ہیں کہ عقل اپنے مقدمات اور نتائج کے لئے وحی کی محتاج ہے۔[۲] اور ساتھ ہی وہ تفہیم عقائد کیلئے عقل کے استعمال پر بھی زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کے متعلق کلام کرنے سے جو منع کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو مخلوق سے تشبیہ نہ دی جائے اور اس پر مخلوق کے احکام جاری نہ کئے جائیں۔[۳]

شیخ مفید اپنے مخالفین کو عقل ونظر استعمال نہ کرنے پر مطعون کرتے اور ضعیف الرائے قرار دیتے تھے۔ انہوں نے ایک مقام پر لکھا: فی العدول عن النظر المصیر الی التقلید المذموم باتفاق الکلمۃ یعنی فکر ونظر کو چھوڑ کر تقلید مذموم کو اختیار کرنا بالاتفاق قابل مذمت ہے۔[۴]

مکتب اہلبیتؑ میں نقل کا مقام اور کردار

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں دین کی معرفت کے لئے اگرچہ عقل کا کردار اہم ہے لیکن جب تک عقل کے ساتھ وحی کا نور شامل نہ ہو اس وقت تک وہ صحیح راستے کو از خود تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی اور تمام اسلامی مذاہب اور کلامی مکاتب اس نکتے پر متفق ہیں۔

۱۔ شیخ صدوق، کتاب التوحید ص ۲۹۲۔

۲۔ اوائل المقالات ص ۱۱۔۱۲۔

۳و۴۔ تصحیح الاعتقاد بصواب الانتقاد۔ یہ کتاب ۱۳۷۰ھ میں تبریز سے اوائل المقالات کے ساتھ ہی شائع ہوئی تھی۔

البتہ اگر اختلاف ہے تو وہ نقل (یعنی حدیث) کے حدود کے متعلق ہے۔ کیونکہ نقل کبھی تو خبر متواتر کی صورت میں ہم تک پہنچتی ہے اور اس کے بیان کرنے والے اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ دل اس پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ رسول اکرمؐ یا عترت طاہرہ یا صحابہ نے یہ بات کہی ہے۔ اور کبھی حدیث ہم تک متواتر نہیں پہنچتی اور اس سے ایک قوی یا ضعیف قسم کا "ظن" پیدا ہوتا ہے۔ کبھی حدیث خبر واحد کی شکل میں بھی ہم تک پہنچتی ہے۔ اگر حدیث خبر واحد تک محدود ہو تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا "ظن" شک سے کچھ زیادہ دور نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں مکتب اہلبیتؑ کی تعلیم یہ ہے کہ جب تک ایسی روایت کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جس سے اس کی صداقت ظاہر ہوتی ہو تو اس وقت تک اس روایت پر انحصار کرنا صحیح نہیں ہے۔

عقیدے کے لئے خبر واحد ناکافی ہے

جب کسی روایت کا تعلق عقیدے سے ہو تو مکتب اہلبیتؑ میں اس کے متعلق سخت احتیاط برتی جاتی ہے اور عقیدے کا استدلال ضعیف دلیل اور کمزور حجت کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔ دور حاضر میں احتیاط کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ہمارے اور رسول اکرمؐ کے عہد میں چودہ سو سال کا طویل فاصلہ حائل ہے اس لئے ہمیں ظنیات سے اجتناب کر کے مسلمات کو اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ ہم فتنوں سے محفوظ رہ سکیں۔ جب ہم مسلمات کو اپنائیں گے تو ایسے مباحثوں سے بچ جائیں گے جن سے اسلام اور اس کی روایات کو خطرات لاحق ہوئے۔

اس سلسلے میں شیخ مفید فرماتے ہیں: اور میں یہ کہتا ہوں کہ اخبار آحاد پر عمل واجب نہیں ہے۔ کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ خبر واحد کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرے تا آنکہ اس کے راوی کی صداقت کی کسی اور طریقے سے تصدیق نہ ہو جائے۔ اور یہی تمام شیعوں اور بہت سے معتزلہ اور محکمہ اور مرجئہ کے ایک گروہ کا نظریہ ہے لیکن فقہائے عامہ اور اصحاب الرائے اس سے متفق نہیں ہیں۔[1]

مذکورہ تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آل محمدؐ کے پیروکار اعتقادی مسائل میں کس قدر احتیاط برتتے تھے اتنی سخت احتیاط کا حکم بھی انہیں ائمہ اہلبیتؑ کی طرف سے ملا تھا۔ ائمہ اہلبیتؑ نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا تھا:

(۱) اخوک دینک فاحتط لدینک یعنی تیرا دین تیرا بھائی ہے لہٰذا اپنے دین میں احتیاط کر۔

(۲) اورع الناس من وقف عند الشبھۃ یعنی وہ آدمی بڑا پرہیزگار ہے جو شبہ والی چیزوں سے رک جائے۔

۱۔ اوائل المقالات ص ۱۰۰، مطبوعہ تبریز، ایران۔

اختتام بحث

اسلامی عقائد کے لحاظ سے مکتب اہلبیتؑ بہترین مکتب ہے اور علم و معرفت کے جتنے بھی ذرائع ہیں مکتب اہلبیتؑ ان سب سے استفادہ کرتا ہے لیکن وہ الٰہیات کے مسائل اور صفات باری کے متعلق مذکورہ ذرائع کی مداخلت کو درست قرار نہیں دیتا کیونکہ الٰہیات کے مسائل اس کی عقل کے دائرے سے باہر ہیں۔

مکتب اہلبیتؑ صرف ایک ہی ذریعے پر انحصار نہیں کرتا جیسا کہ اہلحدیث صرف نقل پر اور اہل تصوف صرف ذوق پر کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں مکتب اہلبیتؑ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی ذریعۂ علم کو اس کی قدر و قیمت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ مثلاً وہ عقل کو اس کا مناسب مقام تو دیتا ہے لیکن اسے استقلالی حیثیت دینے پر آمادہ نہیں ہے اور حواس کی حدود سے غائب اشیا اور روز قیامت کی تفصیلات کے متعلق عقل سے ذرہ برابر بھی رہنمائی قبول نہیں کرتا مگر اس کے باوجود یہ مکتب عقل کی بے قدری بھی نہیں کرتا اور مکتب اہلبیتؑ نے صریح الفاظ کے ساتھ یہ پیغام دیا کہ نور عقل کی روشنی کے بغیر وحی کا سمجھنا مشکل ہے۔

مکتب اہلبیتؑ احتیاط پسند مکتب ہے اس لئے وہ ہر قسم اور ہر طرح کی روایت اور سنت و نقل پر اس وقت تک اعتماد کا اظہار نہیں کرتا جب تک اس کی نسبت کے متعلق یقین نہ ہو جائے کہ واقعی رسول اکرمؐ یا صحابہ یا ائمہ ہدیٰ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ اور جب تک خبر واحد دوسری نصوص اور کتاب اللہ سے ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ اور روایات و اخبار کے لئے خاص و عام، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ اور حقیقت و مجاز کا جاننا انتہائی ضروری ہے۔ اور ان تمام چیزوں کے لئے جامع ترین لفظ "اجتہاد" ہے جس کے معنی نصوص سے مراد شرعی حاصل کرنے کی پوری کوشش کرنے کے ہیں۔

مکتب اہلبیتؑ میں مناظرہ فساد کا دروازہ کھولنے کے لئے نہیں بلکہ رب العالمین کے دین کی دعوت کے لئے کیا جاتا ہے اور ایسا مناظرہ احسن انداز سے کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مناظرے میں ہمیشہ حکمت اور نصیحت کے اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اور اگر مناظرہ صرف اپنی تجلیل اور دوسرے کی تذلیل یا فساد کی غرض سے ہو تو ایسے مناظرے سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے۔

ہم اپنے مضمون کا اختتام اس آیت قرآنی اور ارشاد ربانی پر کرتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ

اُورِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ہم (اعمال میں) کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے ایسے ہی لوگ جنتی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ہم ان کے سینوں سے ہر کینہ کو الگ کر دیں گے۔ ان کے قدموں تلے نہریں جاری ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو یہاں تک آنے کا راستہ بتا دیا اور اگر خدا ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پا سکتے تھے۔ بے شک ہمارے رب کے سب رسول دینِ حق لے کر آئے تھے اور (اس روز) انھیں آواز دی جائے گی کہ یہ وہ جنت ہے جس کا تمھیں تمہارے اعمال کی بناء پر وارث بنایا گیا ہے۔ (سورۂ اعراف: آیت ۴۲ و ۴۳)